اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر عالمگیریت کے اثرات

[تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ]

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

صابر حسین

پی ایچ ڈی شعبہ علوم اسلامیہ

Reg:455-Ph.D/IS/S/13

نگران تحقیق

ڈاکٹر نور حیات خان

صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

نومبر 2020ء

اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر عالمگیریت کے اثرات

[تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ]

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

صابر حسین

پی ایچ-ڈی شعبہ علوم اسلامیہ

Reg:455-Ph.D/IS/S/13

نگران تحقیق

ڈاکٹر نور حیات خان

صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

نومبر 2020ء

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عنوانات

....

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے وہ مجموعی طور پر امتحان کار کردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز سے اس مقالے کی منظوری کی سفارش کی جاتی ہے:

مقالے کا عنوان: اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر عالمگیریت کے اثرات

(تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ)

"Effects of Globalization on the Muslim Family System of Pakistan in the Twenty-First Century"

نام ڈگری: پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

نام پیش کار: صابر حسین

رجسٹریشن نمبر: 455-PhD/IS/S-13

ڈاکٹر نور حیات خان

نگران مقالہ

نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی

ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

ڈین: فیکلٹی سوشل سائنسز کے دستخط

میجر جنرل (ر) محمد جعفر (ہلال امتیاز - ملٹری)

ریکٹر نمل، اسلام آباد

ریکٹر کے دستخط

تاریخ

حلف نامہ

(Candidate declaration form)

میں صابر حسین ولد عبدالروف

رول نمبر: Feb 13-PhD-146 رجسٹریشن نمبر: 455-PhD/IS/S-13

طالب علم پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان

اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر عالمگیریت کے اثرات

[تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ]

"Effects of Globalization on the Muslim Family System of Pakistan in the Twenty-First Century"

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے اور یہ مقالہ ڈاکٹر نور حیات خان، پروفیسر علوم اسلامیہ نمل کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا کام اصل ہے اور ذاتی تحقیق پر مبنی ہے، ماسوائے جہاں متن مقالہ میں بیان کیا گیا ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے اور نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی میں یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **صابر حسین**

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

اپنی پیاری

والدہ محترمہ

کے نام جو ہمیشہ میرے اور زمانے کے

سرد و گرم کے

درمیان

دیوار بن کر کھڑی رہیں

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اپنے خالق حقیقی، رب دو جہاں کا شکر گزار ہوں جس کی توفیق و مدد سے یہ مشکل کام پایہ تکمیل تک پہنچا اور پھر لا متناہی درود و سلام ہو اس وجہ تخلیق کائنات پر جن کی رحمت کے زیر سایہ تمام جہاں ہیں۔ اس کے بعد میں ہر اس شخص کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی طرح سے مقالہ نگاری میں مدد کی، بالخصوص نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ریکٹر میجر جنرل (ر) محمد جعفر صاحب، ڈاکٹر شاہد صدیقی صاحب (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)، ڈائریکٹر ایکڈمکس جناب ڈاکٹر عزیز صاحب، جناب ڈاکٹر نور حیات خان صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ NUML، اور دیگر اساتذہ کرام کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ جنہوں نے میرے ساتھ یونیورسٹی میں داخلے سے لیکر مقالے کی تکمیل تک ہر ممکن مدد کی، اور بالخصوص بار دگر بے حد مشکور ہوں اپنے محترم استاد و نگران مقالہ جناب ڈاکٹر نور حیات خان صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ NUML ، جنہوں نے ہر مشکل حالات میں انتہائی خلوص کے ساتھ میری راہنمائی کی اور اپنے تبحر علمی اور مشفقانہ رویے سے میری خوابیدہ صلاحیتوں کو طاقت پرواز بخشی جس کے نتیجہ میں اپنے اس مقالہ کو اس مقام تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔ میں ان کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ان تمام کو دین و دنیا کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ خصوصاً عزیزم جناب بلال حسین (ایل ایل بی شریعہ اینڈ لاء اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) جنہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود مقالے میں آئینی و قانونی پیچیدگیوں کے حل میں دن رات ایک کر دیا۔

اور میں مشکور ہوں اپنے والدین کریمین اور چچا حضور علامہ عبد الغفور صاحب کا جن کی محبتوں، شفقتوں اور دعاؤں کی بدولت میں یہاں تک پہنچا، اپنی اہلیہ اور اپنے بہن بھائیوں کا جن کی دعائیں ہمہ وقت میرے شامل حال رہیں، سب کے لیے دعا گو ہوں۔ اور اپنے تمام دوست واحباب کے لیے جن کی دعائیں اور تحریک میرے لیے باعث حوصلہ رہی۔ وہ تمام احباء واقرباء جن کا مجھے دَامے دِرمے سُخنے ہر مرحلے میں تعاون حاصل ہوا ان سب کا ممنون و مشکور ہوں اللہ تعالیٰ سب کی دنیا و آخرت بہتر فرمائے۔ آمین

صابر حسین

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،

اسلام آباد

رموز واشارات

مقالہ ہذا میں غیر ضروری طوالت سے بچنے اور زیبائی کے لئے درج ذیل رموز واشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

آیات کے لیے	﴿ ﴾
احادیث کے لیے	(())
دیگر اقتباسات کے لیے	" "
صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے	ﷺ
رحمۃ اللہ علیہ کے لیے	ؒ
رضی اللہ عنہ کے لیے	ؓ
علیہ السلام کے لئے	

متنِ مقالہ اور حواشی میں بعض اہم نکات کے لئے۔

- ایک ہی صفحہ same حوالہ آنے پر وہاں حوالہ ایضاً / سابقہ حوالہ لکھا گیا ہے۔
- اصطلاحات کی وضاحت یا تو متن میں کر دی گئی ہے یا پھر حواشی میں کی گئی ہے۔
- مقالہ میں آنے والے تمام غیر معروف اسماء واماکن وغیرہ کا مختصر تعارف حواشی میں دیا گیا ہے۔
- اندازِ تحقیق ابتداء میں بیانیہ پھر تحلیلی اور آخر میں تجزیاتی ہے۔
- مقالے کے آخر میں نتائج تحقیق وسفارشات، فہرست کتابیات، فہرست آیات و آحادیث درج کی گئی ہے ۔

Abstract

The impact of globalization is a recognized fact. It affects every nook and corner of the world and Pakistan is no exception. Scholars have provided different definitions of globalization to convey its meaning comprehensively. According to some scholars, "globalization" refers to the global economic world while others define it as a global political world. Its impact could be positive as well as negative.

It is argued that the globalization mixes almost all values of life in terms of economic, social, political, civil and cultural aspects. Muslim countries are adversely affected by its impacts, as many of its aspects oppose certain teachings of the Qur'ān and *sunnah*, which are fundamental to Muslim culture and society. As a result, younger Muslim generations are getting unfamiliar with their traditions and values.

Pakistan also suffers from the negative effects of the globalization. Globalized culture influences politics, education, ethics, behavior, and religious attitudes. The educational system, social values, and ethics have degenerated but the negative effects are rampant on the family institution in Pakistan from various angles such as the lack of respect for parents, teachers, and elders among children. This situation is alarming for many traditionalist parents particularly and for the whole society generally. Islamic teachings help us to understand family as a unit of society in a broader spectrum. However, the negative effects of the globalization can be observed by exponential annual increase in divorce rate during the recent years. For instance, in 2016, twenty percent more divorce (*talaq and khula*) cases were reported. This number is increasing by each passing year. This imposes a threat to the fundamentals of our society. This thesis

"Effects of Globalization on the Muslim Family System of Pakistan in the Twenty First Century"

is a humble effort to understand the theory of globalization and suggest some ways to stop its adverse effects, which are painful to Muslim and Pakistani culture and society especially. Some principles are also described so that a Muslim or Muslim society can utilize the globalization. The research is based on the critical analysis of comparative values involving the institution of family in various societies. It also descriptively explains the issues related to marriage breakups. A chronological analysis of family cases decided in the courts of Pakistan is also a medium to find the divorce ratio in the recent past. The study concludes with few solutions to family disorder from the fundamental teachings of Islam.

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی أنزل علی عبدہ الکتاب لیکون للعالمین نذیرا والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد بن عبد اللہ الذی أرسلہ اللہ تعالی رحمۃ للناس وآتاہ الحکمۃ وعلمہ ما لم یکن یعلم وکان فضل اللہ علیہ عظیما وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعھم إلی یوم الدین

موضوع کا تعارف:

اسلامی سماجی علوم میں خاندان کو مسلم معاشرے کی بنیادی اکائی قرار دیا جاتا ہے۔ اچھے اور مضبوط خاندان کی تشکیل باہمی حقوق و فرائض کے توازن اور تحفظ و پاسداری سے مشروط ہوتی ہے، خاندان کی بنیاد پر ہی ایک صالح، پرامن اور خوشحال معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اسلام نے ایک مثالی اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام کے لئے ہی نوجوانوں کو شادی کی ترغیب دی ہے جبکہ شادی سے بے رغبتی و بیزاری کا واضح اظہار کرنے والوں کو حضور نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت سے لاتعلق کرنے کی وعید سنائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے بغیر زندگی گزارنے سے نہ صرف کئی سنگین نوعیت کے اخلاقی مسائل پیدا ہونے کا مستقل اندیشہ رہتا ہے بلکہ ایک نئے مسلم خاندان کی تشکیل کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کا وجود اور فروغ وبقا خطرات سے دوچار ہو سکتی ہے۔ اسلام کو خاندان کا استحکام اس قدر عزیز ہے کی اسے تباہ کر دینے والے شرعی عمل یعنی طلاق کو حلال امور میں سے اللہ تعالی کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم اہل علم و تحقیق ہر دور میں اسلام کے خاندانی نظام کو درپیش چیلنجوں کو اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کا موضوع بناتے رہے ہیں۔ آج کے دور میں دنیا بھر کے مسلم معاشروں کی طرح پاکستان میں مسلم خاندانی نظام کو عالمگیریت کے نظریہ اور بدیہی اثرات کے باعث سنگین مسائل کا سامنا ہے جن پر ڈاکٹریٹ کی سطح کے تحقیقی مقالہ کی صورت میں تحقیق پر مبنی اس کے علمی حقائق و تجزیہ کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اس دینی و ملکی ضرورت کے پیش نظر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے زیر نظر تحقیقی مقالہ کا یہ موضوع منتخب کیا گیا ہے۔

نامور مغربی محقق اور دانشور پروفیسر مارٹن البرو (Martin Albrow) اپنی شہرہ آفاق کتاب (Twentieth century thoughts) کے صفحہ 248 میں عالمگیریت کے نظریہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ عالمگیریت ایک ایسے عمل کو کہتے ہیں جس سے دنیا تیزی کے ساتھ ایک ہی طرز کے معاشرے میں بدل رہی ہے۔ 1980ء کی دہائی میں عالمگیریت کی اصطلاح، عالمی سماجی، اقتصادی، سیاسی اور تجارتی روابط میں ایک ہمہ جہت انقلاب کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس سے قبل 1962ء میں (Marshal McLuhan) نے عالمی سطح پر مذکورہ

میدانوں میں رونما ہونے والے تغیرات اور دنیا بھر کے انسانوں کے مابین آن واحد میں قائم ہونے والے روابط کے باعث دنیا کو (The Global village) قرار دیا تھا۔ اس کی وضع کی ہوئی اس اصطلاح کو بھی عالمگیر قبولیت حاصل ہوئی اور اسے ایک زندہ حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیل فون، انٹرنیٹ، آن لائن مارکیٹنگ اور خرید و فروخت اور انسانوں کے باہمی روابط، انتہائی برق رفتار مواصلاتی و ابلاغی ذرائع و وسائل کے باعث لمحہ ءموجود میں استوار ہونے کی وجہ سے دنیا سمٹ کر حقیقی طور پر ایک عالمی گاؤں بن چکی ہے۔ زیر نظر موضوع پر انگریزی کتب و مجلات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا ایجادات کرنے والے مغربی ممالک اس عالمی گاؤں میں اب یکساں نوعیت کا انسانی معاشرہ تشکیل دینے کا واضح الفاظ میں دعوی کر رہے ہیں۔ اسے وہ پاکستان سمیت دنیا بھر میں جدید ذرائع ابلاغ اور جدید قانون سازی کے ذریعے عام کر رہے ہیں جس طرح شادی کے بغیر یعنی محض دوستی کی بنیاد پر مغربی معاشرت میں خاندان وجود میں آرہے ہیں، مرد وزن کے دوستی کے اسی کلچر کو پاکستان کے اسلامی معاشرے میں بھی فروغ دیا جارہا ہے۔ پاکستان میں عزت کے نام پر قتل (Honor Killing) کے بڑھتے ہوئے واقعات بھی اس کی ناقابل تردید شہادت مہیا کرتے ہیں۔ مغربی معاشروں کی طرح اب ہمارے پاکستانی معاشرے میں بھی شرح طلاق میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے۔ طرز بود و باش میں بھی اس پاکستانی مسلم معاشرے میں مغربی طرز کو تیزی سے اپنایا جارہا ہے۔ جب کوئی مسلم معاشرہ ان تغیرات سے متاثر ہو رہا ہو تو اس کا سب سے زیادہ اثر مسلم خاندانی نظام پر پڑتا ہے۔ پاکستان میں گلوبلائزیشن کا سب سے بڑا نقصان تہذیب و تمدن اور قدروں کی بربادی کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے اور یہی پہلو سب سے زیادہ تشویشناک ہے۔ چونکہ ملک پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام خاندانی زندگی کے استحکام پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ خاندانی و عائلی زندگی کا استحکام، رشتوں کا احترام، محبت و مودت، خیر خواہی و ہمدردی، باہمی الفت اور حقوق کی ادائیگی سے ہوتا ہے۔ خاندانی زندگی میں خواتین کی مختلف حیثیتوں میں ان کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی پامالی یا مغربی طرز کی مطلق آزادی سے عائلی ڈھانچہ کھوکھلا ہونے لگتا ہے۔ بظاہر عالمگیریت سے پاکستانی مسلم خاندانی نظام زندگی پر زد پڑ رہی ہے۔ اس لئے اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ کہ ڈاکٹریٹ کی سطح پر اس اہم موضوع پر کام کیا جائے اور تحقیقی مقالہ کے طور پر " اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر عالمگیریت کے اثرات " کے تحقیقی موضوع پر کام کیا جائے۔

موضوع تحقیق کی اہمیت:

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ معاشرے کا وجود خاندان کا مرہون منت ہوتا ہے۔ معاشرے کو اگر ایک عمارت سے تعبیر کریں تو افراد اس کی اینٹیں اور خاندان اس کی بنیاد ہے۔ اینٹوں کی افادیت اسی وقت مسلم ہو گی

جب ان کو صحیح بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ اگر کسی دیوار کی بنیاد ہی ٹیڑھی ہو گی تو چاہے جتنا قابل معمار ہو وہ دیوار کو سیدھا نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی عمارت کی بنیاد ٹھیک اور مضبوط ہو گی تو اس عمارت کی مضبوطی میں کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے گا۔ اس کے بر عکس اگر بنیاد ہی کمزور رہ گئی تو اس عمارت کے منہدم ہونے کا خطرہ بدستور قائم رہے گا۔ لہذا مضبوط معاشرے کے لیے مضبوط خاندان ناگزیر ہے۔ اگر خاندان مضبوط ہو گا تو معاشرہ بھی مضبوط ہو گا اوراس کی تشکیل انہی عناصر پر ہو گی کہ جن عناصر پر خاندان کی تربیت ہو گی۔ پاکستان کے خاندانی نظام کی بنیادیں اسلامی تعلیمات پر استوار ہیں۔ اسلام نے خاندانی نظام کی بقا و استحکام پر بہت زور دیا اور خاندان میں ہر فرد کا دائرہ کار متعین کیا۔ اسلام نے جہاں ایک خاندان کے ہر فرد کے حقوق بیان کیے وہیں اس کے فرائض بھی متعین کر دیئے۔ اس لحاظ سے پاکستان کا خاندان اعتدال اور توازن کا حامل رہا ہے جس کی بنیادیں مذہب اسلام کی آفاقی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ اس موضوع پر کام کی اہمیت اس لیے بھی واضح ہے کہ آج پاکستان کا خاندانی نظام بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور عالمگیریت کے منفی اثرات نے پاکستان کے مسلم خاندانی نظام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، انہی اثرات کی وجہ سے نوجوان نسل میں تاخیر سے شادی کا رجحان، شادی سے مکمل انکار، گھر سے بھاگ کر والدین کی مرضی کے خلاف کورٹ میرج، لو میرج کا کلچر پھیل رہا ہے اور پھر ان شادیوں کا انجام جلد طلاق و خلع اور غیرت کے نام پر قتل (Honor Killing) کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ والدین اپنی اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت کرنے سے غفلت کا شکار ہیں جس کی وجہ سے اولاد بھی والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت و تساہل کا شکار ہیں۔ گلوبلائزیشن کے ان منفی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں خاندانی نظام کو اسلامی خطوط پر استوار کیا جائے اور معاشرے کو گلوبلائزیشن کے مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے۔ گلوبلائزیشن کے مضر اثرات کا مقابلہ اسلامی تعلیمات کو صحیح معنوں میں سمجھ کر اور عملی زندگی میں رائج کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں معاشرے کے پڑھے لکھے طبقہ پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تحقیقی کام کر کے معاشرے کو شکست و ریخت کے عمل سے بچایا جاسکے تاکہ پاکستان کا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن سکے جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب خاندان کو بنیادی اکائی سمجھ کر اس کو مرکز بنایا جائے۔ اس کی تشکیل میں ان تمام عناصر کا خیال رکھا جائے جو اسلام کا طرہ امتیاز ہیں۔ اس لئے ان منفی اثرات کو علمی شواہد و تجزیہ کے ساتھ مقالہ میں پیش کرنا اہم قومی خدمت معلوم ہوتا ہے۔

عالمگیریت کے پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر صرف منفی ہی نہیں بلکہ بعض مثبت اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں، مثلاً خواتین کی تعلیم کی طرف رجحان پیدا ہونا، اپنے حقوق کے حوالے سے خواتین کے شعور میں اضافہ، خاندان کے ہر فرد کا روزگار کی تلاش کرنا اور اس کے نتیجے میں مخفی بے روزگاری میں کمی کا آنا اور خواتین کا معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے کر معاشی بدحالی کا ازالہ کرنا وغیرہ۔ لہذا اس مقالے میں ان مثبت اثرات کو تاریخ اسلام،

سیرت طیبہ اور دیگر اسلامی مصادر کی روشنی میں دلائل و شواہد اور تجزیہ کے ساتھ پیش کرنے سے ان کے بارے میں اسلام کا نقطہ ء نظر واضح کیا گیا ہے تا کہ یہ بات ثابت ہو کہ اسلام عالمگیریت کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

تحدید موضوع:

علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے اس تحقیق میں عالمگیریت کے تصور کو واضح کرتے ہوئے اس کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عالمگیریت نے پاکستان کے مسلم خاندانی نظام پر اکیسویں صدی میں جو اثرات مرتب کئے ہیں ان کا تحقیقی و تجزیاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اسلام کا تصور خاندان واضح کیا گیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور آفاقی مذہب ہے اور یہ زمانے کے جدید تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکتا ہے اور اس کے دائرہ کار کے اندر رہ کر پاکستان اور دنیا بھر کے مسلم خاندان اپنی ترقی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔

بیان مسئلہ:

انسانی معاشرے کی ابتدا اور ارتقاء کی بنیاد خاندان پر ہے۔ ہر معاشرے کی اپنی ثقافت ہوتی ہے جو اس کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح پاکستانی معاشرے کی اپنی ایک ثقافت اور ایک پہچان ہے جس کا ایک نمایاں حصہ دین اسلام کی تعلیمات پر استوار ہے۔ بیسویں صدی میں عموما اور اکیسویں صدی میں خصوصا عالمگیریت (Globalization) نے جہاں پوری دنیا کو متاثر کیا وہیں پاکستانی معاشرے پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں جن سے پاکستان کا خاندانی نظام متاثر ہوا ہے۔ زیر نظر تحقیق کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ اس بات کا تحقیقی و تجزیاتی جائزہ لیا جائے کہ عالمگیریت کی وجہ سے پاکستانی مسلم خاندانی نظام پر کس طرز کے منفی اور مثبت اثرات مرتب ہوئے؟ پاکستانی خاندانی نظام کی ساخت میں کیا تبدیلی واقع ہوئی اور پاکستانی مسلم خاندان کے رجحانات اور ان کے مسائل کا جائزہ لیا جائے، علاوہ ازیں اس تحقیق میں تجاویز بھی دی گئی ہیں جن کی مدد سے عالمگیریت کے چیلینجز سے نمٹا جا سکتا ہے۔

تحقیق کے متعلق سوالات:

- عالمگیریت کا فلسفہ کیا ہے اور پاکستانی خانگی نظام پر یہ کیا اثرات مرتب کر رہا ہے؟
- پاکستان کے عائلی قوانین میں ترامیم و تغیرات کا عالمگیریت سے کس قدر تعلق ہے؟
- مسلم خانگی نظام کے تحفظ اور رہنمائی کے لئے اسلامی تعلیمات کس قدر جامع ہیں؟

مقاصد تحقیق:

- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خاندان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے پاکیزہ عائلی زندگی کے آفاقی اصول کی وضاحت اور حفاظت کے اصول بیان کرنا
- عالمگیریت کا فلسفہ سماجی ماہرین کی آراء کی روشنی میں سمجھنا اور اس کی وضاحت کرنا
- نظریہ عالمگیریت کے پیشِ نظر اہل مغرب اور اسلام کے تصور خاندان کی وضاحت کرنا
- اکیسویں صدی میں عالمگیریت کے پاکستانی مسلم معاشرے اور خاندانی نظام پر مثبت و منفی اثرات کا جائزہ لینا

موضوع تحقیق کے متعلق سابقہ مطالعہ:

اسلام کا خاندانی نظام نہایت اہمیت کا حامل موضوع ہے، اس لیے اس پر بہت سا کام عربی اور اردو مقالہ جات اور کتب کی صورت میں ہو چکا ہے۔ تاہم اس موضوع کے جس پہلو پر میں نے جس انداز اور پہلو پہ کام کیا ہے اس پر میرے علم کے مطابق پاکستان کی کسی جامعہ میں اس پہلو سے تحقیقی نوعیت کا کام نہیں ہوا۔ تاہم ضمناً پاکستان کی جامعات میں اس موضوع کے حوالے سے ڈاکٹریٹ کی سطح پر جو کام ہوا ہے وہ درج ذیل ہے۔

- اسلامی اجتماعیت میں خاندان کا کردار؛ مقالہ نگار: حافظ حسین ازہر، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی 2004ء
- عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات؛ حافظہ شاہدہ پروین، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ پنجاب لاہور 2009ء
- گلوبلائزیشن: مسلم دنیا پر ثقافتی اثرات؛ صدف سلطان، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ پنجاب لاہور 2012ء
- اسلام اور مغرب کا تصور انسانی حقوق؛ حبیب احمد منہاس، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، سندھ یونیورسٹی جامشورو 2008
- Concept of An Ideal Family in Present Era; An Analytical Study with Preference to Qur'an and Sunnah; By:Mulana Luqman Yar khan, University of the Karachi 2008.

مذکورہ بالا مقالہ جات میں گلوبلائزیشن اور اس کے اثرات کے حوالے سے عمومی طور پر تحقیقی کام کیا گیا ہے جس طرح کہ پہلے مقالہ میں خاندان کے کردار کو اسلامی اجتماعیت کے حوالے سے موضوع بحث بنایا گیا ہے، دوسرے مقالہ میں موجودہ دور کے عائلی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے اس حوالے سے اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تیسرے مقالہ میں گلوبلائزیشن اور اس کے مسلم دنیا پر ثقافتی اثرات کو عمومی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، چوتھے مقالہ میں گلوبلائزیشن کا سرسری طور پر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے اثرات مختصراً بیان کئے گئے ہیں اور آخری مقالہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں عمومی طور پر ایک آئیڈیل فیملی کے خدوخال واضح کئے گئے ہیں۔ لیکن میری تحقیق ان

سابقہ مطالعہ جات سے اس لئے مختلف ہے کہ یہ عالمگیریت اور اکیسویں صدی میں اس کے اثرات جو پاکستانی مسلم خاندانی نظام پر مرتب ہوئے، پھر ان اثرات کی وجہ سے اور عالمی اداروں کی ہدایات کی روشنی میں کی گئی قانون سازی کی وجہ سے پاکستانی خاندانوں کے بدلتے ہوئے رجحانات اور ان کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا تجزیاتی و تحقیقی جائزہ ملکی و غیر ملکی لٹریچر کی مدد سے پیش کیا گیا ہے اور آخر میں ان مسائل سے نمٹنے کے لئے تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

تحقیق کا منہج:

اس تحقیق کے دوران تحقیقی و تحلیلی (Analytical and Descriptive study) اسلوب سے کام لیا جائے گا۔ تاہم ضمنانتائج کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل اسلوب سے بھی مدد لی جائے گی:

- اس ریسرچ کے دوران بیانیہ تحقیق (Descriptive Research) سے کام لیا گیا ہے۔
- اس تحقیق میں تاریخی اسلوب (Historical Research) سے بھی مدد لی گئی ہے۔
- اس تحقیق میں (Correlative Research) سے بھی ایک طرح سے مدد لی گئی ہے۔
- یہ ریسرچ لائبریری Based ہے یعنی رسائل و جرائد، انٹرنیٹ اور جدید ذرائع سے مدد لی گئی ہے۔
- موضوع سے متعلق قرآن پاک کی آیات کا ذکر سورت کے نام اور آیت کے نمبر کے ساتھ کیا گیا ہے۔
- اس موضوع سے متعلق احادیث مبارکہ کو جمع کیا گیا ہے۔ ان احادیث کو ان کے اصل مصادر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ شروح احادیث کی روشنی میں اس موضوع کے متعلق علماء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے۔
- اس موضوع سے متعلق سیرت مطہرہ کے اصل مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- مشکل کلمات کی تشریح لغت کے مطابق کی گئی ہیں۔
- آخر میں ضروری فہارس بھی مرتب کی گئی ہیں۔

باب اول

خاندان کی تشکیل کا اسلامی تصور اور جدید مغربی رجحانات

فصل اول: قرآن و سنت میں خاندان کی تشکیل کے ترغیبی عناصر
فصل دوم: اسلام میں افراد خانہ کے باہمی حقوق و فرائض
فصل سوم: اہل مغرب کا تصور خاندان اور اس کے حقوق و فرائض
فصل چہارم: اسلام اور مغرب کے خانگی نظام کے امتیازات

فصل اول

قرآن و سنت میں خاندان کی تشکیل کے ترغیبی عناصر

فصل اول:

قرآن وسنّت میں مسلم خاندان کی تشکیل کے ترغیبی عناصر

خاندان کی تعریف اور تاریخی پس منظر:

خاندان اردو زبان کا لفظ ہے۔ فارسی میں اسے خانوادہ جبکہ انگریزی زبان میں اسے "Family" کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے "الاسرۃ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے لیے "الاسرۃ" کا مادہ "ا س ر" ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ لسان العرب میں مادہ "ا س ر" کے تحت مذکور ہے کہ؛

((وأُسْرَةُ الرَّجُلِ: عَشِيرَتُهُ ورهطُه الأَدْنَوْنَ لأَنه يَتَقَوَّى بِهِمْ الأُسْرَةُ: عَشِيرَةُ الرَّجُلِ وأَهل بَيْتِهِ))[1]

"خاندان سے مراد کسی انسان کے وہ قریبی رشتہ دار اوراس کے گھر والے مراد ہیں جو اس سے تقویت پاتے ہیں"

"اسر" مختلف حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے "اَسَر ، اُسَر ، اَسْر "وغیرہ۔ اسی طرح اسے لمبا کرکے اور کھینچ کے بھی پڑھا جاتا ہے مثلاً "اسیر ، اسار ، اسیرۃ" وغیرہ۔ لغوی طور پر یہ "الامساک" اور "الحبس" یعنی گرفتار کرنے اور قید کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[2]۔ لغوی طور پر یہ لفظ خاندان، قیدی، کسی بات کو پوشیدہ رکھنے ،مضبوطی اور پختگی اور ترتیب و تنظیم کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ((وَهُوَ أَيضاً الْحَبْلُ والقِدُّ الَّذِي يُشدّ بِهِ الأَسير))[3]۔ یعنی یہ لفظ اس رسی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے کسی قیدی کو باندھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ خاندان سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی انسان کے ساتھ قریبی رشتے کی رسی سے بندھے ہوں۔ موضوع کے لحاظ کے یہاں مدلول صرف اس کا معنی خاندان ہے اور اسی سے بحث کی جائے گی۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں " اهل" اور " عيال، عیل" کا لفظ بھی اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مگر مشہور اور معروف لفظ "الاسرۃ" ہی ہے۔ لہٰذا آنے والے صفحات میں اصطلاحی تعریفات میں اسی لفظ کو مد نظر رکھا جائے گا تاکہ افہام و تفہیم میں سہولت اور آسانی ہو۔

خاندان کی اصطلاحی تعریف:

ابن عابدین شامی :

ابن عابدین شامی خاندان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ؛

((كُلُّ مَنْ فِي عِيَالِهِ وَنَفَقَتِهِ غَيْرَ مَمَالِيكِهِ))[4]

---

1 ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی الافریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت 1414ھ، ص:20/4

2 الخرانی، عبدالمحسن عبداللہ الخرانی، الموسوعۃ الاسرۃ، اللجنۃ الاستشاریۃ، کویت، ص:80

3 ابن منظور، لسان العرب، ص:20/4

4 ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر العربی بیروت 1412ھ، ص:684/6

"غلاموں کے علاوہ کسی انسان کی اولاد اوراس کی زیر کفالت افراداس کا خاندان کہلاتے ہیں"

راغب اصفہانی:

علامہ راغب اصفہانی نے "الاسرۃ " کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق خاندان کا یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اس سے مراد افراد کا ایک ایسا گروہ ہے جو کسی (سربراہ) سے خود کو قوت یافتہ محسوس کرتا ہے۔وہ کہتے ہیں؛

((وأُسْرَة الرجل: من يتقوّى به))[1]

"جن لوگوں سے انسان قوت پاتا ہے، انہیں اس کا خاندان کہا جاتا ہے"

علامہ ہروی:

ابو منصور ہروی خاندان کی تعریف کرتے ہوئے گویا ہیں؛

((أُسْرَة الرجلِ: عَشيرتُه الأَدْنَون))[2]

"انسان کے خاندان سے مراد اس کے قریبی لوگ ہیں"

علامہ زبیدی:

((الأُسْرَةُ الرّجُل: الرَّهْطُ الأَدْنَوْنَ وَعَشِيرَتُه؛ لأَنَّه يتقوَّى بهم))[3]

"آدمی کے خاندان سے مراد اس کے قریبی لوگ اوردوسرے رشتہ دار ہیں جو اس سے قوت پاتے ہیں"

ابن اثیر:

((الأُسْرَة : عَشِيرَةُ الرَّجل وأهْلُ بَيْتِهِ لِأَنَّهُ يَتَقَوّى بِهِمْ))[4]

"خاندان سے مراد کسی انسان کے قریبی رشتہ دار اوراس کے گھر والے ہیں جو اس سے قوت پاتے ہیں"

کویت کی وزارت مذہبی اوقاف کے مطابق خاندان کی تعریف:

"انسان کی اولاد اورماں باپ کی طرف قریبی رشتہ داروں کو اس کا خاندان کہا جاتا ہے۔یہ "الاسر "سے ماخوذ ہے جس کا معنی قوت ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انسان اپنی آل اولاد کے ذریعے قوت محسوس کرتا ہے اور آدمی اپنے گھروالوں کی گزراوقات کا انتظام کرتا ہے ، اس لیے اسے "الاسرۃ" کہاجاتا ہے۔[5]

---

1 اصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: صفوان عدنان الداودی ،دارالقلم بیروت 1412ھ ص: 1/76

2 ہروی، ابو منصور محمد بن احمد الازہری، تہذیب اللغۃ، تحقیق: داراحیاء التراث العربی بیروت 2001ء، ص: 13/44

3 زبیدی، ابوالفیض محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، تاج العروس من جواھر القاموس، تحقیق: مجموعہ من المحققین، دارالہدایہ مصر، ص: 10/51

4 ابن اثیر، مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد الشیبانی، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، تحقیق: طاہر احمد الزاوی و محمود محمد الطناجی، المکتبۃ العلمیہ بیروت 1399ھ، ص: 1/48

5 وزات الاوقاف الشئون الاسلامیۃ، موسوعۃ الفقیہۃ الکویتیۃ، کویت، ص: 4/223

مذکورہ تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کی بیوی اور بچے اس کا خاندان کہلاتے ہیں۔ بعض نے اس تعریف کو وسیع کرتے ہوئے قریبی رشتہ داروں کو بھی خاندان کا حصہ ٹھہرایا ہے جبکہ بعض لوگوں نے مزید وسعت پیدا کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو کسی بھی انسان کے خاندان کا فرد قرار دیا ہے جو معاشرے میں اس کی وجہ سے محفوظ ہیں یا ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہے۔

مسلم خاندان کی تشکیل کے احکام اور قرآن وسنّت:

اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ یہ دین فطرت ہے۔ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ مل جل کر رہے اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آئے۔ اسلام خاندان کی تشکیل میں بہت سے اہم امور کی بجا آوری کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ خاندان معاشرے کی اکائی ہے اور ایک اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اچھے معاشرے کا وجود اچھے افراد کی بدولت ہی ممکن ہے اور ایک اچھا فرد ایک اچھے خاندان کی بدولت ہی ممکن ہے۔ فرد کی تربیت ماں کی گود سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ ایک باپ کی صورت میں اس کے سامنے ایک آئیڈیل موجود ہوتا ہے اور یہیں سے انسان سیکھتا ہے اور مستقبل میں معاشرے کا ایک قابل اور فلاحی نمائندہ بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے خاندان کی تشکیل کے لیے بہت ترغیبی احکام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان ترغیبی احکام میں سے نکاح کے ضمن میں مال و دولت اور غنی کو بنیادی حیثیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے؛

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [1]

"اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کر دیا کرو جو نیک ہوں۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بہت ہی وسعت دینے اور جاننے والا ہے"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ نکاح غنا کا سبب ہے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی کی مفلسی سے نہیں ڈرنا چاہیے بلکہ اس بات کو فراموش کرتے ہوئے نکاح جیسی بابرکت سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ نکاح کرنے سے ایک فقیر انسان بھی غنی ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور انہوں نے اس ضمن میں ایک بندے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے جس کے پاس ازار تک نہ تھا مگر نبی کریم ﷺ نے اس کا نکاح کیا اور پھر نکاح کی برکت ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق وہ انسان غنی ہو گیا [2]۔ ابن جریر طبری اس آیت کی

---

1 النور:32/24

2 ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ص: 51/6

تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ امارت اور غنا کو نکاح میں تلاش کرو[1]۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے نکاح کر لو وہ اپنے وعدے کے مطابق تمہیں غنی کر دے گا[2]۔ جن ترغیبات واحکامات کو اسلام نے نکاح کے ضمن میں بیان کیا ہے ان میں نکاح کے بعد اہل وعیال کی نگرانی اور تربیت وپرورش کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ انسان اپنے گھر کو گناہ اور برائی سے بچانا چاہتا ہے اور اس کا گناہ سے دور رہنا بھی اسے مرغوب ہے اور اس کے ہاں ایک محبوب امر ہے جس میں ایک خاندان ہی اس سلسلے میں ممد ومعاون ثابت ہو سکتا ہے اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ؛

((مَنِ اسْتَطَاعَ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))[3]

"اے نوجوانو! تم میں جو بھی شادی کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کر لے کیونکہ یہ بہت اچھی طرح نظر کو جھکانے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ روزے رکھے کیونکہ یہ اس کی شہوت کو ختم کرنے والے ہیں"

نکاح جو کہ خاندان کی بنیاد اور ذریعہ ہے، انسان کو گناہ اور شہوت سے بچاتا ہے۔ نکاح ایک سبب یا علت ہے اور خاندان مسبب یا معلول ہے۔ سبب بول کر مسبب مراد لینا علم بلاغت کا ایک اہم حصہ ہے۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ خاندان انسان کو شہوت اور گناہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ خاندان ہی کی طرف ترغیب دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ایک اور جگہ اسے اپنی سنت قرار دیا۔ ارشاد فرمایا کہ؛

((النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي،وَتَزَوَّجُوا،فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ، وَمَنْ كَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْيَنْكِحْ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَعَلَيْهِ بِالصِّيَامِ، فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ))[4]

"نکاح میری سنت اور میرا طریقہ ہے، تو جو میری سنت پہ عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہے، تم لوگ شادی کرو۔ بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ جو صاحب استطاعت ہوں شادی کریں، اور جس کو شادی کی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو کچلنے کا ذریعہ ہے"۔

---

1 طبری، ابو جعفر محمد بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسہ الرسالہ بیروت 1420ھ، ج:19، ص:166

2 ابن ابی حاتم، ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس التمیمی، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: اسعد محمد الطیب، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز سعودیہ، ج:8، ص:2582، حدیث:14449

3 بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت 1409ھ، کتاب النکاح، باب: قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباء فلیتزوج، حدیث: 1905

4 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ بن یزید القزوینی، کتاب النکاح، باب: ماجاء فی فضل النکاح، دار الفکر بیروت، حدیث: 1846

حسب ونسب کاتحفظ:

اسلام نے خاندان کی تشکیل میں خالصیت کے عنصر کو بھی مد نظر رکھاہے اور اس طرف ترغیب دلائی ہے کہ انسان کا خاندان پاک اور اس کا نسب بالکل محفوظ ہوناچاہیے۔ حفاظت نسب حفاظت خاندان کی بدولت ہی ممکن ہے۔ اسلام نے اسی بنیاد پہ زنا کی مذمت کی ہے اور اسے گناہ کبیرہ قرار دیتے ہوئے اس پہ سخت سے سخت سزا مقرر کی ہے کیونکہ اس سے خاندان کی عمارت نہ صرف متاثر ہوتی ہے بلکہ بعض دفعہ منہدم ہو جاتی ہے اور۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ؛

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا﴾[1]

"اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ یہ بہت ہی بڑی بے حیائی اور برائی کا راستہ ہے"

یہ بات بالکل واضح ہے اسلام نے زنا سے بچنے کا حکم اس لیے دیا ہے کیونکہ اس سے انسان کے حسب و نسب میں اختلاط ہو جاتا ہے اور اس کا سلسلہ نسب منقطع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ امام بیضاویؒ ارشاد فرماتے ہیں یہاں بتایا گیا کہ زنا ایک بے حیائی اور برائی والا کام ہے اور اسے برا اس وجہ سے قرار دیا گیا کیونکہ یہ انسان کے سلسلہ نسب اور اس کی نسل کے انقطاع کا ایک بڑا سبب ہے[2]۔ گویا اسلام نے انسان کو خاندان کی تشکیل کی طرف یوں ترغیب دی کہ اگر اپنے سلسلہ نسب کی حفاظت محبوب ہے تو اس کا واحد ذریعہ خاندان ہی ہے ورنہ اس کا بچاؤ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ابن کثیر کے مطابق یہ انساب کے خلط ملط ہونے کا ایک سبب ہے اور اسلام انسان کو اس سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے جو صرف خاندان کے ذریعے سے ممکن ہے۔

خاندان قوت کا باعث:

اسلام نے خاندان کی تشکیل اور اس کی بقاء کے لیے ایک اور طرح سے بھی ترغیب دی۔ خاندان مرد اور عورت کی شادی کے بعد ہی بن جاتا اور بچوں کی آمد اس کو مزید تکمیل کی طرف لے جاتی ہے۔ اسلام نے خاندان کی تشکیل اور اس کی بقاء کے لیے مرد کو یوں ترغیب دی کہ اس میں قوت کا احساس پیدا کیا تا کہ وہ اس کی طبیعت میں ایک گونہ فخر پیدا کر کے اسے ان ذمہ داریوں سے عہدہ براہونے میں مدد دے جو خاندان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عنصر کی طرف یوں اشارہ کیا کہ؛

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَي النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَھُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾[3]

"مرد، عورتوں پر حاکم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی وہ ان پر خرچ کرتے ہیں۔ پس پاکباز ہیں وہ عورتیں جو ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کی حفاظت کرتی

---

1 الاسراء:32/17

2 انوار التنزیل واسرار التاویل، ابو الخیر عبد اللہ بن عمر البیضاوی، اعداد: محمد عبد الرحمن المرعشلی، دار الفکر بیروت، ص:3/254

3 النساء:34/4

ہیں۔ پس انہیں وعظ و نصیحت کرو جن کو اس خوف ہے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو انہیں چھوڑ دوان کے بستروں پر تنہا اور اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر تمہیں ان پر ظلم کا کوئی اختیار نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے بہت زیادہ علم والا ہے"

یہاں مرد کو طاقت، مال خرچ کرنے والا اور عورت کو اس کی عزت بتایا گیا تا کہ اس کو تفاخر کا احساس ہو اور اس طرح وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہے تا کہ خاندان بھی بنا رہے اور نسل انسانی کی بقاء بھی برقرار رہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر لکھتے ہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بیویوں پر اس لیے فضیلت سے نوازا ہے کہ کیونکہ وہ نان و نفقہ، سکنیٰ اور اس طرح کی دیگر ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں کے حصے میں ہی ڈالی ہے۔ اوران باتوں کے علاوہ ایک خاندان کیسے تشکیل پاسکتا ہے؟ یعنی مرد کو عورت کو اس لیے فضیلت دی گئی ہے تا کہ وہ نان نفقے، رہائش اور بیوی کی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے اور یہ چیزیں خاندان کی بقاء کے لیے اہم ہیں۔ رزق، رہائش اور تحفظ کے بغیر کسی بھی خاندان کی تشکیل ناممکن ہے۔

تشدد کی ممانعت:

اسلامی تعلیمات کا مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ مرد، عورت پر تشدد کرے اور اسے بلاوجہ ظلم وزیادتی کا نشانہ بنائے بلکہ ان تعلیمات کا مقصد خاندان کی تشکیل اور اس کی بقاء ہے۔ جیسا کہ سابقہ ذکر کی گئی آیت مبارکہ کا شان نزول بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک بار ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تھپڑ دے مارا۔ ان دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی اور اسی شور میں ان کی آوازیں گھر سے باہر آنے لگیں۔ وہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور سارا معاملہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے خاوند کو بلایا اور اس کو یہ آیت سنائی۔ جب اس نے یہ آیت سنی تو عرض کیا کہ میں نے اس سے حکم مراد لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مراد تو اس کے علاوہ ہے[1]۔ حدیث کا سیاق وسباق اور طرز کلام بتارہا ہے کہ مقصود مار کٹائی اور تفاخر نہیں بلکہ خاندان کی تشکیل ہے جیسا کہ صحابی اور اس بیوی میں جھگڑا ہوا مگر یہی چیزیں اس کے بچاؤ کا سبب بنیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے مرد میں قوت، تفاخر، مال خرچ کرنے والا اور بیوی کی حفاظت کرنے والا جیسی صفات کا شعور اجاگر کیا تا کہ وہ اسی جذبے کے تحت اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہے اور یوں خاندان کی تشکیل کی راہ ہموار ہو سکے۔ اور اگر کبھی میاں بیوی میں کوئی چپقلش ہو بھی جائے جیسا کہ مذکورہ صحابی اور اس کی بیوی میں ہوئی، تو عورت کو یہ احساس ہو کہ یہ مرد ہی ہے جو اس کی خاطر کما کر لاتا ہے، اس کی رہائش کا بندوبست کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جب اس کے دل و دماغ میں یہ حسین احساس پیدا ہو گا تو وہ ان باتوں سے اعراض کرے گی جو لڑائی جھگڑے کا باعث بنتے ہیں۔

بقائے خاندان اور زوجین کا کردار:

خاندان کی تشکیل میں مرد اور عورت دونوں کا کردار بڑا واضح ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں خاندان کی تشکیل میں مرد کا کردار واضح کیا گیا۔ لیکن اس ضمن میں یہ ذمہ داری صرف مرد پر نہیں ڈالی گئی بلکہ عورت کو بھی اس کی تشکیل کا ایک اہم جزو

---

1 طبری، جامع البیان عن اویل آی القرآن، ص:8/290

مانا گیا۔ یعنی مرد کو یہ کہا گیا کہ وہ نان نفقہ، رہائش اور حفاظت کر کے خاندان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے تو عورت گھر کی زینت ہے اور خاندان کا وقار ہے۔ یعنی مرد اور عورت کو خاندان کی علت اور بنیاد قرار دیا اور اس کی بقاء کے لیے دو ذرائع گنوائے۔ ایک بیرونی ذریعہ ہے اور دوسرا ذریعہ اندرونی ہے۔ مرد گھر کی اندرونی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنی طاقت کو بروئے کار لاتا ہے اور عورت ان وسائل کو گھر کی اندر استعمال کر کے خاندان کی اندرونی تشکیل کی کمی کو پورا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں جہاں اسلام نے مرد کے کردار کی وضاحت کی، وہاں عورت کے کردار کی وضاحت اس طرح کی کہ؛

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ [1]

"اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور دور جاہلیت کی طرح مت سجو سنورو!"

اس آیت سے مذکورہ نقطہ نظر پر استدلال کی وجہ لفظ **"قرن "** ہے۔ لسان العرب میں مذکور ہے کہ اس لفظ کے ماخذ میں اختلاف ہے۔ یعنی بعض اہل لغت کا کہنا ہے کہ یہ لفظ "قرار " سے ماخوذ ہے۔ جب کہ بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مصدر "وقار " ہے [2]۔ اگر یہ لفظ وقار سے ماخوذ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ گھر اور خاندان کا وقار اس میں ہے کہ عورت بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلے کیونکہ یہ بات عام مشاہدے میں ہے کہ معاشرے میں کتنے ہی خاندان اس بات کی وجہ سے بربادی کا شکار ہوئے اور بسا اوقات نوبت قتل تک جا پہنچی۔ اب عورت کو کیا زبردستی روکا جائے گا؟ تو اس سلسلے میں اسلام نے عورت میں یہ تفاخر پیدا کیا کہ اسے گھر اور خاندان کا وقار کہا یعنی اسے گھر کی عزت جیسے اہم خطاب سے نوازا۔ تاکہ وہ اپنے اس منصب کے تفاخر میں گرفتار رہے۔ عورت کا دائرہ کار اس کا گھر ہی ہے۔ اور اگر وہ اپنے دائرہ کار کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے شب وروز اور لیل ونہار بسر کرے گی تو یہ عمل اسے زنا کے قریب لے جائے گا جو اس کے خاندان اور نسب ناموں میں تباہی کا باعث بنے گا۔ [3]

عورت گھر کی حکمران:

اس بات کی مزید وضاحت اس بات سے بھی ہو سکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورت کو گھر کا حکمران قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں کئی ایک لوگوں کی ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا ہے مگر یہاں چونکہ خاندان کی تشکیل میں عورت کا کردار زیر بحث ہے، لہٰذا پوری حدیث کا صرف متعلقہ حصہ پیش خدمت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

((الا كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالإمام الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته، والرجل راع على اهل بيته، وهو مسئول عن رعيته، والمراة راعية على اهل بيت زوجها وولده، وهي مسئولة عنهم)) [4]

---

1 الأحزاب:33/33

2 ابن منظور، لسان العرب، ص:5/84

3 عثیمین، محمد بن صالح بن محمد، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن للنشر ریاض 1426ھ، آداب عامہ، باب الصدق، ص:1/307

4 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب: قولہ تعالیٰ اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، حدیث:7138

"آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے اہل و عیال کا نگران ہے اور اس سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا"

اسلام نے اولاد کی تربیت کی ذمہ داری عورت کے کاندھوں پر ڈالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی ناچاقی اور علیحدگی کی صورت میں بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری عورت کے سپرد ہوتی ہے اور اسی وجہ سے بچے عورت کے پاس رہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک صحابی نے جب اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے ان کا ایک بچہ بھی تھا۔ وہ اپنے بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر جب اس عورت نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا کہ جب تک تم دوسرا نکاح نہ کر لو تم ہی اس کی زیادہ حقدار ہو۔

بناؤ سنگھار کی فضیلت:

اسلام نے اس بات پر عورتوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنے شوہروں کے لیے بناؤ سنگھار کریں تاکہ ایک تشکیل شدہ خاندان بقاء کے راستے پر چلتا رہے۔ اس بات میں فطرت اور حکمت دونوں کو مد نظر رکھا گیا۔ یعنی عورت کی فطرت یہ ہے کہ وہ بننا سنورنا پسند کرتی ہے۔ مرد کی فطرت ہے کہ اسے سجی سنوری عورت پسند آتی ہے۔ مرد اور عورت جو کہ خاندان کی اساس ہیں، دونوں کو ایک فطرت کے تحت ایک دوسرے کی جانب راغب کیا گیا بلکہ یہ حکمت بھی پوشیدہ رکھی گئی ہے کہ مرد اور عورت باہم اس فطرتی تقاضے کی وجہ سے ایک دوسرے میں دلچسپی لیں اور یوں ایک مثبت اور پاکیزہ جذبوں والا خاندان تشکیل پا سکے۔

باہمی سہارا بننا:

اسلام نے خاندان کی تشکیل کے لیے جن ترغیبات کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے ان میں نوع انسانی کی بقاء اور انسانی تمدن کا قیام اہم ترین ہیں، دونوں کا قیام اور بقاء اس بات پر منحصر ہے کہ ہر عورت اور مرد محض لطف اور لذت کے لیے ملنے اور پھر الگ ہو جانے میں آزاد نہ ہوں بلکہ ہر جوڑے کا باہمی تعلق ایک ایسے مستقل اور پائیدار عہد وفا پر استوار ہو جو معاشرے میں معلوم اور معروف بھی ہو اور جسے معاشرے کی ضمانت بھی حاصل ہو۔ اس کے بغیر نسل انسانی ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ ایک انسان کا بچہ اپنی زندگی اور اپنی نشوونما کے لیے کئی برس کی دردمندانہ نگہداشت اور تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور تنہا عورت اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی جب تک کہ مرد اس کا ساتھ نہ دے جو اس بچے کے وجود میں آنے کا سبب بنا ہو۔ اگر مرد اور عورت گھر اور خاندان کی تخلیق سے قطع نظر کر کے محض لطف اور لذت کے لیے آزادانہ ملنے لگیں تو سارے انسان بکھر کر رہ جائیں، اجتماعی زندگی کی جڑ کٹ کر رہ جائے اور وہ بنیاد ہی باقی نہ رہے جس پر تہذیب و تمدن کی یہ عمارت اٹھی ہے [1] ۔ گویا خاندان کی بقاء کے لئے دونوں میاں بیوی کا باہمی سہارا بننا بہت ضروری ہے اور اسی سہارے کی وجہ سے خاندان مضبوط ہوتے ہیں۔

---

1 مودودی، ابوالاعلیٰ سید محمد مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص:3/ 343،319

تقویٰ خاندان کی بقاء کی اہم شرط:

خاندان کی تشکیل میں ایک طرف ترغیب تو دوسری طرف ترہیب بھی شامل ہے۔اور اسلام نے خاندان کے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں تقوی اور خدا پرستی کو بنیاد قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ؛

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (1)

"اے لوگو! اپنے اس ربّ سے ڈرو کہ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اس سے تمہارا جوڑا بنایا اور پھر اس جوڑے سے کئی مرد اور عورتیں (پیدا کر کے) کثیر تعداد میں پھیلا دیے۔اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس سے تم مانگتے ہو اور رشتہ داروں کا خیال کرو اور بے شک اللہ تعالیٰ تم سب پر نگرانی کرنے والا ہے"۔

صلہ رحمی کی اہمیت:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان ہی نسل انسانی کی تشکیل کا سبب ہے اور یہی خاندان انسان کی بقاء کا واحد ذریعہ ہے۔اس کے بغیر انسان کے حسب نسب اور اس کی نسل کی پہچان اور عزت کا ہونا ممکن نہیں۔ در منثور کے مطابق اگر انسان اپنے خاندان پر خرچ کرے تو اللہ تعالی اسے مزید عطا کرتا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کا ایک قول بھی نقل کیا ہے کہ خاندان سے جڑ کر رہو یعنی قطع تعلقی نہ کرو کیونکہ یہ تمہاری بقاء کا ذریعہ ہے اور آخرت میں تمہارے لیے خیر وبرکت کا سبب ہے (2)۔

یعنی گویا اسلام انسان کو اس کی بقاء، اللہ تعالیٰ کے ڈر، خدا ترسی اور آخرت میں خیر وغیرہ جیسے امور ذکر کے خاندان کی تشکیل کی طرف راغب کرتا ہے۔اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کامیابی اور بقاء سے پیار کرتا ہے تو اسلام نے اسی چیز کو خاندان کی تشکیل کے لیے استعمال کیا۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے کہ اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ تقدیراً آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خاندان یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ مزید فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دو مرتبہ "**اتقوا اللہ**" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے معاملے کی تاکید اور اس کی طرف ابھارنا مقصود ہے۔یعنی اس سے معاملے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے سوال اور خاندان سے صلہ رحمی کو ساتھ ساتھ ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے لفظ "**ربّ**" استعمال کیا اور بعد میں لفظ "**اللہ**" ذکر کیا۔ پہلا اس کے لطف اور دوسرے اس کے قہر اور غضب کا مظہر ہے۔

---

1 النساء:4/1

2 سیوطی، عبد الرحمن بن کمال الدین بن فخر الدین، تفسیر الدر المنثور، تحقیق: الدکتور عبداللہ بن عبد المحسن الترکی، مرکز ہجر للبحوث والدراسات مصر، ص:4/211

پہلی سے مراد ترغیب اور دوسرے سے مراد ترہیب ہے[1]۔یعنی اسلام ترغیب یا ترہیب کسی بھی صورت میں انسان کو خاندان کی طرف راغب کرنا چاہتا ہے۔اس آیت میں ابو اسحاق ثعلبی [2] نے لفظ﴿بَثَّ مِنۡهُمَا﴾ کی تفسیر میں ((نَشَرَ وَأَظْهَرَ)) کے الفاظ ذکر کیے ہیں جس کا مطلب ہے پھیلانا۔باقی مفسرین نے بھی ایسا ہی مذکور کیا یعنی نکاح مرد اور عورت کے ملاپ کا بنیادی مقصد نسل انسانی کی بقا ہے۔

اطمینان و سکون کی اہمیت:

خاندان کی تشکیل کے لیے اسلام نے ہر طرح سے ترغیب دی ہے۔یہاں تک کہ اسلام اس معاملے میں انسان کی پسند کو بھی آزادی دیتا ہے۔یعنی اسلام پسند کی شادی کی اجازت دیتا ہے۔اگر ایسا معاملہ نہ ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ پسند کی اجازت نہ ہونے پر کوئی بندہ شادی نہ کرتا تو اس کے گناہ میں پڑنے میں امکانات تھے مگر اسلام نے اس معاملے میں پسند کی اجازت دی تاکہ ایک تو انسان گناہ سے بچا رہے اور دوسرا ایک خاندان کی تشکیل کی راہ ہموار ہو سکے۔جیسا کہ ارشاد ہے کہ؛

﴿وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تُقۡسِطُواْ فِي ٱلۡيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٰحِدَةً﴾[3]

"اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں اچھی لگتی ہیں دو دو، تین تین یا چار چار اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے"

اس آیت کا نفس مضمون بتا رہا ہے کہ اگر کسی یتیم لڑکی سے شادی کا امکان ہو اور انسان کو خطرہ ہو کہ اس معاملے میں انصاف نہ کر پائے گا تو گھر اور خاندان ٹوٹنے سے بہتر ہے کہ وہ اس عورت سے شادی کر لے جو اسے اچھی لگتی ہے تاکہ خاندان کی تشکیل ممکن ہو لیکن اس میں بھی حکم یہی ہے کہ اگر کوئی عورت اچھی بھی لگتی ہو تو نکاح صرف اسی صورت میں ہو گا جبکہ وہ حلال ہو[4]۔ابن حاتم فرماتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت اچھی لگ جائے تو اس سے نکاح کرنا چاہیے[5]۔لیکن خواہش نفس کی خاطر نکاح کے علاوہ کسی غلط راستے کا مسافر نہ بنے۔علامہ ماوردی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح یتیم کا مال کھانے سے ڈرنا چاہیے اسی طرح

---

1 رازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن الرازی، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی بیروت 1420ھ، ص:9/480

2 ثعلبی، ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، تحقیق: الامام ابو محمد بن عاشور، دار احیاء التراث العربی بیروت 1422ھ، ص:3/241

3 سورۃ النساء:4/3

4 ابن المنذر، ابو بکر محمد بن ابراہیم المنذر، کتاب تفسیر القرآن، تحقیق: سعد بن محمد السعد، دار المآثر مدینہ منورہ 1423ھ، ص:2/ 553، حدیث:1322

5 ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ص:3/858، حدیث:4751

زنا سے بھی ڈرنا چاہیے اوراس سے بچنے کی خاطر جو عورت اچھی لگے اس سے نکاح کرنا چاہیے۔ یہ بات نہ تو اسلام میں منع ہے اور نہ ہی اس سے کنی کترانی چاہیے۔ شریعت کے مطابق عمل کرنا کسی بھی غیر شرعی کام کے ارتکاب سے بہتر ہے۔

ناانصافی سے بچنا:

پھر ساتھ ہی ایک اور حکمت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ بسا اوقات انسان ایک سے زائد شادیاں کرلیتا ہے اور اس صورت میں وہ عدل کا سلوک روا نہیں رکھ سکتا تو اس لیے گھر اور خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اسلام نے اس صورت میں ایک بیوی پر اکتفاء کا حکم دیا تاکہ ایک تشکیل شدہ خاندان قائم رہ سکے۔ یہاں ایک دوسری حکمت بھی پوشیدہ ہے جو یہ ہے کہ بسا اوقات انسان ایک بیوی سے اکتا جاتا ہے اور اس کا دل کرتا ہے کہ وہ دوسری شادی کرے۔ اس صورت میں اگر اسلام کسی دوسری شادی کی اجازت نہ دیتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری لے آتا۔ اس صورت میں خاندان کی ٹوٹنا لازمی تھا۔ لیکن اسلام نے پہلی کی موجودگی میں ہی دوسری کی اجازت دی تاکہ پہلا خاندان بھی نہ ٹوٹے اور ایک اور عورت کا خاندان بھی تشکیل پا سکے۔ تفسیر بغوی کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اگر کوئی یتیم لڑکی خود یا اس کا مال تمہاری ولایت میں ہو مگر دونوں صورتوں میں انصاف نہ کرنے کا خوف ہو تو اس سے شادی کرو جو اچھی لگے تاکہ حقوق میں کوتاہی نہ ہو[1]۔ مرد اور عورت دونوں کو یہ حکم ہے کہ اگر کسی سے شادی کی صورت میں عدل نہ کرنے کا خوف ہو تو وہاں شادی نہ کرو بلکہ وہاں کرو جہاں عدل یعنی اچھا گزارا کرنے کا امکان ہو[2]۔

یعنی مرد کو بھی دیکھ لینا چاہیے کہ وہ شادی کی صورت میں انصاف کر پائے گا یا نہیں اور عورت کو شادی کے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ وہ متعلقہ مرد سے شادی کی صورت میں عدل کر پائے گی یا نہیں۔ تاکہ کہیں ایسا نہ وہ کہ عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں اور اس طرح ایک خاندان ٹوٹ کا شکار ہو جائے۔ اسلام نے پسند کی شادی کی اجازت دی تاکہ خاندان کی تشکیل کی پختہ راہ ہموار ہو سکے لیکن اس میں حلت کی شرط لگائی گئی ہے یعنی جہاں نکاح کرنا حلال ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں((طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ:مَا أَحْلَلْتُ لَكُمْ))[3]،یعنی عورتوں کے اچھا لگنے سے مراد یہ ہے کہ جن سے نکاح کرنا حلال ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو اپنے ولی کی زیر پرورش ہو' پھر ولی کے دل میں اس کا حسن اور اس کے مال کی طرف سے رغبت نکاح پیدا ہو جائے مگر اس کم مہر پر جو ویسی لڑکیوں کا ہونا چاہئے تو اس طرح نکاح کرنے سے روکا گیا لیکن یہ کہ ولی ان کے ساتھ پورے مہر کی ادائیگی میں انصاف سے کام لی) تو نکاح کر سکتے ہیں اور انہیں لڑکیوں کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو

---

1 بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن المجید، ص:2/160

2 نسفی، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی، دار الکلم الطیب بیروت 1419ھ، ص:1/328

3 ابن شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی، المصنف فی الاحادیث والآثار، تحقیق: کمال یوسف الحوت، مکتبۃ الرشد ریاض، 1409ھ، کتاب النکاح، باب قولہ تعالیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء، حدیث:17404

اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾[1]، آپ سے لوگ عورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں ہدایت کرتا ہے۔عائشہ رضی اللہ عنہانے کہاکہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا کہ یتیم لڑکی اگر جمال اور مال والی ہو اور) ان کے ولی (ان سے نکاح کرنے کے خواہشمند ہوں لیکن پورامہر دینے میں ان کے) خاندان کے (طریقوں کی پابندی نہ کر سکیں تو) وہ ان سے نکاح مت کریں (جبکہ مال اور حسن کی کمی کی وجہ سے ان کی طرف انہیں کوئی رغبت نہ ہوتی ہو تو انہیں وہ چھوڑ دیتے اور ان کے سوا کسی دوسری عورت کو تلاش کرتے۔ راوی نے کہاان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ جب ان لڑکیوں کی طرف انہیں رغبت ہو تو ان کے پورے مہر کے معاملے میں اور ان کے حقوق ادا کرنے میں انصاف سے کام لیے بغیر ان سے نکاح کریں[2]۔

بدکاری کی سخت سزا:

خاندان کی تشکیل کے لیے اسلام نے یوں بھی ترغیب دی کہ زنا کو گناہ قرار دیااور اس پر سزا بھی قائم کر دی تاکہ اسے عبرت ہو اور پھر وہ دوبارہ یہ کام کرنے کی بجائے شادی کرے۔ گویا اسلام نے گناہ اور سزا دونوں سے انسان کو شادی کی طرف راغب کیا تاکہ ایک اور خاندان کی تشکیل ہو سکے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نکاح کا حکم دے رہاہے کہ تم زنا سے محفوظ ہو جاؤ[3]۔زنا پر سزا کا صرف گناہ گار کی حد تک نہ تھا کہ بلکہ حکم ہے کہ سزا کے وقت لوگوں کے ایک گروہ کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ان لوگوں کو بھی نصیحت ہو گی اور ان کے انجام سے ڈر کر وہ بھی زنا جیسے غیر شرعی کام کی طرف راغب ہونے کی بجائے، نکاح جیسے حلال کی طرف راغب ہوں گے اور یوں وہ گناہ سے بھی بچیں گے اور ساتھ ہی ایک خاندان جیسا مقدس ادارہ بھی تشکیل کی منازل طے کرے گا۔ قرآن مجید میں ہے کہ،

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[4]

"زانی مرد اور عورت دونوں کو ایک ایک سو کوڑے لگاؤاور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو تو ان کو سزا دینے کے معاملے میں تمہیں رحم نہ آئے اور ان کی سزا پر مؤمنین کا ایک گروہ بھی حاضر ہونا چاہیے"

ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ سزا دیتے وقت لوگوں کی موجودگی کو کیوں یقینی بنایا جاتا ہے اور ایسا کرنے کا مقصد کیا ہے؟ تفسیر قرطبی میں ہے کہ لوگوں کو وہاں جمع کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان کو عبرت ہو گی اور وہ ان کا حشر دیکھ کر اس

---

1 النساء:4/127

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، باب واتوالیتامیٰ اموالھم، حدیث:2763

3 مجاہد، ابوالحجاج مجاہد بن جبر التابعی، تفسیر مجاہد، تحقیق: الدکتور محمد عبدالسلام ابوالنیل، دارالفکر الاسلامی الحدیثۃ مصر 1410ھ، ص:1/266

4 النور:24/2

طرح کے کام سے توبہ کریں گے [1]۔ امام قرطبی کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا پر سزا دینے اور لوگوں کو وہاں جمع کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ زانی اور زانیہ کے انجام سے عبرت حاصل کریں اور یوں اس کام سے باز رہیں گے۔ اس کا لازمی نتیجہ شادی نکلے گا اور یوں ایک خاندان کی تشکیل ہو گی۔ یعنی اسلام نے خاندان کی تشکیل کی طرف ترغیب اور ترہیب دونوں صورتوں سے کام لیا ہے۔ انسان فطرت کے لحاظ سے ہی مدنیت پسند واقع ہوا ہے [2]۔ یعنی مل جل کر رہنا اس کو پسند ہے۔ اکیلا رہنا اس کی فطرت نہیں ہے اور اس سے وہ اکتاہٹ اور چڑچڑے پن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قید تنہائی کو ایک سزا کے طور لیا جاتا ہے۔ انسان نے مل کر رہنا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جانوروں کی طرح آزادانہ زندگی گزارے اور دوسرا یہ کہ وہ کسی مقدس بندھن میں بندھ کر اکٹھا رہے۔ پہلا طریقہ معاشرے میں مذموم جبکہ دوسرے کو محبوب جانا جاتا ہے اور یہی طریقہ انسان کی بقاء، اس کی نسل کے وقار اور عزت کا ذریعہ بھی ہے۔ اسے ہی خاندان کہتے ہیں اور اسی کی طرف اسلام نے ترغیب دی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان کی شناخت بلکہ خود انسان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔

اسلام نے زنا کی سزا کے وقت وہاں مسلمانوں کے موجود ہونے کی شرط اس لیے لگائی تا کہ وہ ان دونوں کے لیے سزا ہونے کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کے لیے وعظ و نصیحت بھی ہو۔ یعنی وہ ان کے انجام سے ڈر کر زنا سے بچیں گے اور نکاح کی طرف راغب ہوں گے۔ زجاج کہتے ہیں کہ اس طرح جب مجمعے کے سامنے انہیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا یعنی انہیں سزا ملے گی آئندہ یہ اسے باز رہیں گے [3]۔ اس طرح ان میں سے اس قوت کا خاتمہ ہو گا جس نے انہیں زنا پر ابھارا تھا۔

ماتریدی نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ((أن يكون أراد به قطع الشهوة، التي حملتهم على الزنا)) [4]۔

امام قشیری لوگوں کے سامنے سزا دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

> ((وليكون تخويفا لمتعاطى ذلك الفعل، ثم من حقّ الذين يشهدون ذلك الموضع أن يتذكروا عظيم نعمة الله عليهم أنهم لم يفعلوا مثله، وكيف عصمهم من ذلك. وإن جرى منهم شيء من ذلك يذكروا عظيم نعمة الله عليهم كيف ستر عليهم ولم يفضحهم، ولم يقمهم فى الموضع الذي أقام فيه هذا المبتلى به)) [5]
>
> "تا کہ یہ سزا اس فعل کی طرف راغب ہونے دوسرے انسان کے لیے خوف کا باعث ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہیں انہیں حق سمجھ آئے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ادا کریں گے جس نے انہیں اس فعل کے ارتکاب سے محفوظ رکھا اور اگر ان سے اس طرح کی کوئی حرکت سرزد ہوئی تھی تو اس بات

---

1 قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: دار الکتب المصریۃ قاہرہ 1384ھ، ص:12/167

2 موسوعۃ الاسرۃ، ص:3/33

3 زجاج، ابو اسحاق ابراہیم بن السری بن سہل، معانی القرآن واعرابہ، تحقیق: عبد الجلیل عبدہ شلبی، عالم الکتب بیروت، 1408ھ، ص:2/29

4 ماتریدی، ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی، تاویلات اھل السنۃ، تحقیق: مجدی باسلوم، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1426ھ، ص:7/507

5 قشیری، عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری، لطائف الارشادات، تحقیق: ابراہیم البسیونی، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب مصر، ص:2/594

پر اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ اس نے اس پر پردہ ڈال رکھا ہے اور لوگوں کے سامنے اسے اس طرح ذلیل نہیں کیا جیسے اس بندے کو ذلیل کیا جارہا ہے۔

خاندان انسان کی شناخت:

خاندان اسلام کا ایک مقدس ادارہ ہے جو انسان کو اس کی پہچان دیتا ہے ورنہ یورپ میں جب سے یہ ادارہ تباہ ہوا ہے ،تب سے وہاں جنس پرستی اور ہم جنس پرستی عام ہو چکی ہے اور حکومتیں تنگ آکر اب اس کو قانونی شکل دینے کا سوچ رہی ہیں اور کتنے ہی ایسے بچے ہیں کہ جن کو اپنی ولدیت کا معلوم نہیں ہے۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی خاندان کی طرف ترغیب دی تاکہ میاں بیوی کے مابین ایک مقدس رشتہ قائم ہو سکے اور بچوں اور والدین کے مابین بھی ایک پیار اور محبت اور تقدس پر مبنی ایک پر خلوص اور محبانہ رشتہ اور تعلق قائم ہو سکے۔ اسی وجہ سے ماں باپ، اولاد اور رشتہ داروں کو خاندان کے اجزائے ترکیبی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر خالد علوی کا کہنا ہے کہ؛

"خاندان کے اجزائے ترکیبی مرد وعورت، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ دار ہیں۔ ان سے متعلق جو امور زیر بحث آتے ہیں وہ یہ ہیں، عورت کی حیثیت، نکاح وطلاق، تربیت اولاد، حقوق والدین، صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی "[1]

معاشرتی انتشار سے بچاؤ:

اسلام نے خاندان کی طرف اس لیے بھی راغب کیا تاکہ انسان کو سکون ملے، اس کی عزت ہو، وہ گناہ سے محفوظ رہے، اس کے جذبات کی حفاظت ممکن ہو اور معاشرے بگاڑ کا شکار نہ ہو جیسا کہ خالد علوی کا کہنا ہے کہ خاندانی ہم آہنگی فرد کے جذباتی تحفظ کا باعث بنتی ہے۔ دور حاضر میں معاشرتی انتشار کا ایک سبب خاندان کا نہ ہونا بھی ہے[2]۔ لیکن اسلام نے انسان کو اسی بگاڑ سے بچانے کے لیے خاندان جیسے مقدس اور محفوظ ادارے کی تشکیل کی طرف راغب کیا۔ اسلام نے خاندان کی تشکیل کی طرف ایک اور حوالے سے راغب کیا کہ انسان دوسرے انسان کا آسرا ہے۔ اکیلا انسان معاشرے میں بہتر زندگی نہیں گزار سکتا۔ اسی وجہ سے اسلام نے خاندان کی تشکیل کی طرف رہنمائی کی تاکہ انسان باہم مربوط ہو سکیں۔ جب وہ مل جل کر رہتے ہیں تو ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں ایک دوسرے کی عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔ یوں جب انسان کو اپنائیت ملتی ہے تو اسے خاندان کی افادیت کی احساس ہوتا ہے اور اس طرح وہ دوسرے خاندان کی عزت کا خیال کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ، يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ))[3]

1 علوی، ڈاکٹر خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل اردو بازار لاہور، ص:87

2 علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ص:90

3 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ والحیاطۃ، حدیث:4918

"مومن مومن کا آئینہ ہے، اور مومن مومن کا بھائی ہے، وہ اس کی جائیداد کی نگرانی کرتا اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے"۔

اگر ایک انسان کی اپنی کوئی شناخت نہ ہو اور اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو اس کے دکھ سکھ میں کام آنے والا بھی کوئی نہ ہو گا اور بیماری وغیرہ میں اس کی دیکھ بھال کرنے والا مشکل ہی شاید کوئی میسر ہو۔ معاشرتی مضبوطی علاقائی، مقامی اور بین الاقوامی سطح پر ایک وجود رکھتی ہے اور دنیا کی ہر قوم اس کے لیے کوشاں ہے۔ اسلام نے اس کو حاصل کرنے کے لیے خاندان کی طرف راغب کیا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا؛

((المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ، وشبك بين اصابعه))[1]

"مومن ایک مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ جس دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصے کو محفوظ کرتا ہے"۔

اخلاقی انحطاط سے تحفظ:

جب انسان خاندان کی صورت میں مل کر رہتا ہے تو اس صورت میں فساد کا خاتمہ ایک یقینی امر ہے۔ یعنی انسان اخلاقی انحطاط اور اس سے پیدا شدہ فساد سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے محفوظ رہنا ہر انسان کی خواہش ہے۔ اس نفسیاتی کمزوری کو مد نظر رکھ کر اسلام نے خاندان کی طرف راغب کیا اور اس شخص کو افضل اور بہتر کہا جو فساد کو ختم کرنے والا ہو اور لوگوں کے مابین اصلاح کا امین ہو۔ ارشاد فرمایا؛

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: «إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْحَالِقَةُ))[2]

"کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جو درجے میں روزے، نماز اور زکاۃ سے بڑھ کر ہے؟ "لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا" : آپس میں میل جول کرا دینا، اور آپس کی لڑائی اور پھوٹ تو سر مونڈنے والی ہے"

محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اسلام نے اس کو ماں باپ، بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کی محبت دینے کے لیے خاندان جیسا عظیم ادارہ تشکیل دیا۔ بلکہ غیر محرم سے محبت کی صورت میں اسے گناہ سے بچانے کے لیے شادی کی طرف مائل کیا تاکہ وہ گناہ سے بھی بچیں اور ایک خاندان بھی تشکیل پا سکے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو انسان آپس میں محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ محبت انہیں گناہوں یا رسوائی کی طرف لے جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسی صورت میں نکاح کر لینا ہی بہتر ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی اور صورت موجود بھی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا؛

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لم نر للمتحابين مثل النكاح))[3]

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغضب، باب نصر المظلوم، حدیث:2446

2 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات البین، حدیث:4919

3 ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، حدیث:1847

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایاہماری نگاہ میں دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے"

خاندان کی تشکیل اور اس کو قائم رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے عملی طور اس کا ثبوت بھی دیاہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ گھر کے کام بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں؛

((كان في مهنة اهله ، فإذا حضرت الصلاة قام إلى الصلاة))[1]

"رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے کام کاج کرتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے"۔

حسن سلوک کے زیادہ حقدار:

اسلام نے خاندان کی تشکیل کرنے والے اور اس کو قائم رکھنے والے کو بہترین کی بشارت سے نوازاہے۔ میاں بیوی کے نکاح سے ایک خاندان تشکیل پاتا ہے۔ اگر دونوں کو رویہ ایک دوسرے سے ٹھیک ہو گا تو یہ ادارہ قائم رہے گا ورنہ اس کا ٹوٹ جانا ایک لازمی امر ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے؛

((خيركم خيركم لاهله ، وانا خيركم لاهلي))[2]

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل وعیال کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں"

بلکہ خاندان کی تشکیل اور اس کے دوام کے لیے سیر و تفریح کا ثبوت بھی ملتاہے۔ نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ دوڑ کا مقابلہ کیا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتی ہیں؛

((انها كانت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر قالت : فسابقته فسبقته على رجلي فلما حملت اللحم سابقته فسبقني ، فقال : هذه بتلك السبقة))[3]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ `وہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھیں، کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوڑ کا مقابلہ کیا تو میں جیت گئی، پھر جب میرا بدن بھاری ہو گیا تو میں نے آپ ﷺ سے دوبارہ مقابلہ کیا تو آپ ﷺ جیت گئے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا" :یہ جیت اس جیت کے بدلے ہے"

آپ ﷺ کی یہ کاوشیں خاندان کی اہمیت کو واضح کر رہی ہیں۔ خاندان کی تشکیل اور اس کے دوام میں اسلام نے عورت کی نازک مزاجی کا خوب خیال رکھاہے۔ عورت کو نازک مزاج کہاہے اور اس سے نرمی کا سلوک کرنے کا حکم دیاہے تا کہ میاں بیوی کارشتہ جو ایک خاندان کی اکائی ہے، قائم رہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں؛

((اتى النبي صلى الله عليه وسلم على بعض نسائه ومعهن ام سليم ، فقال : " ويحك يا انجشة رويدك سوقا بالقوارير" ، قال ابو قلابة فتكلم النبي صلى

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب کیف یکون الرجل فی اھلہ، حدیث:6039

2 ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، حدیث:1977

3 سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، حدیث:2578

الله عليه وسلم بكلمة لو تكلم بها بعضكم لعبتموها عليه قوله : " سوقك بالقوارير)) [1]

"نبی کریم ﷺ ایک سفر کے موقع پر اپنی عورتوں کے پاس آئے جو اونٹوں پر سوار جا رہی تھیں، ان کے ساتھ ام سلیم رضی اللہ عنہا انس کی والدہ بھی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ افسوس، انجشہ! شیشوں کو آہستگی سے لے چل۔ ابو قلابہ نے کہا کہ نبی کریم نے عورتوں سے متعلق ایسے الفاظ کا استعمال فرمایا کہ اگر تم میں کوئی شخص استعمال کرے تو تم اس پر عیب جوئی کرو۔ یعنی نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ شیشوں کو نرمی سے لے چل"

خاندان کی تشکیل اسلام کی نظر میں اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ جو اس میں بگاڑ پیدا کرے اسلام اسے جنت سے محرومی کی وعید سناتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ یعنی جنت کی رغبت دلا کر اور جہنم سے ڈرا کر نکاح اور خاندان کی طرف راغب کیا۔ اشاد فرمایا؛ ((لا يدخل الجنة قاطع))[2] ، "قطع تعلقی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا"

الغرض اسلام میں نکاح اور خاندان کی طرف رغبت دلانے کے لیے بہت سے احکام موجود ہیں۔ ان میں بعض ترغیبی ہیں اور بعض ترہیبی لیکن مدعا و مقصود سب کا ایک ہی ہے کہ انسان گناہ سے ہٹ کر نکاح کی طرف راغب ہو اور خاندان کی بنیاد رکھے تاکہ اسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور نسل انسانی کی بقا کا سامان بھی ہو۔ خاندان اور افراد خانہ سے جڑے رہنے کو انسانی صحت اور رزق میں برکت کا سبب بتایا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ؛

((من سره ان يبسط له في رزقه وان ينسا له في اثره فليصل رحمه)) [3]

"جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے"۔

خلاصہ بحث:

الغرض اسلام خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے کیونکہ وہ معاشرتی اکائی ہے اور اولاد آدم کے سلسلہ نسب کی پاکیزگی اور بقا کا بھی ضامن ہے۔ انسان کی اولاد، اس کے ماں باپ، بہن بھائی اور دیگر خونی رشتہ دار اس کا خاندان کہلاتے ہیں۔ اسلام والدین پر احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور ساتھ ہی قریبی رشتہ داروں پر بھی، اس کے علاوہ اسلام قریبی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ خاندان دکھ سکھ میں اپنی افراد کے لیے سہارا ہوتا ہے۔ یہاں تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ حقوق و فرائض کی ڈوری میں بندھے ہوتے ہیں۔ خاندان چونکہ معاشرے کی اکائی ہے لہٰذا معاشرے کے سکون، امن اور اقدار کے لیے خاندان کی اچھی نہج پر تربیت بہت ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سربراہ خاندان کی ذمہ

---

1 صحیح البخاری، کتاب الادب، باب مایجوز من الشعر والرجز والحداء وما یکرہ منہ، حدیث:6149

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اثم القاطع، حدیث:5984

3 بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، حدیث:5985

داری ہے کہ وہ خاندان کی تربیت ایسے اصولوں پر کرے کہ افراد میں اخلاقی، معاشی اور معاشرتی مضبوطی پیدا ہو اور وہ بڑے ہو کر معاشرے کے ایسے قابل رشک افراد بنیں جو اپنے دین اور دنیا میں فلاح کو اپنا مطمع نظر بنائیں۔ خاندان اسلام کا ایک مقدس ادارہ ہے جو انسان کو اس کی پہچان دیتا ہے ورنہ یورپ میں جب سے یہ ادارہ تباہ ہوا ہے، تب سے وہاں جنس پرستی اور ہم جنس پرستی عام ہو چلی ہے اور حکومتیں تنگ آ کر اب اس کو قانونی شکل دینے کا سوچ رہی ہیں اور کتنے ہی ایسے بچے ہیں کہ جن کو اپنی ولدیت کا معلوم نہیں ہے۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی خاندان کی طرف ترغیب دی تا کہ میاں بیوی کے مابین ایک مقدس رشتہ قائم ہو سکے اور بچوں اور والدین کے مابین بھی ایک پیار اور محبت اور تقدس پر مبنی ایک پر خلوص اور محبانہ رشتہ اور تعلق قائم ہو سکے۔ اسی وجہ سے ماں باپ، اولاد اور رشتہ داروں کو خاندان کے اجزائے ترکیبی کہا جاتا ہے۔ ہر ترکیب کا درست اور صحیح سمت میں کام کرنا بہت ضروری ہے اور واحد یہی صورت ہے کہ معاشرے کو اس ادارے سے درست افراد میسر آ سکیں جو ایک فلاحی مملکت کی ضمانت بن سکیں۔ دنیا ممالک سے، ملک معاشرے سے، معاشرے خاندان سے اور خاندان افراد سے ترکیب پاتے ہیں۔ اگر خاندان ٹھیک ہو گا تو افراد ٹھیک ہوں، درست افراد درست معاشرے کی، درست معاشرہ درست ریاست اور صحت مند ریاستیں صحت مند دنیا کی ضمانت اور بنیاد بنیں گیں۔ یعنی دنیا کو پر امن، صحت مند، درست اور فلاحی دیکھنے کا خواب صرف اسی صورت شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے جب خاندان کی تشکیل اور تعلیم و تربیت کا سفر درست اور فلاحی ہو گا کیونکہ کوئی بھی مضبوط عمارت ناقص بنیادوں پر استوار نہیں کی جا سکتی۔

فصل دوم

اسلام میں افراد خانہ کے باہمی حقوق و فرائض

فصل دوم:

اسلام میں افراد خانہ کے باہمی حقوق و فرائض

حقوق والدین:

خاندان کی عمارت والدین کے وجود کی بنیادوں پر کھڑی ہے۔یعنی ہر خاندان اپنے ماں باپ کے وجود کا محتاج ہوتا ہے۔اسلام میں والدین کا وجود خاندان کے بنیادی ارکان یا افراد میں شامل ہے۔اسلام نے والدین کو خصوصی اہمیت دی ہے۔نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین سے بے رغبتی مت کرو۔جس نے اپنے والدین سے بے رغبتی کی اس نے کفر کیا[1]۔اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے[2]۔نبی کریم ﷺ نے شرک اور والدین کی نافرمانی کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے[3]۔اسی اہمیت کے پیش نظر والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ؛

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾[4]

"اور ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اگر وہ تجھے شرک پر مجبور کریں جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کر اور میری طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے اور میں تمہیں خبر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تو بھی ان کا اتنا حق ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اطاعت کا یہ دائرہ کار صرف اس وقت معطل ہو گا جب کہ والدین کسی ایسی چیز کا حکم دیں جو صریحا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی ہو۔چونکہ یہ شرک ہے اور یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔پس اس امر میں والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی[5]۔یعنی والدین کی اطاعت ہر حال میں ہے چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو،اس ضمن میں ان کے احسانات یاد دلائے گئے۔گویا یہ باور کرایا گیا کہ بے شک وہ کافر ہی ہیں مگر والدین کی حیثیت سے ان کے

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب: بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وامہ وھو یعلم، حدیث:62

2 نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی، السنن الکبریٰ، تحقیق: حسن عبدالمنعم شلبی تحت اشراف شعیب الارناؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1421ھ، کتاب: قیام اللیل وتطوع النہار، باب فضل الصلاۃ لوقتہا، حدیث:1593

3 بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، دارالبشائر الاسلامیۃ بیروت 1409ھ، باب عقوبۃ عقوق الوالدین، حدیث:30

4 العنکبوت:29/8

5 قنوجی، تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن، ابوالطیب صدیق بن حسن قنوجی، المکتبہ العصریۃ بیروت 1412ھ، ص:10/169

احسانات تم پر بر قرار ہیں اور ان احسانات کا بدلہ بہر حال تم نے اتارنا ہے لیکن اس میں صرف ایک ہی حد ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی اطاعت تمہیں کفر و شرک تک نہ لے جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾[1]

"اور ہم نے انسان کو یہ وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرے کہ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود پیٹ میں اٹھائے رکھا اور پھر اس کے دودھ کی مدت بھی دو سال ہے۔ اور اگر وہ تمہیں کسی شرک کا حکم دیں کہ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کر لیکن دنیا میں پھر بھی ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر"۔

مفسرین کے مطابق یہاں شکر سے مراد اطاعت والدین ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے مطابق یہ آیت حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر ان کی ماں نے اسلام قبول نہ کیا اور ان کو کہا کہ اگر تم نے اسلام ترک نہ کیا تو میں فاقے کرنا شروع کر دوں گی یہاں تک مر جاؤں۔ پس ان کی ماں نے فاقے کرنا شروع کر دیئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر آوازیں کسی جانے لگیں کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ لیکن ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی اور انہوں نے اپنی ماں پر واضح کر دیا کہ اے ماں! تم مجھے بڑی عزیز ہو لیکن اسلام مجھے تم سے بھی زیادہ عزیز ہے اور میں اسلام کی خاطر تجھے قربان کر سکتا ہوں[2]۔ امام رازی فرماتے ہیں یہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ اس کی ولادت کا مجازی سبب ہے اور وہ ہی اس کے پروان چڑھنے کا ذریعہ ہیں اگرچہ حقیقی سبب اور پروان چڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن پھر بھی انسان ان کی اطاعت کر کے اخروی نجات حاصل کر سکتا ہے لیکن ان کی اطاعت اس امر میں نہیں کی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو[3]۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر والدین کافر ہی ہوں تو پھر بھی ان کی اطاعت ہو گی کیونکہ ہمارے جسموں پر ان کا حق ہے اور یہ حق اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ان جسموں کی پرورش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[4]

---

1 لقمان:31/14

2 ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ص:6/265

3 رازی، مفاتیح الغیب، ص:25/32

4 الاسراء:17/24-23

"اور تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اور ان ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر میں پہنچ جائیں تو ان کو افوہ تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے اچھی بات کرو اور ان کے لیے اپنی رحمت کا مظاہرہ کرو اور دعا مانگو کہ اے اللہ! ان پر رحم فرما کہ جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں رحم سے پالا تھا"

یہ آیت والدین سے حسن سلوک کے ضمن میں ایک سنگ میل کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں والدین سے سختی کے ساتھ گفتگو کرنے اور بلند لہجہ کرنے کی بھی ممانعت ہے اور اس ضمن میں انسان کو دعا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ والدین کے سابقہ احسانات کو ہمیشہ یاد رکھے۔

والدین کی رضا میں رب کی رضا:

والدین خاندان میں بنیادی اور مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے پورے ادارہ خاندان میں ان کو مرکزی اہمیت دی ہے۔ ایک جگہ نبی کریم نے والدین کی رضا کو اللہ کی رضا سے تشبیہ دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ((رضا الرب في رضا الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد))[1]، والد کی رضا میں اللہ کی رضا اور والد کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی پوشیدہ ہے۔

ایک اور جگہ نبی کریم ﷺ نے والد کو جنت کا دروازہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا((الوالد اوسط ابواب الجنة , فاضع ذلك الباب او احفظه))[2]، یعنی والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے۔ اب جس کی مرضی اس دروازے کو ضائع کر دے اور جس کی مرضی اس دروازے کو محفوظ کر لے۔ اس حدیث میں والد کو مرکزی اہمیت سے مشابہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ جنت میں داخلے کا دروازہ والد کی رضا ہے اور اب جو جنت میں داخلے کا خواہش مند ہے وہ اس دروازے کو کھولے اور اسی سے اندر آئے یعنی والدین کی رضا حاصل کرے۔ اسلام میں اس معاملے میں صرف اپنے والدین ہی نہیں بلکہ دوسروں کے والدین کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ دوسروں کے والدین کے ساتھ بھی کسی صورت میں برا سلوک نہ کرو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے سب سے بڑی لعنت یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کو گالی دے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! کوئی اپنے والدین کو گالی یا ان پر لعنت کیسے بھیج سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا((یسب الرجل اباَ الرجل فیسب اباه ویسب امه))[3]، یعنی جب کوئی انسان کسی دوسرے کے والدین کو گالی دیتا ہے تو دوسرا بھی اس کے والدین کو ایسا ہی ہے گا تو گویا اس نے اپنے ہی والدین کو گالی دی یا ان پر لعنت بھیجی۔ اس سلسلے میں والدین کا اتنا حق ہے کہ ایک

---

1 ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، السنن، تحقیق: بشار عواد المعروف، دار الغرب الاسلامی بیروت 1998ء، کتاب البر والصلۃ باب ماجاء من الفضل فی رضاء الوالدین، حدیث: 1900

2 ابن ماجہ، السنن، کتاب الادب، باب بر الوالدین، حدیث: 3663

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب لایسب الرجل والدیہ، حدیث: 5973

دفعہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ جب میں آپ کی بیعت کرنے آیا ہوں تو اپنے والدین کو روتا چھوڑ آیا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا((ارجع علیهما فاضحکهما کما ابکیتهما)) [1]، یعنی واپس جاؤ اور ان کو ہنساؤ۔ اسلام نے خاندان میں والدین کے حقوق کا بڑا خیال رکھا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آج کے بچے کل کے والدین ہیں۔ پس انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے تاکہ اس کے بچے اس کے ساتھ وہی سلوک کریں جو وہ اپنے والدین کو اپنے والدین کے ساتھ کرتا دیکھتے آئے ہیں

حقوق اولاد کا بیان:

اسلام نے ہر رشتے میں ایک خوبصورت توازن پیدا کیا ہے۔ اس نے اگر ایک طرف والدین کے حقوق مقرر کیے ہیں تو دوسری کچھ ذمہ داریاں اولاد کے حوالے سے والدین پر بھی ڈالی ہیں۔ ان میں سب سے اولین ذمہ داری اولاد کا حق زندگی ہے۔ اسلام نے اس حق کو ثابت کیا اور ایک اخلاقی اور معاشرتی قدر کے طور پر متعارف کرایا، دور جاہلیت میں لوگ اپنی اولاد کو قتل دیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے اولاد کو زندگی کا حق دیا اور منع فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے؛

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭنَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ [2]

"اور اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو کہ ہم ہی تمہیں بھی اور انہیں بھی رزق دیں گے"

نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے ۔ حضرت جابر بن سمرہ کے مطابق فرماتے ہیں:

((صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الاولى، ثم خرج إلى اهله، وخرجت معه، فاستقبله ولدان، فجعل يمسح خدي احدهم واحدا واحدا، قال: واما انا، فمسح خدي)) [3]

" میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ آپ ﷺ اپنے گھر کے لیے نکلے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلا، سامنے کچھ بچے آئے، آپ ﷺ نے ہر ایک بچہ کے رخسار پر ہاتھ پھیرا اور میرے بھی رخسار پر ہاتھ پھیرا "

یہ سلوک آپ ﷺ نے اپنی اولاد کے ساتھ کرکے دکھایا ہے تاکہ امتی والدین اس کے رہنمائی سیکھیں۔ آپ ﷺ کے پاس جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتی تھیں تو آپ ﷺ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، پیار کرتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا کرتے تھے۔ بدلے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا بھی یہی کچھ کیا کرتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا حق ہے کہ انہیں عزت دی جائے اور اسی طرح اولاد کا حق بھی ہے کہ انہیں بھی عزت دی

---

1 ابو داؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی الرجل یغزو وابواہ کارھان، حدیث:2528

2 الانعام: 151/6

3 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب طیب رائحۃ النبی ولین مسہ والتبرک بمسحہ، حدیث:6052

جائے۔ کیونکہ اس سے ایک بہترین اور اچھا خاندان تشکیل پاتا ہے اور اس خاندان سے تربیت یافتہ بچے بھی معاشرے کے لیے مفید کردار ادا کرتے ہیں۔

اچھی تربیت عذاب سے بچاؤ:

اولاد کا یہ حق بھی ہے کہ انہیں ایسی تربیت دی جائے کہ وہ جہنم کا ایندھن بننے سے محفوظ رہیں۔ اس ضمن میں والدین کو یہ باور کرایا گیا کہ اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ؛

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [1]

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"۔

یعنی جہاں دنیاوی کامیابی کے لئے والدین کوشاں رہتے ہیں کہ ان کی اولاد دنیا کی دوڑ میں کامیاب ہو جائے اس کے ساتھ اخروی کامیابی کی اہمیت پہ بھی اسلام نے زور دیا کہ حقیقی کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔

اچھا نام رکھنا، گھٹی دینا:

بچے کا یہ حق ہے کہ اس کا نام رکھا جائے اور اس میں یہ خیال رہے کہ اس کا اچھا سا نام رکھے اور برا نام رکھنے سے احتیاط کرے۔ اس میں یہ بھی آتا ہے کہ برا نام تبدیل کر دیا جائے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کر کے عاصیہ کی جگہ جمیلہ رکھ دیا[2]۔ اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا کہ ایک بندے کا نام عبد الحجر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام تبدیل کیا اور اسے فرمایا کہ تمہارا نام عبد الحجر نہیں بلکہ عبد اللہ ہے[3]۔

اسی ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ میرا نام حزن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تمہارا نام حزن نہیں ہے بلکہ تم سہل ہو۔ اپنا نام سہل رکھ لو۔[4] بچے کا نام رکھنا والدین پر فرض ہے اور یہ بچے کا بنیادی حق ہے اور بچے کو اس حق سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے وہ نام تبدیل کر دیئے جو اچھے نہیں تھے۔ عملی طور پر یہ کام کر کے دکھایا بھی اور اس سے منع بھی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ بن جندب سے ارشاد فرمایا کہ اپنے غلام کے نام رباح، یسار، افلح اور

---

1 التحریم:66/6

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب: استحباب تغییر الاسم القبیح الی الحسن، حدیث:2139

3 بخاری، الادب المفرد، باب کنیۃ ابی الحکم، حدیث:811

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اسم الحزن، حدیث:6190

نافع نہ رکھو [1]۔ اولاد کا یہ بھی حق ہے کہ انہیں پیدائش کے بعد کسی میٹھی چیز کی گھٹی دی جائے اور یہ نبی کریم ﷺ کی سنت بھی ہے۔

حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ان کا بیٹا ہوا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں۔ تو آپ نے اپنا لعاب دہن اس بچے کے منہ میں ڈالا اور پھر اس کو کھجور کی گھٹی دی [2]۔ ابو موسیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس بچے کا نام ابراہیم رکھا اور پھر اس کو گھٹی دی جو کھجور کی تھی۔ [3]

عقیقہ کرنا:

بچے کا یہ حق بھی ہے کہ اگر والدین استطاعت رکھتے ہوں تو اس کا عقیقہ کریں۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنا عقیقہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی طرف راغب بھی کیا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے : ((مع الغلام عقیقة فاھریقوا عنه دما وامیطوا عنه الاذی)) [4]، یعنی ہر پیدا ہونے والے بچے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ پس جو بچہ پیدا ہو تو اس بچے کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو دور کرو۔ محدثین نے اس طرح کے باب باندھے ہیں کہ عقیقہ بچے سے آلائشیں دور کرنے کا سبب ہے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا مینڈھے اور لڑکی کی طرف سے یہ تعداد ایک ہے۔ بچے کا نام رکھا جائے اور اس کا سر بھی مونڈا جائے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا((الغلام مرتھن بعقیقته , یذبح عنه یوم السابع , ویسمی ویحلق راسه)) [5] یعنی بچہ اپنے عقیقے کے بدولت گروی ہے۔ اس کے نام سے ساتویں دن ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔ بچے کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کا ختنہ کیا جائے۔ یہ انبیاء کی سنت ہے اور اسے سنت ابراہیمی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنا ختنہ نسولے کے ساتھ کیا جبکہ ان کی عمر اسّی سال تھی [6]۔ اس عمل کے ساتھ بچہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے اور یہ چیز پاکیزگی کا باعث بھی بنتی ہے۔

حق رضاعت:

بچے کا یہ حق بھی ہے کہ اسے دودھ پلایا جائے۔ ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ انتہائی نگہداشت کا طالب ہوتا ہے اور اس کی خوراک صرف ماں کا دودھ ہوتا ہے۔ وہ ٹھوس خوراک یا کسی اور قسم کا مائع مشروب نہیں پی سکتا۔ ایسا اس کی زندگی کے

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الآداب، باب: کراہیۃ التسمیۃ بالاسماء القبیحۃ، حدیث:2136

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاداب، باب استحباب تحنیک المولود، حدیث: 2146

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العقیقۃ، باب: تسمیۃ المولود، حدیث:5467

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العقیقۃ، باب الاماطۃ الاذی عن الصبی، حدیث:5472

5 ترمذی، السنن، کتاب الاضاحی، باب: ماجاء فی العقیقۃ، حدیث:1522

6 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب: واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا، حدیث: 3356

لیے خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔یہی وجہ ہے اسلام نے اس کی دودھ کی مدت دو سال مقرر کی ہے۔اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ؛

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [1]

"اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے جو رضاعت کا کامل ارادہ کریں اور جس کا بچہ ہو اسی پر ہے ان کا رزق اور ان کا لباس، یہی معروف ہے"

اسلام بچے کو یہ حق دیتا ہے کہ اس کو دودھ ملے اور اس کی مدت بھی دو سال مکمل ہو۔یعنی اسلام میں رضاعت کی مدت دو سال ہے۔اسی سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ بچے کا نان نفقہ والد کی ذمہ داری ہے۔اگر وہ چھوٹا ہو تو دودھ کی صورت میں یہ ذمہ داری ماں ادا کرے گی اور اگر وہ بڑا ہو جائے تو یہ ذمہ داری باپ ادا کرے گا۔الغرض بچے کو دودھ ملنا اس کا بنیادی حق ہے۔اور اگر کوئی ماں اپنے بچے کو اس حق سے محروم کرتی ہے تو اس کے لیے وعید ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ؛ میں نے شب معراج کچھ عورتوں کو دیکھا جن کے پستانوں کو سانپ نوچ رہے تھے اور ڈس رہے تھے۔میں نے پوچھا کہ یہ کون سی عورتیں ہیں؟ تو حضرت جبرائیل نے عرض کی کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں سے دودھ روک لیتی تھیں[2]۔

عبادت الٰہی کی تعلیم و تلقین:

والدین کا یہ فرض ہے کہ جب بچے بڑے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دیں۔یعنی بچے کا یہ حق ہے کہ والدین انہیں نماز کی طرف راغب کریں۔اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

((مروا اولادکم بالصلاة وهم ابناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم ابناء عشر سنين))[3]

"جب تمہاری اولاد کی عمر سات سال ہو جائے تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب ان کی عمر دس سال ہو جائے او روہ پھر بھی نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان کو سزا دو۔بچوں کا یہ حق بھی ہے کہ ان کے ساتھ پیار محبت کا سلوک کیا جائے"

خاوند کے حقوق:

کسی بھی خاندان میں خاوند کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے۔اسلام نے کسی ایک بھی رشتے میں حقوق یا فرائض کا پلڑا صرف ایک طرف نہیں رکھا بلکہ ہر رشتے میں ایک توازن پیدا کیا جس سے معاشرے میں ترقی کارفرما ہوتی ہے۔اسلام نے ایک شوہر

---

1 البقرہ:2/233

2 ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد التیمی، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب الارنووط، مؤسسۃ الرسالہ بیروت 1408ھ، کتاب اخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابہ اجمعین، باب صفۃ النار واہلہا، ذکر وصف عقوبۃ اقوام من اجل اعمال ارتکبوھا اری رسول اللہ ایاھا، حدیث: 7491

3 ابو داؤد، السنن، کتاب الصلوۃ، باب: متی یؤمر الغلام بالصلوۃ، ح: 495

کو جو حقوق دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی بیوی محبت میں اس سے مخلص ہو۔یعنی شوہر کا یہ حق ہے کہ اس کی بیوی اس کی محبت میں کسی کو شریک نہ کرے۔یعنی اس کا حق کسی اور کو نہ دے۔اس سلسلے میں قرآن مجید کا واضح بیان ہے کہ؛

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ [1]

"اے نبی! مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نظروں کو جھکائے رکھیں اوراپنی عزتوں کی حفاظت کریں"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک عورت کی یہ ذمہ داری ہے وہ اپنے خاوند کی محبت میں مخلص ہو اور کچھ اور تو بڑی دور کی بات ہے بلکہ وہ اپنی نگاہوں کو بھی کسی اور سے چارنہ ہونے دے۔اس سلسلے میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ جب میری شادی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان کے پاس سوائے گھوڑوں اور اونٹوں کے کچھ نہ تھا۔ میں ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کو چارہ بھی ڈالتی تھی اور پانی بھی پلاتی تھی۔اس کے لیے مجھے دور دور تک جاناپڑ تا تھا۔ پھر بعد میں مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک ملازم رکھ دیا جس سے میں آزاد ہوگئی۔ایک روز میں سر پر لکڑیاں اٹھائے واپس آرہی تھی کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارااور مجھے سوار کرنے کی خاطر اپنی اونٹنی بٹھانے لگے۔مجھے یہ دیکھ کر اپنے شوہر کی غیرت یاد آگئی کہ وہ کیا کہیں گے کہ اور مردوں کے ساتھ بیٹھ کر آتی ہے۔پس میں متذبذب ہوگئی۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کرلیا کہ یہ میرے ساتھ بیٹھنے سے شرمارہی ہے۔پس وہ تشریف لے گئے اور میں گھر آگئی۔گھر آکر میں نے یہ واقعہ اپنے شوہر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کیاتو انہوں نے فرمایا کہ((واللہ لحملك النوى كان اشد على من ركوبك معه)) [2]،یعنی خدا کی قسم! مجھے تمہاراان کے ساتھ بیٹھنا تمہارے لکڑیاں اٹھانے سے زیادہ گراں گزرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ضرورت کے وقت باہر جاسکتی ہے مگر بلاوجہ ہر کسی کے ساتھ بول چال اور اٹھنا بیٹھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔خاوند کا یہ حق بھی ہے کہ اسکی عورت اس کی خاطر سجے سنورے تاکہ اس کے خاوند کا دل اسے دیکھ کر خوش ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے((التى تسره إذا نظر)) [3]، یعنی کہ بہترین عورت وہ ہے کہ جس کو اس کا خاوند دیکھے تو خوش ہو جائے۔یعنی خاوند کا حق ہے کہ اس کی بیوی اس کی خوشی کا سبب بنے اور اس کو خوش کرنے کے لیے شریعت کی حد میں رہ کر کوششیں کرے۔بیوی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند سے کوئی ایسا مطالبہ نہ کرے جسے پورا کرنے کا وہ اہل نہ ہو بلکہ وہ اس کے حقوق ادا کرنے کے لیے کوشاں رہے۔اس سلسلے میں کبھی بھی اپنے خاوند کی ناشکری نہ کرے بلکہ صبر کرے اور حسن سلوک کے ساتھ گزارا کرے۔اپنے خاوند پر لعن طعن کو جہنم میں جانے کا سبب بتایا گیاہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

---

1 النور:31/24

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب انکاح، باب الغیرۃ، حدیث: 5224

3 نسائی، ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی، السنن الصغریٰ، تحقیق: عبد الفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر، حدیث: 3231

((يا معشر النساء تصدقن فإني رايتكن اكثر اهل النار، فقلن: وبم ذلك يا رسول الله، قال: تكثرن اللعن وتكفرن العشير))[1]

اے عورتو! تم کثرت سے صدقہ کیا کرو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم کثرت سے جہنم میں جاؤ گی۔ انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ایسا کیوں ہو گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کثرت سے لعن طعن کرنے والی ہو اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرنے والی ہو۔

خاوند کی اطاعت:

خاوند کا یہ حق بھی ہے کہ اس کی بیوی اس کی اطاعت کرے۔ اس ضمن میں ایک ہی حد ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اس کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہے تو اس سے اعراض کرے۔ یعنی اس کام میں شوہر کی اطاعت نہ کرے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ باقی تمام معاملات میں اپنے خاوند کی اطاعت کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت تک اللہ کے حق کے پورا ہونے کو ناممکن قرار دیا ہے جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ ہو جائے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل جب شام سے واپس آئے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سجدہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فلا تفعلوا، فإني لو كنت آمرا احدا ان يسجد لغير الله، لامرت المراة ان تسجد لزوجها، والذي نفس محمد بيده، لا تؤدي المراة حق ربها حتى تؤدي حق زوجها، ولو سالها نفسها وهي على قتب لم تمنعه))[2]

" ایسا نہ کرو، اگر اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اس اللہ کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عورت ہرگز اپنے ربّ کا حق ادا نہیں کر سکے گی جب تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہ کر لے"

اسلام نے اس سلسلے میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کوئی عورت نفلی روزے بھی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ رکھے کیونکہ اس سے اس کے سکون کے برباد ہونے کا خدشہ ہے۔ جہاں تک فرضی روزوں کی بات ہے تو اس میں اسے خاوند کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن نفلی روزے رکھنا اس کے لیے جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کا خاوند رضامند نہ ہو۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں نفلی روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔[3]

مذکورہ بالا حدیث میں لفظ "غیر موجودگی" اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے آرام سکون کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اسی طرح خاوند کا یہ حق بھی ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے۔ اس سلسلے میں اسلام نے واضح کر دیا ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں اور دور جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے دوسروں کو نہ دکھلاتی پھریں۔ اس کا

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ علی الاقارب، حدیث: 1462

2 ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باحق الزوج علی المراۃ، حدیث: 1853

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب صوم المراۃ زوجھا تطوعا، حدیث: 5192

مطلب یہ ہے کہ عورت کا بناؤ سنگھار، اس کا سجنا سنورنا اور اس کی ہر قدم اپنے شوہر کے لیے ہونا چاہیے کیونکہ یہ اسی کا حق ہے اور اس کو چاہیے کہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہ نکلے کیونکہ اب وہ کسی کی عزت ہے اور اس کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق عورت پردے کا نام ہے اور جب وہ بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے[1] اور عورت تو اس وقت اللہ کے بہت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جائے[2] بلکہ جو عورت ایسا کرتی ہے کہ خود سج سنور کر اور خوشبو لگا باہر نکلے اور فتنے کا سبب بنے تو ایک زانیہ ہی کی طرح ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عورت خوشبو لگائے، پھر گھر سے نکلے اور کسی قوم سے اس کا گزر ہو تو وہ عورت ایک زانیہ کی طرح ہے اور اس کی طرف اٹھنے والی ہر نظر بھی زانی کی طرح ہے۔[3]

خاوند کا یہ حق بھی ہے کہ اس کی عورت اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کا مال اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے۔ لیکن آپ ﷺ نے کھانا دینے کی اجازت دے دی[4]۔ یعنی بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بنا کسی ضرورت مند کو کھانا دے سکتی ہے۔

بیوی کے حقوق:

خاندان میں بیوی والا رشتہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مستقبل کا فرد اسی کی گود میں پرورش پاتا ہے۔ اسلام نے اگر شوہر کو حقوق دیئے ہیں تو بیوی کو صرف فرائض کا پابند نہیں کیا بلکہ اس کے حقوق ہیں جو ایک شوہر کے لیے فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔ بیوی کا ایک حق یہ ہے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ پیار محبت سے رہے اور اس کی دلجوئی کا سامان کرے۔ اس کی سیر و تفریح کا ساماں کرے اور اس ضمن میں مختلف کوششیں کرے جیسا کہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ لگائی[5]۔ یعنی شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خوش رکھے اور اس کی خوش مزاجی کے لیے ہر طرح کے اقدامات کرے۔ اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے یوں اشارہ کیا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور میں اس معاملے میں تم سب سے اچھا ہوں[6]۔

بیوی کے حقوق میں شوہر کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر اس سے کبھی کوئی کوتاہی ہو بھی جاتی ہے تو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے کیونکہ وہ عقلا کوتاہ واقع ہوئی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں اس کی کسی خامی کی بجائے اس کی کسی خوبی کو

---

1 ترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیۃ الدخول علی المغنیات، حدیث:1173

2 ابن حبان، کتاب الحضر والاباحۃ، ذکر اخبار عما یجب علی المراۃ من لزوم قعر بیتھا، حدیث:5598

3 حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ، کتاب التفسیر، باب سورۃ النور، حدیث:3497، ص:2/430

4 ابی داؤد، السنن، کتاب البیوع، باب فی تضمین العور، حدیث: 3565

5 ابی داؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، حدیث:2578

6 ترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب: ما جاء فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث:1162

مد نظر رکھا جائے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ ایک بیوی کا یہ حق ہے کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ حسن معاشرت کا مظاہرہ کرے جیسا کہ قرآن مجید میں شوہروں کو یہی حکم کچھ ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ؛

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [1]

"اوران کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ پیش آؤ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت زیادہ بھلائی رکھ دی ہو"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ شفیق اور رحم کرنے والا نہیں دیکھا[2]۔ یعنی ایک عورت کا یہ حق ہے کہ اس کا خاوند اسے خوش رکھے اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ بیوی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کا خاوند اس کے رازوں کو فاش نہ کرے چاہے وہ باتیں ازدواجی معاملات سے متعلق ہوں یا کسی اور معاملے سے متعلق۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بدترین آدمی وہ ہو گا کہ جو اپنی بیوی سے خواہش پوری کرتا ہے اور اس کی بیوی اس سے خواہش پوری کرتی ہے اور صبح وہ آدمی اپنی بیوی کا راز (کسی بھی بندے کے سامنے) فاش کر دیتا ہے۔[3]۔ بیوی کا اپنے خاوند پر یہ بھی حق ہے کہ اس کا خاوند اس کے حق میں غیرت کا مظاہرہ کرے۔ اس میں بہت سے معاملات آجاتے ہیں لیکن خاوند کا عورت کے معاملے میں غیرت کرنا ایک شوہر کا فرض بھی ہے اور یہ چیز ایک بیوی کے لیے عزت اور وقار کا باعث بھی ہے جبکہ یہ شک وشبہے سے خالی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک غیرت ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند ہے اور ایک غیرت ایسی ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ غیرت جو اللہ کو پسند ہے ایسی غیرت ہے جو شکوک سے خالی ہو اور وہ غیرت جو اللہ کو پسند نہیں ہے وہ ایسی غیرت ہے جو شکوک وشبہات والی جگہ ہو۔[4]

بے جا تکلیف نہ دینا:

بیوی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے بے جا تنگ نہ کیا جائے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں بعض لوگ اپنی بیویوں کو نہ ہی چھوڑتے ہیں اور نہ ہی طلاق دیتے ہیں۔ دور جاہلیت میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا کہ بیوی کو طلاق دے دیتے تھے اور پھر اس کو تنگ کرنے کے لیے عدت سے پہلے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس سے منع فرمایا۔ یعنی ناچاقی کی صورت میں عورت کا یہ حق ہے کہ اسے بہترین طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ اسے بے عزت اور لٹکا کر نہ رکھا جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی وضاحت ہوں کہ؛

---

1 النساء:4/19

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمۃ الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک، حدیث:2316

3 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سر المراۃ، حدیث:1437

4 ابو داؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی الخیلاء فی الحرب، حدیث:2659

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ [1]

"اور اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کے لیے روکے نہ رکھو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا"

نرمی کا برتاؤ:

عورت کی ایک فطرت ہے اور اسلام کہتا ہے کہ اسے اس کی فطرت کے مطابق ہی ڈیل کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے جو اسے بالکل ہی بگاڑ دے اور نہ ہی ایسا سلوک کرنا چاہیے کہ جو اسے توڑ کر رکھ دے اور اسے اس کی فطرت سے ہی محروم کر دے۔ اس بات کی وضاحت آپ ﷺ نے یوں کی:

((واستوصوا بالنساء خيرا فإنهن خلقن من ضلع، وإن اعوج شيء في الضلع اعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل اعوج، فاستوصوا بالنساء خيرا)) [2]

"عورت کے بارے میں وصیت حاصل کرلو۔ بے شک عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلیوں میں سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ پس اگر تم اسے سیدھا رہنے دوگے تو اسے توڑ بیٹھو گے اور اگر ایسے ہی رہنے دوگے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے معاملے میں یہ وصیت جان لو"

ازواج میں عدل و انصاف:

اگر کوئی بندہ ایک سے زیادہ شادیاں کرلیتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ساری بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کا رویہ رکھے۔ یہ عدل عورت کا حق ہے جو بہر صورت مرد کو اپنانا چاہیے۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ((من كانت له امراتان فمال إلى إحداهما، جاء يوم القيامة وشقه مائل)) [3]، یعنی جس بندے کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ جھک جائے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو زیادہ جھکا ہوا ہو گا۔ اس کے مقابلے میں وہ لوگ ممدوح ٹھہرائے گئے ہیں جو اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کو منبروں پر تشریف فرما ہونے کی خوشخبری سناتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إن المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمن عز وجل، وكلتا يديه يمين الذين يعدلون في حكمهم واهليهم وما ولوا)) [4]

---

1 البقرة:2/231

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب: الوصاة بالنساء، حدیث:5186

3 ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب: فی القسم بین النساء، حدیث:2133

4 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارة، باب: فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق، حدیث:1827

"بے شک قیامت کے دن انصاف کرنے والے رحمن کے دائیں جانب نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو عدل سے کام لیتے تھے اپنے اہل وعیال کے بارے میں اور ان کے بارے میں جن کے وہ والی بنائے گئے تھے"

حق مہر اور نان ونفقہ:

عورت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے علاقائی معروف رواج کے مطابق خرچہ دیا جائے۔یعنی اس پر خرچ کیا جائے۔ اس ضمن میں اس کی جمیع ضروریات کو پورا کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے اور عورت کا حق ہے۔ اس بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے یوں اشارہ فرمایا:

((الا كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالامير الذي على الناس راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع على اهل بيته وهو مسئول عنهم))[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کرے گا کہ آیا کہ اس نے ذمہ داری پوری کی یا نہیں؟ یہاں تک کہ ہر آدمی سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال کیا جائے گا"

عورت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ مرد اسے اچھا کھلائے اور اچھا پہننے دے۔اس سلسلہ میں ایک بار نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

((الا إن لكم على نسائكم حقا، ولنسائكم عليكم حقا، فاما حقكم على نسائكم، فلا يوطئن فرشكم من تكرهون، ولا ياذن في بيوتكم لمن تكرهون، الا وحقهن عليكم، ان تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن))[2]

" جس طرح تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اسی طرح تم پر تمہاری بیویوں کا بھی حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ایسے لوگوں کو نہ روندنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھا نہیں سمجھتے۔ سنو! اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس اور پہنے میں اچھا سلوک کرو"

اس حدیث میں واضح طور پر اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ان کو کھلانے پہنانے میں ان کا خیال کرو کیونکہ قیدی کے یہ حقوق اسی بندے پر لازم ہوتے ہیں جس کی قید میں وہ ہوتا ہے۔ بلکہ ایک اور جگہ آپ ﷺ نے برابری کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا:

---

1 ترمذی، السنن، کتاب الجہاد عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الامام، حدیث:1705

2 ترمذی، الجامع الکبیر، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث:1163

((يا رسول الله، ما حق زوجة احدنا عليه؟ قال:" ان تطعمها إذا طعمت، وتكسوها إذا اكتسيت او اكتسبت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح ولا تهجر إلا في البيت))[1]

"اے اللہ کے رسول! ہمارے اوپر ہماری بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" :یہ کہ جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب پہنو یا کماؤ تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، برا بھلا نہ کہو، اور گھر کے علاوہ اس سے جدائی اختیار نہ کرو"

بیوی شوہر کا مال بلا اجازت بقدر ضرورت لے سکتی ہے:

بیوی کا یہ حق بھی ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بھی لے سکتی ہے لیکن یہ تب ہے جبکہ وہ اسے ضرورت کے لیے مال نہ دیتا ہو۔ اگر اسے ضرورت کے مطابق مال ملتا ہو تو پھر سوائے کسی کو کھانا خیرات کرنے کے وہ خاوند کا مال بلا اجازت نہیں لے سکتی۔ لیکن اگر وہ نہیں دیتا تو لے سکتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ہندہ سے فرمایا((خذی ما يكفيك وولدك بالمعروف)) [2]، یعنی تو معروف طریقے سے اپنے مال کے خاوند سے اتنا مال لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کفایت کر جائے۔

دیگر رشتہ داروں کے حقوق کا بیان:

دیگر رشتہ داروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے کیونکہ خاندان کے افراد کے ایک دوسرے پر باہمی حقوق و فرائض ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک انسان کا چچا ہے جو کہ دودھیال کا رشتہ دار ہے۔ اسلام نے اسے باپ کی طرح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ((أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ))[3]۔ یعنی انسان کا چچا اس کے باپ کی طرح ہی ہے۔ حضرت معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں:

((يا رسول الله، من ابر؟ قال: " امك "، قال: قلت: ثم من؟ قال: " امك "، قال: قلت: ثم من؟ قال: " امك "، قال: قلت: ثم من؟ قال: " ثم اباك، ثم الاقرب، فالاقرب))[4]

" اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ نیک سلوک اور صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا" :اپنی ماں کے ساتھ"، میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا" :اپنی ماں کے ساتھ"، میں نے عرض کیا: پھر

---

1 ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب ما فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث:2142

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب القضاء علی الغائب، حدیث:7180

3 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب فی تقدیم الزکوۃ ومنعھا، حدیث:983

4 ترمذی، السنن، ابواب البر والصلہ، باب ما جاء فی بر الوالدین، حدیث:1897

کس کے ساتھ؟ فرمایا" :اپنی ماں کے ساتھ"، میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا" :پھر اپنے باپ کے ساتھ"

اس ضمن میں ماں باپ کے قریبی رشتہ دار بھی آتے ہیں کہ وہ بھی خاندان میں حقوق رکھتے ہیں اور یہاں تک کہ والد کے قریبی دوست بھی۔ جیسا کہ روایت ہے کہ ایک بار قبیلہ بنو سلمہ کے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا:

((یا رسول الله , ابقي من بر ابوي شيء ابرهما به من بعد موتهما , قال:" نعم , الصلاة عليهما , والاستغفار لهما , وإيفاء بعهودهما من بعد موتهما , وإكرام صديقهما , وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما))[1]

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں تو اب میں ان کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کر سکتے ہو اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور والد کے دوستوں کے ساتھ اچھا رویہ اپناؤ"

رضاعی بہن کے ساتھ حسن سلوک:

اپنی رضاعی بہن کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنا چاہیے۔ یہ بھی ایک طرح سے خاندان کا حصہ ہے۔ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ جب قبیلہ بنو سعد کے لوگ قیدی بنا کر لائے گئے تو حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ بنو سعد کے کسی فرد کو مت چھوڑنا کہ اس نے بڑی گمراہی پھیلائی ہے مگر اس کے باوجود آپ نے اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ جب لوگ قیدی بنا لیے گئے اور ان کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا جانے لگا تو صحابہ کرام نے ان لوگوں کو چلنے میں تکلیف دی۔ شیما کہنے لگیں کہ تم لوگ جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں نبی کریم ﷺ کی رضاعی بہن ہوں۔ مگر صحابہ کرام نے اس کی تصدیق نہ کی۔ جب آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے تو وہ کہنے لگی کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ ﷺ نے کوئی نشانی پوچھی تو کہنے لگی کہ ایک بار بچپن میں آپ نے میری پشت میں کاٹا تھا۔ وہ نشان اب تک باقی ہے۔ آپ ﷺ کو بھی یاد آگیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے عزت سے اپنی چادر پر بٹھایا اور پھر فرمایا کہ اگر چاہو تو یہاں عزت سے رہ سکتی ہو اور چاہو تو واپس چلی جاؤ۔ اس نے کہا کہ میں اپنی قوم میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کو بہت سا مال دے کر رخصت کر دیا[2]۔ اسی طرح خالہ اور پھوپھی کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو انسان اتنی عزت دے اور ان کے حقوق کا اسی طرح خیال رکھے جس طرح کہ وہ اپنی ماں اور خالہ کا رکھتا تھا۔ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ خالہ ماں کے قائمقام ہے اور پھوپھی باپ کے قائمقام ہے اور بھائی کی بیٹی بھائی کے قائمقام ہے اور ہر رشتہ دار اپنے رشتہ دار کا ولی ہے[3]۔ اسی طرح ایک اور جگہ یوں منقول

---

1 ابن ماجہ، السنن، کتاب الادب، باب صل من کان ابوک یصلی، حدیث:3664

2 ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری، السیرة النبویہ، تحقیق: مصطفیٰ السقا وابراہیم الابیاری وعبد الحفیظ الشلبی، شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر 1375ھ، ص:2/458

3 دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل الدارمی، المسند، تحقیق: حسین سلیم اسد الدارانی، دار المغنی للنشر والتوزیع سعودیہ 1412ھ، کتاب الفرائض، باب فی میراث ذوی الارحام، حدیث:3021

ہے کہ یہ حضرت عمر کا بھی فیصلہ تھا جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت زیاد بن سفیان نے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عمر نے پھوپھی اور خالہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا تھا؟ انہوں کہا کہ نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کی مخلوق میں، مَیں سب سے زیادہ جانتا ہوں کہ انہوں نے کیسے فیصلہ کیا تھا۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے بھی خالہ کو ماں اور پھوپھی کو باپ کے قائمقام ٹھہرایا تھا[1]۔ اسی طرح ایک اور روایت کہ آپ ﷺ کے پاس ایک بندہ آیا اور کہا:

((يا رسول الله، إني اصبت ذنبا عظيما، فهل لي من توبة؟ قال: " هل لك من ام؟ قال: لا، قال: هل لك من خالة؟ قال: نعم، قال: فبرها))[2]

" یا رسول اللہ! میں بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ کیا میرے لیے توبہ کا موقع ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا تیری خالہ حیات ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اور اس سے حسن سلوک کرو"

دیگر رشتہ داروں سے حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ اس کا اسلام میں بڑا مقام ہے۔ صلہ رحمی سے مراد خاندانی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ امام نووی نے صلہ رحمی کی تعریف یوں کی ہے؛

((وَأَمَّا صِلَةُ الرَّحِمِ فَهِيَ الْإِحْسَانُ إِلَى الْأَقَارِبِ عَلَى حَسَبِ حَالِ الْوَاصِلِ وَالْمَوْصُولِ فَتَارَةً تَكُونُ بِالْمَالِ وَتَارَةً بِالْخِدْمَةِ وَتَارَةً بِالزِّيَارَةِ وَالسَّلَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ))[3]

"صلہ رحمی سے مراد اپنے عزیز و اقارب سے استطاعت کے مطابق حسن سلوک کرنا ہے۔ خواہ آپ ان سے ملاقات کے لیے یا وہ آپ سے ملنے کے لیے۔ پس یہ حسن سلوک مال کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے، خدمت کے ذریعے بھی، ملاقات کے ذریعے بھی اور دعا سلام وغیرہ کے ذریعے بھی"

اسلام نے ایک خاندان میں صلہ رحمی کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى﴾[4]

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ کے علاوہ کسی عبادت نہیں کرو گے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ گے اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بھی"

---

1 بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الفرائض، باب من قال بتوریث ذوی الارحام، حدیث:12220

2 ترمذی، السنن، ابواب البر والصلۃ، باب: فی بر الخالۃ، ح:1904

3 نووی، ابوزکریا محی الدین یحیٰ بن شرف النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، داراحیاء التراث العربی بیروت 1392ھ، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ، ص:2/201

4 البقرۃ:2/83

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور ہر آسان مشکل وقت میں ان کے ساتھ کھڑا رہنا چاہئے۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ؛

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ [1]

"وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا (اور کہاں) خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ تم جو بھی مال خرچ کرو اس میں والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جاننے والا ہے"

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں متعدد آیات ایسی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان میں باہمی حقوق کے لحاظ سے رشتہ داروں کا بڑا حق ہوتا ہے۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے کہ؛

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ [2]

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور قربی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحاشی، برائی، برے کاموں اور سرکشی سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو"۔

صلہ رحمی کی اہمیت:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر رشتہ دار اپنے رشتہ دار دار کے ساتھ آئے گا۔ جس نے صلہ رحمی کی ہو گی وہ اس کے حق میں گواہی دے گا اور جس نے قطع رحمی کی ہو گی تو صلہ رحمی اس کے خلاف گواہی دے گا [3]۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ((إن الرحم شجنة من الرحمن، فقال الله: من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته))[4]، یعنی رحم (صلہ رحمی) کا تعلق رحمن سے جڑا ہوا ہے پس جو کوئی اس سے اپنے آپ کو جوڑتا ہے اللہ پاک نے فرمایا کہ میں بھی اس کو اپنے سے جوڑ لیتا ہوں اور جو کوئی اسے توڑتا ہے میں بھی اپنے آپ کو اس سے توڑ لیتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی طرف راغب کیا اور ان کی عزت کرنے بھی ترغیب دی۔ جیسا کہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ((ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه))[5]، یعنی کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر

---

1 البقرہ:215/2

2 النحل:90/16

3 بخاری، الادب المفرد، باب تعلموا من انسابکم ماتصلون به ارحامکم، حدیث:73

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث:5988

5 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ، حدیث:6138

ایمان رکھتاہے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کو اپنا شعار بنالے۔ مختصر یہ کہ اسلامی نقطہ نظر سے خاندان میں قریبی لوگوں کے حقوق کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ یہ بھی بہت ضروری ہے۔ اسلام نے اگر ایک طرف قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی طرف رغبت دلائی اور اس کو قابل تحسین ٹھہرایا تو دوسری طرف قطع رحمی کی مذمت بھی کی اور اس سے بچنے کا حکم بھی دیا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ((لا يدخل الجنة قاطع))[1]، یعنی قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔ عبد الرحمٰن بن عوف کا فرمانا ہے کہ

((سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله: " انا الله، وانا الرحمن، خلقت الرحم، وشققت لها من اسمي، فمن وصلها وصلته، ومن قطعها بتته))[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میں اللہ ہوں، میں رحمن ہوں، میں نے رحم (یعنی رشتے ناتے) کو پیدا کیا ہے اور اس کا نام اپنے نام سے (مشتق کر کے) رکھا ہے۔ پس جو اسے جوڑے گا میں اسے (اپنی رحمت سے) جوڑے رکھوں گا اور جو اسے کاٹے گا میں بھی اسے (اپنی رحمت سے) کاٹ دوں گا"

یعنی قطع رحمی کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس کی دنیاو آخرت دونوں میں سزا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

((ما من ذنب اجدر ان يعجل الله تعالى لصاحبه العقوبة في الدنيا مع ما يدخر له في الآخرة مثل البغي وقطيعة الرحم))[3]،

"بغاوت اور قطع رحمی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو کسی جرم کی سزا دینے میں جلدی نہیں ہے۔ یہ دونوں ایسے جرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا میں بھی فورا کوئی سزا دیتا ہے اور آخرت میں بھی ان کو سزا ملے گی"

قطع رحمی کی مذمت میں اسلام یہاں تک کہتا ہے کہ ایسا کرنے والے کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ صلہ رحمی صرف یہی نہیں ہے کہ بدلے میں صلہ رحمی کی جائے بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ اس سے بھی صلہ رحمی کا جائے کہ جو تجھ سے قطع رحمی کرتا ہے[4]۔ قطع رحمی کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس کی دنیاو آخرت دونوں میں سزا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ بغاوت اور قطع رحمی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو کسی جرم کی سزا دینے میں جلدی نہیں

---

1 بخاری، کتاب الادب، باب اثم القاطع، حدیث:5984

2 ترمذی، السنن، کتاب البر واصلۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم، حدیث:1907

3 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب: فی النھی عن البغی، حدیث:4902

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی، حدیث:5991

ہے۔ یہ دونوں ایسے جرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا میں بھی فوراً کوئی سزا دیتا ہے اور آخرت میں ابھی ان کو سزا ملے گی[1]۔ قطع رحمی کی مذمت میں اسلام یہاں تک کہتا ہے کہ ایسا کرنے والے کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔

خلاصہ بحث:

حاصل گفتگو یہ کہ اسلام میں خاندان کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ حقوق و فرائض کے لازمی ناتے سے استوار ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی، بیوی شوہر یا دیگر رشتہ دار، ہر ایک کے دوسرے پر حقوق بھی ہیں اور مقابلے میں فرائض بھی لاگو ہوتے ہیں۔ خاندان میں باہمی حقوق کے حوالے سے ماں باپ، اولاد اور میاں بیوی کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی روشنی میں برتاؤ کرنے کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے جو اسلام کی نظر میں ایک اچھی چیز ہے۔ لیکن اگر انسان ان رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرے تو اس کو قطع رحمی کہا جاتا ہے جس کی اسلام میں حوصلہ شکنی کی گئی اور اس کی مذمت اور سزا بھی بیان کی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے قریبی رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حقوق اچھی طرح ادا کرتا رہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہے گا تو ایک خوشحال اور پرامن معاشرہ تشکیل پائے گا اور خاندانی نظام بھی مضبوط ہوگا، اس کے برعکس اگر معاملہ کرے گا تو خاندانی نظام کمزور ہوگا اور معاشرہ بھی بدحالی کا شکار ہوگا کیوں کہ ایک معاشرہ مختلف خاندانوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ اس تمام بحث سے واضح ہوا کہ میاں بیوی والدین اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اسلام کی نظر میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ خاندان میں والدین میاں بیوی اور ان کے بچے شامل ہوتے ہیں اس کے علاوہ اسلام نے دیگر قریبی رشتہ داروں کے حقوق کا بھی ذکر کیا، جب تمام فریق ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی یقینی بنائیں گے تو ایسا معاشرہ بن جائے گا جو اسلام کا مطمع نظر ہے۔

---

1 ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب: فی النھی عن البغی، حدیث: 4902

فصل سوم

اہل مغرب کا تصور خاندان اور اس کے حقوق و فرائض

فصل سوم:

اہل مغرب کا تصور خاندان اور اس کے حقوق و فرائض

اہل مغرب کے ہاں بھی افراد کا گروہ خاندان کہلاتا ہے۔اس گروہ کو نہ صرف معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ تحفظ بھی فراہم کیا جاتا ہے۔معاشرے میں آنے والے افراد کی حفاظت کے طور پر جانا جاتا ہے۔گو مغرب میں یہ تصور اب ناپید ہو تا جارہا ہے اور کسی بھی ناپسندیدہ صورت میں بچے ریاست کو فون کرتے ہیں اور پولیس ان کی شکایت پر والدین کے خلاف کارروائی کرتی ہے۔اگرچہ یہ ایک مخدوش صورتحال ہے تاہم اب بھی کسی نہ کسی صورت میں وہاں خاندان کا تصور موجود ہے۔بعض صورتوں میں یہ تصور وسیع ہوا ہے اور بعض صورتوں میں بڑی تیزی کے ساتھ تنگ ہوا ہے۔مغرب میں بھی خاندان کو ایک بنیادی ادارے کے طور پر ہی متعارف کرایا گیا ہے۔اس لحاظ سے گویا مغرب میں بھی اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ خاندان کسی بھی معاشرے کی اکائی ہے اور اس بنیاد پر کسی بھی معاشرے اور ملک کی دیواریں استوار ہوتی ہیں۔اس سے یہ ضمنی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ خاندان ہی کسی معاشرے کے اچھا یا برا ہونے کی اساسی کلید ہے۔اگر خاندان اچھا ہو گا تو معاشرہ بھی اچھا ہو گا اور اگر یہ اکائی خراب ہو گئی تو معاشرہ بھی انتشار کا شکار بن جائے گا۔ذیل میں مختلف ماہرین کی تعریفات اس کی عکاس ہیں۔

J.M. crawford:

“The family is the natural and fundamental group unit of society and is entitled to protection by society and the State. Society’s definition of ‘family’ is rapidly expanding and has come to include single parents, biracial couples, blended families, unrelated individuals living cooperatively, and homosexual couples, among others. Unfortunately, family policy has been slow to catch up to changing trends in modern lifestyles”[1]

"خاندان معاشرے کا ایک قدرتی اور بنیادی گروہ کا نام ہے اور اسے معاشرے اور ریاست کی طرف سے حفاظت کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔معاشرے کی بنائی خاندان کی یہ تعریف پھیل رہی ہے اور اب یہ صرف اکیلے والدین، مخلوط جوڑوں، مخلوط خاندان، غیر رشتہ دار اکیلے افراد جو ایک دوسرے کے ساتھ رضاکارانہ طور پر رہ رہے ہوں اور ہم جنس پرست افراد کو بھی شامل ہو گیا ہے۔

1 Crawford, J.M. (1999). Co-parent adoptions by same-sex couples: From Loophole to law. Families in Society: The *Journal of Contemporary Human Services,p.271*

خاندان ایک منظم نیٹ ورک:

بعض مفکرین کے مطابق خاندان ایسا مضبوط نیٹ ورک ہے جس کے ذریعے اس نیٹ ورک کے ساتھ متصل افراد کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں جس طرح کہ یہ تعریف ہے:

" خاندان ایک ایسا چھوٹا، منظم اور مضبوط جال ہے جو عزیزواقارب وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے جو روزانہ کی بنیاد پر اپنے بچوں کی روزمرہ خوراک اور دیگر سہولیات کی فراہمی یقینی بنارہاہوتاہے اوران کی زندگی کو بھی محفوظ بنارہاہوتاہے[1]

نظریات کا مجموعہ:

ایک اور مغربی مفکر جے ایم پیٹرسن کے مطابق خاندان کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کی گئی ہے:

“Most uses of the word family in research indicate that it was often defined as ‘spouse and children’ or ‘kin in the household’. Thus ‘family’ as defined in economics, sociology, and psychology often was a combination of the notions of household and kin… An exception to this standard definition of family is in clinical and counseling psychology, where family includes one’s family of origin in addition to spouse and children”[2]

"خاندان کا لفظ زیادہ تر میاں بیوی اور بچوں اور گھر میں دیگر افراد کے لیے بولا جاتا ہے۔اس لحاظ سے خاندان کی تعریف جیسا کہ عمرانیات، معاشیات اور نفسیات میں کی گئی ہے اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ گھریلو سربراہ اوراس کے بچوں پر مشتمل نظریات کا مجموعہ ہے۔اس تعریف کی استثناء کلینیکل اور مشاورتی نفسیات میں ملتی ہے جہاں شریک حیات اور بچوں کے علاوہ خاندان کی ابتدا بھی شامل ہے"۔

خاندان ایک دوسرے سے جڑا ہوا:

بعض کے نزدیک خاندان سے مراد افراد کا ایسا گروہ ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے جس طرح کہ اس تعریف میں بیان کیا گیا ہے:

"خاندان سے مراد ایک ایسا گروہ ہے جو ایک دوسرے سے متعلق ہو چاہے یہ تعلق طبیاتی اور جذباتی ہو یا قانونی "[3]۔

---

1 Stack, C.B. (1996). *All our kin.* New York, NY: Basic Books.p.31

2 Patterson, J.M. (1996). Family research methods. In C.A. Heflinger & C.T. Nixon (Eds.), *Families and the mental health system for children and adolescents,* Thousand Oaks, California: Sage Publications.p.818

3 McDaniel, S.H., Campbell, T.L., Hepworth, J., & Lorenz, A. (2005). *Family-oriented primary care (2nd Ed.).* New York, NY: Springer.p.2

US Census Bureau:

"A family consists of two or more people, one of whom is the householder, related by birth, marriage, or adoption and residing in the same housing unit. A household consists of all people who occupy a housing unit regardless of relationship. A household may consist of a person living alone or multiple unrelated individuals or families living together"[1]

"خاندان دو یا دو سے زیادہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے جس میں ایک فرد سربراہ ہوتا ہے اور باقی افراد کا تعلق اس سربراہ سے پیدائش، شادی، متبنیٰ یا ایک ہی گھر میں رہائش کا ہوتا ہے۔ رشتہ داری سے قطع نظر ایک گھرانہ ان تمام افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک گھر میں رہ رہے ہوں۔ ایک گھرانہ ایک فرد یا کئی افراد یا خاندانوں پر مشتمل ہوتا ہے جو آپس میں رشتہ دار بھی نہ ہوں مگر اکھٹے رہ رہے ہوں"

Steel L & Kidd W:

"The family is a social group characterized by common residence, economic cooperation and reproduction. It includes adults of both sexes, at least two of whom maintain a socially approved sexual relationship, and one or more children, own or adopted" [2]

"خاندان ایک معاشرتی گروہ کا نام ہے جس میں مشترکہ رہائش، معاشیاتی تعاون اورافزائش کی خصوصیات کا رشتہ ہوتا ہے۔ یہ مرد اور عورت جو ایک ایسا خاص تعلق بناتے ہیں جس کی معاشرہ بھی اجازت دیتا ہے اور ایک یا زیادہ بچوں پر مشتمل ہوتا ہے چاہے وہ بچے ان کے اپنے ہوں یا انہوں نے انہیں گود لیا ہو"

R.D. Day:

"A family is a group of individuals in which there is a generational connection present. Additionally, family members provide close intimate contact. It is assumed that sexual intimacy is an element of the relationship between the parents and that this family group seeks to achieve goals by acquiring, allocating and distributing resources" [3]

---

1 U.S. Census Bureau (2005). Question and answer center. Retrieved July 7, 2005, from https://ask.census.gov/app/answers/list

2 Steel, L., Kidd, W., & Brown, A. (2012). *The family* (2nd Ed.). Houndmills, Basingstoke England: Palgrave MacMillan.p.2

3 Day, R. D. (2010). *Introduction to family processes* (5th Ed.). New York:Routledge. P.14

"خاندان افراد پر مشتمل ایک ایسے گروہ کا نام ہے جن میں عمل تولید کا تعلق پایا جائے۔ مزید یہ کہ ان افراد میں ایک گہرا قلبی تعلق بھی پایا جاتا ہے۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ والدین کے مابین پایا جانے والا خاص جنسی فعل اس تعلق کی بنیاد کا ایک جزو ہے۔ میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل یہ گروہ وسائل کی دریافت کرنے، تخصیص کرنے اور تقسیم کرنے میں سر گرداں ہوتا ہے"۔

گویا اس تعریف کے مطابق خاندان کی بنیاد جنسی تعلقات پہ ہے جس میں شادی کے بعد اولاد کا پیدا ہونا اور پھر ایک خاندان کی شکل میں زندگی گزارنے کا نام خاندان ہے۔

A.P. Edwards:

"A family is "a group constituted by at least one adult member and one or more others who work as a group toward mutual need fulfillment, nurturance, and development" (1)

"خاندان ایک ایسا گروہ ہے جو کم از کم ایک بالغ فرد اور اس کے علاوہ دیگر ایک یا ایک سے زیادہ ان لوگوں پر مشتمل ہو جو اپنی باہمی ضروریات، تربیت اور ترقی کے لیے ایک گروہ کی صورت میں کام کرتے ہوں"

E.J. Leeder:

"A family is a group of people who have intimate social relationships and have a history together" (2)

"خاندان کچھ لوگوں پر مشتمل ایک ایسے گروہ کا نام ہے جن کا آپس میں گہرا معاشرتی تعلق ہو اور ان کے آپس میں اکٹھا رہنے کی تاریخ بھی ہو"

Oxford Dictionary:

"A group consisting of two parents and their children living together as a unit"(3)

"ایک ایسا گروہ جو دو والدین اور ان کے بچوں پر مشتمل ہو جو اکٹھے رہ رہے ہوں"

---

1 Edwards, A. P., & Graham, E. E. (2009). The Relationship between Individuals' Definitions of Family and Implicit Personal Theories ofCommunication *Journal of Family Communication.p.193*

2 Leeder, E. J. (2004). *The family in global perspective.* Thousand Oaks, Calif, London: Sage Publications.9.25

3 https://en.oxforddictionaries.com/definition/family

International Encyclopedia of Family:

"All the people who live under the same roof as a family – even if they aren't related" (1)

"ایسے تمام افراد کا گروہ جو ایک چھت کے نیچے رہائش پذیر ہو خاندان کہلاتا ہے چاہے ان کی آپس میں کوئی رشتہ داری نہ ہو"۔

امریکی ادارہ برائے شماریات:

"خاندان ایک گھرانے کے سربراہ اور ایک یا ایک سے زیادہ سے رہنے والے ان افراد کا نام ہے جو اس گھر میں رہ رہے ہوں اور ان کا اس گھرانے کے سربراہ سے تعلق بھی ہو چاہے وہ تعلق پیدائش کے لحاظ سے ہو، شادی کے اعتبار سے ہو یا گود لینے کے اعتبار سے ہو"(2)

تعریفات کا خلاصہ:

ان تمام تر تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل مغرب کے تصور خاندان میں کسی نہ کسی صورت میں میاں بیوی اور بچوں کا تصور پایا جاتا ہے چاہے اس کی نوعیت کوئی سی بھی ہو۔ میاں بیوی کی شرط اگرچہ کسی کے ہاں نکاح سے مشروط نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں ان کا اکٹھے رہنا ہی ان کے خاندان ہونے کے لیے کافی ہے اور جنسی محرک ان کو اکٹھا رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ بعض نے بچوں کے سلسلے میں ان کی پرورش کو اکٹھا رہنے کا عنصر بتایا ہے۔ اگر بعض کے ہاں وہ صرف جنسی بنیاد پر ہی اکٹھا رہ سکتے ہیں تو بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ ان کے اکٹھا رہنے کی معاشرے نے اجازت دی ہو۔ یعنی ان کے مابین ایک ایسا تعلق پایا جائے جسے معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ ایسا تعلق صرف اور صرف نکاح ہی ہے جس کی طرف اسلام نے ترغیب دی ہے۔ لیکن اس تعریف میں معاشرے کی اجازت مشروط کے طور داخل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ اگر معاشرہ کسی قانونی یا شرعی اجازت کے بغیر اکٹھے رہنے پر اعتراض نہ کرے تو کسی کا بھی اکٹھا رہنا خاندان بن جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفکرین نے اس ضمن میں یہ کہا ہے کہ کوئی سے بھی دو افراد کا اکٹھا رہنا خاندان کہلانے کے لیے کافی ہو گا۔

جاپان میں 1889ء تک ایسا ہی رواج ہی تھا لیکن بعد میں انہوں نے خاندان کی تعریف پر پورا اترنے کے لیے ان افراد کے مابین خونی تعلق کو بنیادی شرط قرار دیا جس میں باپ کو سربراہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور اس کی وفات کی صورت میں یہ

---

1 Aphrodite Teperoglou, "Greece," International Encyclopedia of Marriage and Family, Second Ed. James J. Ponzetti, (ed.), Macmillian Reference USA (2002), p. 775

2 Census 2000 Profiles of General Demographic Characteristics, United States, U.S.Census Bureau, Washington, DC (2001). p. A-1. Archived s at: http://www.census.gov/prod/cen2000/doc/ProfilesTD.pdf

اختیار اس کے بڑے بیٹے کو چلا جاتا ہے۔ اس لیے اب وہاں صرف انہی بچوں کے کسی خاص فرد کے خاندان کا ممبر کہا جاتا ہے جن کی رگوں میں اس خاص فرد کا خون گردش کر رہا ہو۔ یعنی خاندان کا فرد کہلانے کے لیے خونی تعلق کا ہونا بنیادی شرط ہے[1]۔ امریکی ادارہ برائے شماریات کی تعریف میں خون کے رشتے سے قید اٹھا کر شادی اور گود لینے کی وجہ سے بھی آئے ہوئے افراد کو شامل کر دیا گیا ہے۔ لیکن بہر حال یہ احتمال موجود ہے کہ جاپان میں یہ تعریف صرف بچوں کے حوالے سے ہو یعنی صرف وہی بچے خاندان کے ممبر کہلا سکتے ہیں جن سے خونی تعلق ہو اور رہی بات عورت کی تو ظاہر ہے وہ تو خاندان کا حصہ ہی ہے کیونکہ اس کے علاوہ نہ بچوں کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے خونی تعلق کا۔ خونی تعلق تب ہی ممکن ہو پائے گا جب کسی عورت سے ازدواجی تعلق قرار پائے گا۔ یہ تعریف اسلام کے قریب تر ہے کیونکہ اسلام اس عورت کو بھی خاندان میں شامل کرتا ہے جس سے شادی کا تعلق ہو اور ان بچوں کو بھی خاندان کا حصہ تصور کرتا ہے جو گود لیے جائیں۔ لیکن بعض افراد نے خاندان کو ایک بوجھ قرار دیا ہے اور اس کا تمسخر اڑایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خاندان ذمہ داریوں اور بوجھ اٹھانے کا نام ہے اور یہ ایک ادارے کا نام ہے جس میں مرد ہونے کا مطلب صرف اس ادارے کی معاونت اور عورت کا کام صرف اور صرف کام ہوتا ہے جیسا کہ گیروتھ اور ایلرچ کا خیال ہے[2]۔
جب کہ مغرب کے بعض مفکرین نے خاندان قدرت کا سب سے بہترین ادارہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سابقہ تعریفات سے بھی واضح ہوا کہ مغربی مفکرین کے نزدیک بھی خاندان کا ادارہ ایک اہم ترین ادارہ ہے جو کہ اپنے ساتھ متصل تمام افراد کے فائدے کے لئے کام کرتا ہے، جو افراد بھی خاندان کی چھتری تلے زندگی بسر کرتے ہیں ان کی زندگی خاندان سے الگ ہو کر رہنے والوں کی نسبت زیادہ آسان گزرتی ہے۔

خاندان کی اقسام:

نیوکلیر خاندان: Nuclear Family

اس سے مراد روایتی خاندان ہے۔ اس میں والدین یعنی ماں باپ اور ان کے بچے شامل ہوتے ہیں۔ یہ معاشرے میں پائی جانے والی خاندان کی اقسام میں سب سے قدیم اور سب سے مقبول قسم ہے۔ اس کا مرکزی خیال بچوں کی افزائش اور نسل انسانی کی بقا ہے۔ اس خاندان میں بچے ماں باپ سے رہنمائی، تحفظ اور قوت حاصل کرتے ہیں۔ امریکی ادارہ برائے شماریات کے مطابق ستر فیصد بچے اسی خاندان میں رہتے ہیں۔ نیوکلیر خاندان کی اصطلاح امریکا میں زیادہ سننے کو ملتی ہے۔ اسے کانجوگل خاندان (conjugal family) بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں صرف خاوند یا صرف بیوی اور ان کے بن بیاہے بچے شامل ہوتے ہیں۔ بعض

1 Junko Kuninobu, "Japan," International Encyclopedia of Marriage and Family, Second Ed. James J. Ponzetti, (ed.), Macmillian Reference USA (2002), p. 969
2 Steinem in the September 1981 Ms. Magazine. As quoted by George Carruth and Eugene Ehrlich (eds), American Quotations, Wings Books, Avenel, New Jersey.P. 227

مفکرین نے خاندان قدرت کا سب سے بہترین ادارہ قرار دیا ہے[1]۔ اگرچہ اس خاندان کو قانونی اور مذہبی تحفظ بھی حاصل ہے لیکن پھر بھی اسے پورے معاشرے میں کلی طور پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی[2]۔

مغرب میں خاندان کے ڈھلتے ہوئے تصور کے پیش نظر اس کا تصوراب محافظت سے زیادہ سے تلافی کے مدار میں ہے اوراگرچہ یہ تلافی بھی کررہاہے باایں صورت کہ جو کچھ چاہیے یہ اپنے ممبران کو دے رہا ہے لیکن معاشرتی اعتبار سے بہت کچھ کھو بھی رہاہے۔اس قسم کے خاندان سے بڑھ کر کوئی خاندان نوع انسانی کے لیے سنہرا ثابت نہیں ہو سکاہے۔وہ تمام خصوصیات جنہیں آج کسی بھی خاندان کی سنہری مثالیں کہاجاسکتاہے وہ ماضی کے اس خاندان کا حصہ رہی ہیں[3]۔

یک سربراہی خاندان:Single Parent Family

اس خاندان میں صرف ماں گھرانے کے سربراہ کی حیثیت سے ہوتی ہے جو ایک یا ایک سے زیادہ بچوں کی پرورش کررہی ہوتی ہے ۔اگرچہ ایک اکیلا ہونے والا یہ فرد باپ بھی ہو تا ہے لیکن اس خاندان کو ماں کی طرف منسوب کیاجاتا ہے۔یہ قسم معاشرے میں پائی جانے والی تبدیلیوں میں سے ایک بہت بڑی تبدیلی ہے جو اب تک دیکھی گئی ہے۔یورپ میں پائے جانے بچوں میں ہر چوتھا بچہ اسی خاندان کا ہو تا ہے۔

اس خاندان کے ممبر کسی بھی وقتی ضرورت جیسے مختلف مسائل ،ان کے حل کرنے کے لیے ایک دوسرے کی معاونت کرنے کے لیے یا رہائش میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اوراس صورت میں کسی فرد کی پیدائش کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔اس قسم کے خاندان کے لیے بچوں کی اچھی تربیت کرنا بہت مشکل ہو تا ہے۔اسے مارٹی فوکل خاندان(Marti focal Family)کانام بھی دیا جاتا ہے۔

اس قسم کے خاندان میں ایک ماں اکیلی اپنے بچوں کے ساتھ رہ رہی ہوتی ہے اگرچہ گود لینے کا تصور بھی معاشرے میں عام ہے لیکن یہ بچے جنسی عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔اس قسم کے خاندان وہاں پائے جاتے ہیں جہاں عورتوں یا مردوں میں کسی ایک کو بھی جنسی آزادی اور بچے پیدا کرنے کی کھلی چھوٹ میسر ہو۔جبکہ بعض مفکرین نے کہاہے کہ یہ ضروری نہیں بلکہ بسااوقات ایسا

---

1 George Santayana's *The Life of Reason*, 1905-1906, as quoted byGeorge Carruth and Eugene Ehrlich (eds), *American Quotations*, Wings Books, Avenel, New Jersey p. 227

2 Olivia Harris. Kate Young; Carol Wolkowitz; Roslyn McCullagh, eds. *Of Marriage and the Market: Women's Subordination Internationally and its Lessons*. London: Routledge. p. 138

3 Zinn, Maxine Baca; Eitzen, D. Stanley (2002). *Diversity in families* (6 ed.). Allyn and Bacon. P. 3 & 8.

بھی ہوتا ہے کہ والد کو کسی ملازمت یا کسی اور سلسلے میں زیادہ تر اوقات گھر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ لیکن بعض دوسرے مفکرین نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں ضروری نہیں کہ وہ پالنے والی عورت اس مرد کے بچوں کی ماں ہی ہو[1]۔

مشترکہ خاندان: Extended Family

اس خاندان سے مراد ایک ایسا خاندان ہے جس میں دو بالغ افراد کسی بھی خونی رشتے یا ازدواجی رشتے کی بنا پر اکٹھے رہ رہے ہوں۔ اس خاندان میں بہت سے افراد ایک ہی چھت کے نیچے سربراہ گھرانہ کی زیر نگرانی رہتے ہیں۔ ان کے مقاصد مشترکہ ہوتے ہیں جیسا کہ بچوں کی نگرانی، ان کی تعلیم و تربیت اور معاشرتی تحفظ وغیرہ۔ بہت سے مشترکہ خاندان چچازاد، تایازاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بھائیوں بہنوں، خالائیں، چچے، ماموں، نانا، نانی اور دادا دادی وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے خاندان کے اکٹھا رہنے میں کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے جیسے معاشی مشکلات، بچوں کی دیکھ بھال کے لیے کسی کا نہ ہونا یا بڑے بوڑھوں کی دیکھ بھال وغیرہ ۔ یہ خاندان دونوں اطراف میں عزت اور احساس پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے خاندان کو ترجیح دینے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس صورت میں بچے بڑی نگہداشت میں پروان چڑھتے ہیں اور ان کی محبت ملتی ہے اور اس طرح وہ بھی اپنے سے بڑوں سے محبت کے رشتے میں بندھ جاتے ہیں اور اس طرح اچھی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اعلیٰ تربیت کا بھی بندوبست ہو تا ہے۔ جب بچہ یہاں سے محبت کا درس لے کر پروان چڑھتا ہے تو اسے ایک اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔[2]

یک زوجگی خاندان: Monogamous Family

اس سے مراد وہ خاندان ہے جو قانونی یا معاشرتی شادی پر استوار ہو۔ اس قسم کے خاندان میں کوئی بھی اکیلا فرد اپنی زندگی میں ایک ہی شریک حیات پر انحصار کرتا ہے یا ایک وقت میں صرف ایک ہی بیوی شریک حیات رکھ سکتا ہے۔ اس خاندان میں انسان ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ اس صورت میں قانون زوجیت یا عدالتی احکامات ایسا کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اس خاندان کو بعض اگرچہ مغرب میں اتنی زیادہ قبولیت حاصل نہیں ہے تاہم کچھ لوگوں کے ہاں اسے شرف پذیرائی بھی ملی ہے اور اس بات کے مداحین میں ان لوگوں کا عمل دخل زیادہ جو عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرتے ہیں یا پھر ان کو عورتوں کے حقوق اس بات میں نظر آتے ہیں کہ ایک مرد کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا حقوق نسواں کے خلاف ہے۔[3]

---

1 Godelier, Maurice, trans. Nora Scott, *The Metamorphoses of Kinship* (London: Verso, 2011, P. 568

2 Wilhelm Reich [1936] The Sexual Revolution, Chapter V, The compulsive family as educational apparatus, pp. 71–77

3 Cf. "Monogamy" in *Britannica World Language Dictionary*, R.C. Preble (ed.), Oxford London 1962, p. 1275

کثیر زوجگی خاندان:Polygamous Family

اس قسم کے خاندان میں بیک وقت ایک سے زائد شریک حیات کا تصور ہوتا ہے۔جب ایک انسان ایک وقت میں ایک سے زائد بیویوں سے شادی کرتا ہے تو اس عمل کوPolygamy کہتے ہیں جس کا مطلب ہے کثیر زنی یعنی ایک سے زائد بیویاں۔جب عورت ایک وقت میں ایک سے زائد مردوں سے شادیاں کرلیتی ہے تو اس عمل کو Polyandry کہاجاتا ہے جس کا مطلب ہے کثیر شوہرگی۔اگر میاں بیوی دونوں ہی ایک وقت میں ایک سے زائد نکاح کرلیں تو اس عمل کو Polyamory Group کہاجاتا ہے۔یعنی اسے مراد ایک ایسا خاندان ہے جس میں مرد یا عورت کو ایک وقت میں ایک سے زائد شادیاں کرنے کا مجاز قرار دیا جاتا ہے۔[1]

ذمہ داریوں کا تعین:

موجودہ مغربی خاندان اگرچہ ان کی مذہبی کتب کے تناظر میں ذمہ داریاں متعین نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود بہرحال ذمہ داریوں کو یکسر نظرانداز نہیں کیا گیا۔موجود دور کے مفکرین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ خاندان میں ذمہ داریوں کا تعین ایک مثبت پیش رفت ہے جس پر عمل پیرا ہو کر معاشرے میں فلاح وبہبود کا عمل یقینی بنایا جاسکتا ہے۔اس میں ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کا بندوبست کرے اوران کی خوراک ،رہائش اور تحفظ کا اہتمام کرے۔اس ضمن میں مشہور مغربی مفکر ڈیوڈ کہتا ہے؛

"خاندان کا سب سے اہم کام یا ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نسل انسانی کے افزودگی کے لیے ایک مناسب اور سازگار ماحول فراہم کرتا ہے۔یہ اپنا کردار بنیادی ضروریات جیسے کھاناوغیرہ فراہم کرکے یا تحفظ، حقوق وفرائض اوران سے متعلقہ ذمہ داریاں اوراخلاقی اور جذباتی بندھن فراہم کرکے اور قبول کرکے ادا کرتا ہے"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسل انسانی کی بقا، اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت ، ان کا تحفظ ،ان کی خوراک ، رہائش اور دیگر ضروریات کی فراہمی،ان کے حقوق ادا کرنا، اپنے فرائض کو اچھے طریقے سے ادا کرنا،اخلاقی اور جذباتی طور ان کے ساتھ مخلص رہنا خاندان کی بنیادی ذمہ داریاں ہیں۔خاندان میں عزت نفس پیدا کرنا بھی ایک اہم ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔مشہور ماہر عمرانیات ملینابروس کہتی ہیں؛

“Family honor is an abstract concept involving the perceived quality of worthiness and respectability that affects the social

1 Zeitzen, Miriam K. (2008). *Polygamy: A Cross-Cultural Analysis*. Oxford: Berg.p. 3,9
2 Schneider, David A Critique of the Study of Kinship, University of Michigan Press. P. 182

standing and the self-evaluation of a group of related people, both corporately and individually” [1]

"خاندانی عزت ایک ایسامستغرق تصور ہے جو قابلیت کے مدر کہ خصوصیات اور قابل عزت ہونے کو شامل ہے اور یہ متعلقہ لوگوں کی عزت نفس اور معاشرتی مقام انفرادی اور مجموعی طور پر کو متاثر کرتا ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان میں بچوں کو عزت دینا، ان کو عزت کرنا سکھانا ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے بہر حال عہدہ برآ ہونا چاہیے کیونکہ اس سے انسان کا معاشرتی مقام اور اس کی عزت نفس متعین ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو اگر گھر سے عزت ملے گی تو اسے معاشرے میں عزت نصیب ہوگی اور اگر وہ گھر والوں سے عزت کرنا سیکھے گا تو معاشرے میں دوسروں کی عزت کرنا سیکھے گا۔ چاہے وہ دوسروں کی عزت کرے یا دوسرے لوگ اس کی عزت کریں دونوں صورتوں میں اس کی معاشرتی حیثیت برتر ہوگی اور اس کی عزت نفس مجروح نہیں ہوگی۔ اسی لیے بعض مفکرین نے خاندان کو عزت دینے کا ایک اہم ادارہ تصور کیا ہے جو عزت کرانے اور عزت دینے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے کسی فرد کے معاشرتی کردار کا تعین ہوتا ہے اور وہ معاشرے کی کسی بھی ذمہ داری کو اعتماد کے ساتھ سرانجام دے سکتا ہے۔ اس اہم بات کی طرف روبرٹا یوں اشارہ کرتی ہیں؛

“The family is viewed as the main source of honor and the community highly values the relationship between honor and the family” [2]

"خاندان کو عزت واعزاز کے مرکزی ذریعے کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے اور معاشرہ عزت اور خاندان کے درمیان تعلق کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے"۔

خاندان عزت کی بنیاد:

اس سے یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ خاندان افراد کی عزت کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ جن لوگوں کو گھر سے عزت نصیب ہوتی ہے وہ دوسروں کی عزت کرتے ہیں اور انہیں خود بھی عزت کی قدر و قیمت سے واقف ہوتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو گھر سے عزت کا سبق نہیں دیا جاتا وہ معاشرے میں اس احساس سے عاری ہوتے ہیں جو عزت مند افراد کا شعار ہوتا ہے اور یوں ان کے رویے کی وجہ بسا اوقات بڑی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔ ایسے لوگ نہ عزت کے خواستگار ہوتے ہیں اور نہ ہی عزت دینے میں کوئی بڑائی محسوس کرتے ہیں اور یہ بات نفرت پر مبنی ایسے رویوں کو جنم دیتی ہے جس سے جرائم اور دوسری

---

1 Malina, Bruce The New Testament world: insights from cultural anthropology. Westminster John Knox Press.p. 42.

2 Berns, Roberta (2007). Child, family, school, community: socializationand support. Thompson Learning. p. 139

برائیوں کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ خاندان اگر عزت دینے اور عزت کرنے کا سبق پڑھاتا ہو تو اسے انسان میں اعتماد کی دولت پیدا ہوتی ہے جو اپنی زندگی میں ایک شمع کا سا کردار ادا کرتی ہے۔ مونیکا گولڈرک گویا ہیں؛

"In cultures of honor maintaining the family honor is often perceived as more important than either individual freedom, or individual achievement" [(1)]

"کسی بھی عزت کو قائم رکھنے والے معاشرے میں خاندانی عزت کو انفرادی آزادی اور کارنمایاں سے بھی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے"۔

باہمی حقوق وفرائض:

خاندان کے باہمی حقوق وفرائض اس قدر مشکل کارہائے امتیاز یہ ہیں کہ ان سے عہدہ برا ہونا آسان نہیں ہے اور شاید اسی لیے بعض مفکرین نے ایسی زندگی کا تصور پیش کیا ہے جس میں اولاد کا جھنجھٹ نہ ہو۔ ان کے نزدیک انسان کی پوری زندگی خاندان کی عبادت کے نام ہو جاتی ہے جو نسل پرستی سے مماثل ہے۔ یہ خاندان ہی ہے جو انسان پر اس کے بچوں کو اس اپنی ذمہ داریوں اور قدر وقیمت پر ترجیح دے دیتا ہے۔ ایسی زندگی سے تو بچوں سے خالی زندگی بہتر ہے [(2)]۔

اگر اس نظریے کو دیکھا جائے تو بڑا ہی فرسودہ اور ظالم نظریہ نظر آتا ہے کیونکہ یہ اگر ایک طرف بچوں کو یکسر نظر انداز کرنے پر مشتمل ہے تو دوسری طرف اس نظریے کے حامیوں کے والدین بلکہ خود ان کے اپنے وجود کو بھی بے قدر کرنے پر منتج ہے کیونکہ ان کو بھی کسی نہ کسی تو پروان چڑھایا تھا اور اگر وہ بھی اسی نظریے کے حامی ہوتے تو شاید ان کا وجود اس دنیا میں نہ پایا جاتا۔ اسی لیے زیادہ تر مفکرین نے خاندان کو عزت نفس دینے کا بنیادی ادارہ قرار دیا ہے جس سے حقوق وفرائض کی بہتر ادائیگی کا درس ملتا ہے۔ عزت خاندان کا ایسا لازمی عنصر ہے جو نہ صرف خونی رشتہ داروں بلکہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو محض اس چھت کے نیچے ہونے کی وجہ سے مذکورہ خاندان کے افراد میں شمار کیے جارہے ہیں۔ امریکی مفکر اینا ہیلر لکھتی ہیں؛

"All people in a household who are related to the householder are regarded as members of his or her" [(3)]

1 McGoldrick, Monica; Giordano, Joseph; Ethnicity and family therapy. Guilford Press. P. 445.

2 Heller, Anne C. (2009). Ayn Rand and the World She Made. New York: Doubleday. P. 320– 321

3 Census 2000 Profiles of General Demographic Characteristics, United States, U.S. Census Bureau, Washington, DC (2001). p. A-1. Archived at: http://www.census.gov/prod/cen2000/doc/ProfilesTD.pdf

"کسی بھی گھرانے میں رہنے والے لوگ جو اس گھرانے کے سربراہ سے متعلق ہوں ان سب کے ساتھ اسی طرح سلوک کرنا چاہیے جس طرح خاندان کے کسی فرد کے ساتھ کیا جاتا ہے"۔

برطانیہ میں والدین کے لئے ہدایت نامہ:

حکومت برطانیہ نے اس سلسلے میں ایک پورا نقشہ دیا ہوا ہے جس کے مطابق والدین کے حقوق و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ یہ باتیں حکومت کی سرکاری ویب سائٹس پر والدین کے لیے موجود ہیں جن کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کو گھر مہیا کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس کو نظم وضبط سکھائیں۔ اگر کسی بھی وجہ سے والد بچے کے ساتھ نہیں رہتا تو بچے کے ساتھ رابطہ میں رہنا ضروری نہیں ہے لیکن اس کی تعلیم وترقی کا بندوبست کرنا پھر بھی ضروری ہے۔ یہ چیز والدین کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے بچے کے تعلیم کے لیے نہ صرف کسی اچھے سکول کا انتخاب کرے بلکہ اسے اچھی تعلیم مہیا بھی کرے، اسے اعلیٰ طبی سہولیات مہیا کرے، اسے اچھا سا نام دے اور مستقبل میں اس نام کی تبدیلی پر بھی راضی رہے، بچے کی تمام چیزوں کی دیکھ بھال کرے اور اس بات کی یقینی بنائے کہ اس کے بچے کو تمام ضروریات زندگی میسر ہیں[1]۔ یورپ کے خاندانی قانون (Family Law)1955 کے تحت والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے رہائش کا بندوبست کریں اور اس کی دیکھ بھال، اس سے رابطہ اور اس کے دوسرے مسائل سے باخبر رہیں۔ اسی قانون کے سیکشن ایک (Section. 1) کے تحت والدین کو یہ ذمہ داریاں بچے کی بہتر نشوونما اور اس کے مفید شہری بننے کے لیے دی جارہی ہیں۔ لہٰذا ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کے تحفظ، تعلیم، صحت، بھلائی، اس کی ذہنی وجسمانی نشوونما اور اس کی صحیح اور بروقت رہنمائی کو یقینی بنائیں اور اس کے ساتھ براہ راست رابطے میں رہیں اور اسے اس کے تمام قانونی حقوق دیں۔ اسی قانون کے سیکشن نمبر دو کے تحت والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو اپنے ساتھ رکھیں۔ اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے باضابطہ رہائش کا بندوبست کریں اور اس کے ساتھ رابطے میں رہیں۔ فیملی لا1985 کے ایکٹ کے سیکشن نمبر37C اور چائلڈ ایکٹ 1991 کے سیکشن38C کی رو سے یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مالی اور طبی امداد بہم پہنچائیں گے۔[2]

ذمہ داریوں کا اطلاق:

اگر بچے کی پیدائش کے وقت ماں باپ شادی کے بندھن میں بندھے ہوئے تھے تو دونوں پر ذمہ داریوں کا یکساں اطلاق ہو گا اور اگر ایسا نہ تھا تو یہ ذمہ داریاں صرف ماں کی ہوں گی۔ اگر باپ بھی والدین کی ان ذمہ داریوں میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اس

1 https://www.gov.uk/parental-rights-responsibilities

2 Children (Scotland) Act 1995". www.legislation.gov.uk.

کے تین طریقے ہیں۔ایک؛وہ اپنے آپ کو اس بچے کے باپ کے طور رجسٹر کرائے۔دو؛بچے کی ماں اور وہ شخص ایک معاہدہ کریں جس کی رو سے ماں اس بات پر رضامند ہو کہ اس انسان کو والدین کی ذمہ داریاں دی جاسکتی ہیں۔تین؛عدالت حکم جاری کرے کہ اس انسان کو اس بچے کے حوالے سے والدین سے متعلقہ ذمہ داریاں دی جاتی ہیں۔اگر بچے کے ماں باپ دونوں نہ رہیں تو اس صورت میں یہ ذمہ داریاں اس انسان کی ہوں گی جو کسی بھی بچے کے نگہبان کے طور خود کو رجسٹر کرائے گا ۔والدین کے حقوق اور ذمہ داریاں کسی بھی لحاظ سے کلی یا جزوی طور پر منسوخ یا منتقل نہیں ہوسکتے۔اگرچہ انفرادی طور ان ذمہ داریوں کے حوالے کسی اور کو متعین کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں سے جان چھڑا گیا ہے کیونکہ والدین ہی بچے کے اصل ذمہ دار ہیں۔[1]

ریاست کی ذمہ داریاں:

جب بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو انہیں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں ہی سہی لیکن کوئی غلط فیصلہ کرسکتے ہیں۔ان سے متعلق فیصلہ کرنے کا یہ اختیار ان کے والدین، ان کے گارڈین، ان کے اساتذہ، معاشرتی فلاحی کارکنوں اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کو دے دیا جاتا ہے اور ان کو بھی یہ اختیار کس حد تک جاتا ہے اس کا فیصلہ حالات دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے[2]۔بچوں کے حقوق کے سلسلے میں حفاظت(Protection)،اہتمام (Provision)اور شراکت داری (Participation)کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔Protection سے مراد یہ ہے کہ بچوں کا یہ حق ہے کہ انہیں گالی، جھڑکنے، نظر انداز کرنے، امتیازی سلوک اور استحصال سے بچایا جائے۔کھیلنے کے ضمن میں بھی محفوظ جگہوں کا انتخاب کرنا والدین پر فرض ہے۔والدین پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ بچے کی مناسب اور بہتر تربیت کے لیے مثبت اور تعمیری رویہ اپنائیں۔Provision سے مراد ہے کہ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو رہنے کا مناسب ماحول فراہم کرے،انہیں صحت کی تمام تر سہولیات فراہم کرے ۔ان کی سیر و تفریح ، کھیل اور دیگر سہولیات کو یقینی بنایا جائے۔کھانے کے لیے انہیں متوازن غذا، سونے کے لیے آرام دہ بستر اور تعلیم کے تمام مواقع دیے جائیں۔جہاں تکParticipation کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ معاشرے میں ہونے والی تقریبات، پروگرام اور سیر و تفریح پر مشتمل سرگرمیوں میں شامل ہونا بچوں کا حق ہے اور اس کا اہتمام کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔یہ شراکت داری صرف ایسی تقریبات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں لائبریری، دوسرے ادبی پروگرام، معاشرتی فلاحی پروگرام اور دوسری سرگرمیاں بھی شامل ہیں۔ایسی تقریبات کی وجہ سے بچوں میں قوت فیصلہ میں اضافہ ہوتا ہے۔کچھ مفکرین

1 Children Act 1989". www.legislation.gov.uk. Expert Participation. Retrieved 18-02-17.

2 Lansdown, G. "Children's welfare and children's rights," in Hendrick,H. (2005) Child Welfar and Social Policy: An Essential Reader. The Policy Press. p. 117

اورداروں کے نزدیک ان کے علاوہ یہ بھی بچوں کا حق ہے کہ انہیں بولنے کی آزادی دی جائے، انہیں سوچنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے، انہیں کسی خوف میں گرفتار نہیں کرنا چاہیے، انہیں اپنی پسند حاصل کرنے کے لیے بھی مکمل آزادی دی جانی چاہیے اوراس کے ساتھ ساتھ انہیں فیصلہ کرنے میں کسی دباؤ کا شکار نہیں ہونے دیناچاہیے اورانہیں اپنے جسم کے استعمال میں بھی مکمل اختیار ہوناچاہیے[1]۔اقوام متحدہ کے عالمی کمیٹی برائے انسانی حقوق نے انسانی سول اور سیاسی حقوق کے ضمن میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ بچوں کے معاملے میں بھی کسی ظالمانہ، غیر انسانی اوررسوائی پر مبنی کسی بھی رویے کااپنانا مکمل ممنوع ہے۔رویے کے ساتھ ساتھ جسمانی سزا کی بھی مکمل ممانعت ہے۔[2]

حاصلِ کلام:

اس تمام تر بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اولاد، والدین اوران کے مابین حقوق وفرائض کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات اہمیت کے حامل ہیں۔اقوام متحدہ نے بچوں کے حقوق کے حوالے سے 2009میں ایک کنونشن کا اہتمام کیاجس کے مطابق بچوں اوروالدین کے حقوق کے بارے میں پیش ہونے والی سفارشات کو ان نکات کی صورت میں حتمی شکل دی گئی۔[3]

1۔ بچے کو اعلی تعلیم کامواقع مہیا کرنے چاہیے۔

2۔ ان کی تربیت کے لیے مناسب ماحول فراہم کرناچاہیے۔

3۔ انہیں تعلیم کے ساتھ دوسری ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھی شامل ہوناچاہیے۔

4۔ انہیں کسی بھی امتیازی رویے اور سلوک کا شکار نہیں بناناچاہیے۔

5۔ انہیں اپنے بارے میں، اپنی تعلیم کے بارے میں اوراپنی زندگی گزارنے کے سلسلے میں مکمل اختیار دیناچاہیے۔

6۔ انہیں جسمانی سزا نہیں دینی چاہیے۔

7۔ انہیں سونے کے لیے پرسکون ماحول فراہم کرناچاہیے۔

8۔ انہیں ایساماحول دیناچاہیے کہ وہ کسی بھی ظلم، زیادتی، جبری استحصال کا شکار نہ بننے پائیں۔

---

1 Calkins, C.F. (1972) "Reviewed Work: Children's Rights: Toward the Liberation of the Child by Paul Adams", Peabody Journal of Education. 49(4). p. 327.

2 U.N Human Rights Committee (1992)"General Comment No.20". P. 108

3 U.N Convention On The Rights of The Children, Committee On The Rights of The Children Fifth Session Geneva 12-30 January 2009, CRC/C/GC/11, Children Wellfare Society NY. vailable online on http://www.un.org/esa/socdev/unpfii/documents/CRC.GC.C.11_EN.pdf

9۔ انہیں نام دینا چاہیے لیکن اگر وہ بڑے ہو کر اپنا نام تبدیل کرنا چاہیں تو انہیں اس کا حق ہے اور والدین کو اس معاملے میں بخوشی ان کا ساتھ دینا چاہیے۔

10۔ انہیں ہر طرح کے منفی معاملات سے بچانا چاہیے۔

11۔ انہیں معاشرے میں ہونے والی مثبت سرگرمیوں کا حصہ بنانا چاہیے۔

12۔ انہیں اس وقت تک فیصلہ کرنے میں اختیار نہیں دینا چاہیے جب تک وہ مکمل عاقل بالغ نہیں ہو جاتے۔

13۔ انہیں اچھی اور متوازن خوراک مہیا کرنی چاہیے۔

14۔ انہیں زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق ہونا چاہیے۔

15۔ ان کی شخصیت کو نکھرنے اور مکمل ہونے کا بھی موقع دینا چاہیے۔

16۔ انہیں ان کی شناخت فراہم کی جائے۔

17۔ انہیں ہر ممکن حد تک ساتھ رکھا جائے تاکہ ان کی شخصیت میں ماں باپ کی دوری کی وجہ سے کوئی خلا نہ رہ جائے جو کسی طرح بھی ان پر منفی اثرات مرتب کرے۔

18۔ اگر والدین مختلف ممالک میں رہائش پذیر ہوں تو ان کے والدین کو آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ انہیں اپنے بچوں سے ملنے میں آسانی ہو۔

19۔ کسی بھی حکومت کو اس معاملے سخت اقدامات اٹھانے چاہیے کہ ان کے ممالک سے بچوں کو جبری طور کسی دوسرے ملک میں سمگل نہ کیا جائے۔

20۔ والدین جب بھی کوئی فیصلہ کر رہے ہوں تو اس بارے میں انہیں بچوں کی رائے بھی ضرور لینی چاہیے۔

21۔ بچوں کا یہ حق بھی ہے کہ انہیں گھر کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنی چاہیے۔

22۔ انہیں اپنے دین اور مذہب کے بارے میں بھی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔

23۔ انہیں مکمل تخلیہ بھی دینا چاہیے کہ بہت سے معاملات وہ دوسروں کے سامنے سرانجام نہیں دے سکتے۔

24۔ انہیں مختلف گھریلو ذمہ داریوں میں شریک ہونے کی رغبت دلائی جائے۔

25۔ معذور بچے انتہائی نگہداشت کے حقدار ہوتے ہیں جو انہیں ملنی چاہیے۔ انہیں کسی بھی ایسی سرگرمی کا حصہ نہیں بنانا چاہیے جو خطرناک ہو۔ بلکہ انہیں ایسی سرگرمیوں سے دور رکھنا چاہیے۔

26۔ جب انہیں کسی بھی قانونی مدد کی ضرورت ہو تو والدین کی ذمہ داری ہے کہ انہیں وہ مدد فراہم کریں۔

27۔ بچوں کے لیے ایسی کتابوں اور ایسی تعلیم کا بندوبست ہونا چاہیے کہ انہیں اپنے حقوق کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہوں تاکہ کوئی بھی ان کے حقوق پر ڈاکا نہ ڈال سکے۔

28۔ بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگ کی وجہ سے بچے کسی اور ملک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ایسی صورت وہاں ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے کہ انہیں کسی غیر ملک میں ہونے کا احساس ہو جس سے ان کی عزت نفس مجروح ہو۔

29۔ اگر ایسی صورت میں دوران ہجرت ان کے والدین مر جاتے ہیں اور کوئی انہیں گود لیتا ہے تو اسے بھی کسی ایسے رویے سے پرہیز کرنا چاہیے جو اس میں احساس کمتری کا جذبہ بیدار کرے۔ایسی صورت میں اگر انہیں کسی کیمپ میں رکھا جاتا ہے تو بھی کسی ایسی صورتحال سے بچنا چاہیے۔

30۔ اگر بچے کو نظر انداز کیا جائے یا انہیں کسی بھی وجہ سے زخمی کر دیا جاتا ہے یا وہ زخمی ہو جاتے ہیں تو بھی انہیں مدد فراہم کرنی چاہیے اور ان کا مناسب علاج ہونا چاہیے۔

31۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کو جنگ سے محفوظ رکھیں۔اس سلسلے میں والدین اور حکومتوں کو یہ اہتمام کرنا چاہیے کہ انہیں ایسے عالقوں سے دور رکھیں اور حکومتوں پر بھی پابندی ہے کہ وہ بچوں کو ہرگز جنگی مقاصد کے لئے فوج میں بھرتی نہ کریں۔

32۔ اگر کسی بھی بچے والدین سے دور رہائش رکھنے پر مجبور ہوں تو انہیں گھر کی طرح کی ماحول فراہم کرنا حکومت یا اس ادارے کی ذمہ داری ہے اور والدین کو اس سلسلے میں باقاعدہ باخبر ہونا چاہیے۔

33۔ اچھے لباس اور اچھی طرز بودوباش بھی بچوں کا حق ہے۔

34۔ اگر بچوں کے والدین کا معلوم نہ تو انہیں ایسی تمام سہولیات دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

35۔ بچوں کا حق ہے کہ وہ اپنی معلومات اور خیالات والدین کے ساتھ شیئر کر سکیں۔

36۔ ملکی اور دنیاوی معلومات تک رسائی کے لیے بچوں کو ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ تک مکمل رسائی دی جائے۔

37۔ انہیں اپنے دوست بنانے کا مکمل اختیار ہے اور وہ کسی بھی مذہب، کسی بھی گروہ اور کسی بھی معاشرتی سرگرمی کا حصہ بن سکتے ہیں۔

38۔ انہیں کوئی سی بھی ثقافت اپنانے کا حق حاصل ہے۔

39۔ تعلیم کے ساتھ مکمل آرام اور کھیل کود کے موقع فراہم کرنا حکومت اور والدین کی ذمہ داری ہے۔

40۔ ملکی قوانین بناتے وقت اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ کہیں کوئی ایسا قانون تو نہیں بن رہا جس سے بچوں کے حقوق کے سلسلے میں کوئی کمی واقع ہو رہی ہے۔

بچوں کو یہ تمام حقوق اٹھارہ سال کی عمر تک حاصل رہیں گے اوران کی فراہمی کے لیے بلا کسی نسلی، مذہبی، لسانی، ثقافتی اور جنسی تفریق کے کوشش کی جائے گی۔یعنی یہ حقوق تمام بچوں کو حاصل ہیں چاہے ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو، ان کی کوئی زبان ہو، ان کا رنگ کیسا بھی ہو، ان کا مذہب کوئی بھی ہو، ان کی ثقافت کوئی بھی ہو، ان کا تعلق کسی بھی خطے سے ہو، ان باتوں سے قطع نظر ان کو صرف بچوں کے نظر سے دیکھا جائے گا اوران حقوق کی فراہمی میں کسی بھی معاملے کو ملوث نہیں ہونے دیا جائے گا۔ تمام ممالک کی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کی فراہمی کے لیے مناسب اقدامات کریں۔

فصل چہارم

اسلام اور مغرب کے خانگی نظام کے امتیازات

فصل چہارم:

مسلم اور مغرب کے خانگی نظام کے امتیازات

مسلم خاندان کے امتیازات:

مسلمان خاندان کی اساس اسلام کے آفاقی اصولوں پر مبنی ہے۔اس کی اٹھان اسلامی تعلیمات سے ہوتی ہے اور مرنے تک کی رسومات میں اسلام کو عمل دخل ہے۔ اسلام نے ہر معاملے میں ایک ایسی بنیاد فراہم کی ہے جس کی رو سے ہر رشتے کو عزت نصیب ہوتی ہے۔ سوسائٹی کی بنیاد خاندان ہے اس لئے قرآن مجید نے خاندانی معاملات کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اس سے متعلق تمام معاملات کے ضمن میں واضح ہدایات دی ہیں۔خاندان شوہر اور بیوی کے پاکیزہ اور محبت سے بھرپور رشتہ سے وجود میں آتا ہے۔انسانیت کی ابتداء ہی آدم وحوا کے جوڑے سے ہوئی تھی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مرد اور ایک عورت اپنی آزادنہ رضامندی سے جب ساری زندگی اکٹھا رہنے کا عہد کرتے ہیں تو یہ دونوں رشتہ نکاح میں بندھ جاتے ہیں۔ یہ لازم ہے کہ ہر نکاح کا گواہوں کی موجودگی میں عام اعلان کیاجائے تاکہ سب لوگ یہ جان جائیں کہ ایک نیاجوڑاوجود میں آگیاہے۔اس رشتے کی سب سے بڑی غرض وغایت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے سکون واطمینان اور محبت کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ مسلم خاندان کے اہم امتیازات مندرجہ ذیل ہیں۔

زناسے بچاؤ:

اسلامی خاندان کاایک امتیاز یہ ہے کہ وہ نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ کر زنا سے دور ہو جاتاہے۔یعنی زناسے بچاؤاس کاایک امتیازہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾[1]

"خبردار زناکے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی براراستہ ہے"

مساوات انسانی اور نسل انسانی کی بقا:

اسلامی خاندان کاایک اہم امتیاز نسل انسانی کابقاہے۔مرد وعورت کے نکاح میں بندھ جانے کامقصود نسل انسانی کی بقاہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ حکمت بیان کی وہیں یہ بھی بتایا کہ سارے انسان ایک آدمی کی نسل سے ہیں،یوں اللہ تعالیٰ نے خاندان کو جہاں مساوات کاعلامت قرار دیاوہیں اسے نسل انسانی کی بقاکاضامن بھی ٹھہرایا۔اللہ تعالیٰ کافرمان ہے؛

---

1 بنی اسرائیل:17/ 32

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[1]

"اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مدد مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے"

نکاح سنت انبیاء علیہم السلام:

مسلم خاندان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں نکاح کو صرف معاشرتی سرگرمی کے طور پر نہیں لیا جاتا جس میں مرد کو عورت کی صورت میں کام کاج کے لیے کوئی سہارا مل جائے گا یا اس کے جبلی جذبے کی تسکین ہو جائے گی بلکہ اسلام نے اسے انبیاء کی سنت قرار دیا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی جانب رغبت دلائی ہے۔ اس لحاظ سے جہاں ایک شادی کی صورت میں تمام تر فوائد کا حصول ممکن ہوتا ہے وہیں اسے اللہ کی برگزیدہ ہستیوں کی سنت قرار دے کر اسے انسان کی نظر میں باعث ثواب اور ایک قابل قدر سرگرمی کا رتبہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے؛

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾[2]

"اور (اے رسول!) بیشک ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لئے بیویاں (بھی) بنائیں اور اولاد (بھی)، اور کسی رسول کا یہ کام نہیں کہ وہ نشانی لے آئے مگر اللہ کے حکم سے، ہر ایک میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے"

تعلقات کی شرعی بنیاد:

اسلام کے خاندانی نظام کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس کے تعلقات کی حلال بنیادوں پر استواری ہے۔ اسلام ہر امر میں حرام سے منع کرتا ہے۔ اس کی تمام تر تعلیمات کی اٹھان حلال سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم ہوتی ہے۔ خاندان کے معاملے میں بھی اسلام

1 النساء:1/4

2 الرعد:38/13

حلال ہی کی ترغیب دیتا ہے اور اسی صورت میں انسان کو معاشرے میں ایک معزز پہچان نصیب ہوتی ہے۔ اس تعلق کے علاوہ باقی عورتیں انسان کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؛

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾[1]

"جو عورتیں تم پر حرام کی گئی ہیں ان کے سوا باقی سب عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔ اس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان کے طالب بنو۔ ان کو قید نکاح میں لے کر، نہ کہ بدکاری کے طور پر۔ پس ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو تو ان کو ان کے مہر دو، فرض کی حیثیت سے۔ مہر کے ٹھہرانے کے بعد جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے"

دین کی ترجیح:

اسلامی خاندان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ حسن، جاہ و جلال، مال و ثروت اور کسی بھی دوسرے دینی منصب کی بجائے خاندان کی بنیاد کے طور پر دین کو پہلے ترجیح قرار دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی عورت سے اس کے مال، اس کی خوبصورتی، اس کے حسب نسب یا اس کے مال کی وجہ سے نکاح کیا جا سکتا ہے لیکن اس معاملے میں سب سے بہتر وجہ دین ہے[2]۔ مال، حسب نسب اور خوبصورتی پر دین کو ترجیح دینا اسلامی خاندان کا ہی امتیاز ہے۔

نیک اولاد کی تمنا:

اسلامی خاندان کا ایک طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ صرف اولاد کے حصول کی طرف راغب نہیں کرتا بلکہ انسان کو انہیں ایک مفید اور نافع انسان بنانے کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اسلامی خاندان کا امتیاز ہے کہ معاشرے کو مفید، نیک، پارسا اور ایماندار افراد مہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جانب ہدایت دیتے ہوئے یوں فرمایا؛

﴿لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾[3]

---

1 النساء:4/24

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، حدیث:5090

3 الاعراف:7/189

"تو نے ہم کو صحیح وسالم اور نیک اولاد دے دی تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے"۔

گویا اسلام کی نظر میں صرف اولاد کا حصول اہم نہیں بلکہ ایسی اولاد کا حصول اہم ہے جو نیک اور صالح اولاد ہو اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے امت کو آداب سکھائے کہ جب بھی اولاد کی دعا مانگو تو اولاد صالح کی دعا مانگو اور جب اولاد مل جائے تو اس کو صالح اور نیک بنانے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑو۔

باہمی محبت:

اسلام کے خاندانی نظام صرف سفلی جذبے یا جبلت کی تسکین ہی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اس تعلق کی بنیاد پر بھی ایک واضح مقصد کا نام ہے اور اس کی تعمیل کے لیے سرگرداں ہے۔ اسلامی خاندانی نظام کا یہ امتیاز ہے کہ وہ کسی خواہش کے تحت یا وقتی تسکین کے لیے افراد کے اکٹھا ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ان تعلقات کا مقصد جہاں تسکین ہے وہیں باہمی محبت بھی ہے اور اس محبت اور تسکین دونوں کی بنیاد نکاح جیسے مقدس بندھن سے جڑی ہے۔ قرآن مجید اس سلسلے میں یوں گویا ہے؛

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾[1]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر اچانک تم بشر ہو، جو پھیل رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھی سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کی طرف (جاکر) آرام پاؤ اور اس نے تمھارے درمیان دوستی اور مہربانی رکھ دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقینا بہت سی نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں"

رازداری:

ایک مسلم خاندان کا یہ بھی امتیاز ہے کہ وہ کسی صورت بھی رازداری کو ہاتھ سے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ میاں بیوی کے تعقات کو صرف اولاد یا تسکین کے حصول کا ذریعہ ہی قرار نہیں دیتا بلکہ اس ضمن میں تمام معاملات میں رازداری کو بھی مشروط قرار دیتا ہے۔ یہ رازداری صرف تعلقات کے قیام سے ہی مشروط نہیں ہے بلکہ تعلقات قائم نہ رہنے کی صورت میں اسے قائم رکھنا چاہیے۔ میاں بیوی دونوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے تعلقات میں رازداری کو یقینی بنائیں۔ ایسا کرنے والوں کو قرآن مجید میں مقام مدح میں ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے؛

---

1 الروم:21/30

﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾[1]

"پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اپنے شوہروں کی فرماں بردار اوران کے رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ خدا نے بھی رازوں کی حفاظت فرمائی ہے"

لہذا اسلام نے تعلقات کے سلسلے میں بھی پاکیزگی اور رازداری کی اہمیت کو بیان کیا۔

نکاح باعث سعادت:

ایک مسلم خاندان کا یہ بھی طرہ امتیاز ہے کہ نکاح یا خاندان کو ایک بوجھ سے تعبیر نہیں کرتا بلکہ اسے سعادت اورانبیاء کی سنت سمجھتا ہے۔اسلام نے اس ضمن میں یہ واضح ہدایت کی ہے کہ خاندان ایک بوجھ نہیں ہے بلکہ یہ فقر کی دوری اور غنا کا ایک راستہ بھی ہے۔اگر انسان کے ذہن میں خیال آئے کہ نکاح سے غربت کیسے دور ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[2]

"اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو جو بغیر ازدواجی زندگی کے ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو)، اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے"

اسلام کے خاندانی نظام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے وہ میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں مثبت سمت کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ یعنی مرد کو عورت کے معاملے میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ ہمیشہ مثبت پہلو کو سامنے رکھے۔عورت کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی بجائے اسے اس کا حق تسلیم کرے۔سوائے بدچلنی کے کسی صورت اسے اپنے سے جدا کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے۔مثبت پہلو کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾[3]

---

1 النساء:34/4

2 النور:32/24

3 النساء:19/4

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ عورتوں کا مال کمانے کے لئے زبردستی ان کے وارث بن بیٹھو۔ تمہارے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ عورتوں کو تنگ کر کے اس مال کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی صریح بد چلنی (زنا) کی مرتکب ہوں۔ عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو"

ایثار کی دولت:

اسلام کے خاندانی نظام کا ایک امتیاز یہ ہے کہ کشیدگی کے لمحات میں بھی احسان اور ایثار کو ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کی تعلیمات صرف ایک پورے اور مکمل خاندان کے لیے ہی نہیں ہیں بلکہ اگر خاندان مکمل ہونے سے پہلے یا خاص تعلقات کے جڑنے سے پہلے ٹوٹ جاتا ہے تو اس صورت میں احسان اور ایثار کی تعلیمات دی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے؛

﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[1]

"اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دی درآنحالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو اس مہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے سوائے اس کے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کر دے اور (اے مردو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے، اور (کشیدگی کے ان لمحات میں بھی) آپس میں احسان کرنا نہ بھولا کرو، بیشک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے"

صلح جوئی:

اسلام خاندان کے سلسلے میں صلح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لڑائی جھگڑا ہونا اتنی بڑی بات نہیں جتنی بڑی بات اس جھگڑے کو بڑھانا اور اس کے نتیجے میں جدائی اختیار کر لینا یا کسی سنگین پہلو کا انتخاب کر لینا ہے۔ لڑائی جھگڑے کی صورت میں بھی اسلام کسی انتہائی صورت پر جانے کی بجائے صلح کا درس دیتا ہے اور اس معاملے میں کسی ایسے تیسرے شخص کو کردار ادا کرنے کی جانب رغبت دلاتا ہے جس پر دونوں کا اتفاق ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے؛

---

1 البقرہ:237/2

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾[1]

"اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک نمائندہ مرد کے لوگوں میں سے مقرر کرو اور ایک نمائندہ عورت کے لوگوں میں سے۔ اگر دونوں (میاں بیوی) اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ علم والا اور باخبر ہے"

کتابیہ عورت سے شادی:

اسلامی نظام خاندان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں کسی بھی پاکدامن اور نیک اہل کتاب عورت سے بھی شادی کی اجازت دیتا ہے۔ خوبصورتی انسان کی کمزوری ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کوئی عورت پسند آجائے لیکن اس معاملے میں مذہبی رکاوٹ کھڑی ہو جائے۔ اس صورت میں بسااوقات انسان کے بدمذہب بننے کی راہ بھی ہموار ہو جاتی ہے۔ ان قباحتوں سے بچنے کے لیے اسلام نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ کسی بھی اہل کتاب سے شادی کر سکتا ہے لیکن اس معاملے میں نیت کا صاف ہونا ضروری ہے اور حق مہر ادا کرنا بھی۔ یعنی اس کا مقصود صرف خواہشات نفسانیہ نہ ہوں بلکہ وہ ایک خالص نیت کے ساتھ اس کے ساتھ مخلص ہو کر تعلقات بنائے اور ان تعلقات کو خاندان کا مقدس روپ بھی عطا کرے۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح ہدایت فرمائی ہے؛

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[2]

"اب تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں ۔ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور شریف عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ میں سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو۔ نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو"

---

1 النساء:35/4

2 المائدہ:5/5

غیر مسلم مرد سے شادی:

اسلامی خاندان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں کسی بھی مسلمان عورت کو کسی غیر مسلم مرد سے شادی کی اجازت نہیں دیتا۔اس معاملے میں اس کی تعلیم یہی کہ ایسا رشتہ کسی صورت حلال نہیں ہے نہ تو مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال ہے اور نہ ہی کافر مرد کسی مومن عورت کے لیے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے؛

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾[1]

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں اچھی طرح جانچ لیا کرو، اللہ اُن کے ایمان سے خوب آگاہ ہے، پھر اگر تمہیں اُن کے مومن ہونے کا یقین ہو جائے تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ بھیجو، نہ یہ (مومنات) اُن (کافروں) کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ (کفّار) اِن (مومن عورتوں) کے لئے حلال ہیں"۔

مغربی خاندانی نظام کے امتیازات:

اگر مغربی مفکرین کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو وہاں مختلف قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔کوئی کتاب مقدس کی روایت کے ساتھ جڑا نظر آتا ہے تو کوئی جدید قسم کے نظریات کا حامی ہے۔مغرب کا روایتی خاندان اب دم توڑ رہا ہے اور اس کی جگہ انسانی حقوق کے نام پر عورت کو ارزاں کر دیا گیا بلکہ اسے کمرشل کا درجہ دے دیا گیا ہے۔انسانی حقوق اور آزادی کے نام پر آزادانہ مرضی سے جنسی تعلقات قائم کرنے کے لئے باضابطہ قانون سازی کر کے اس تعلق کو قانونی و آئینی تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے۔اہم وہ آزادی کے نام پر اہل مغرب جو کچھ کریں لیکن پھر بھی خاندان کے حوالے سے ان کی سوچ مثبت ہے اگر چہ وہ عملی زندگی میں نظر نہ ہی آئے۔ذیل میں ان خصوصیات کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

ذاتی گھر:

“Why is it that families like to own the house? It would make them feel secure; they would not be uncertain as to whether they would have a house”[2]

1 المتحنۃ:60/ 10

2 Walter L. Sheldon, Duties In The Home and The Family, W. M. Welch Company Chicago 1904, P.40

"خاندان اپنا ذاتی گھر ہونا کیوں پسند کرتے ہیں؟ اس لیے کیونکہ وہ ذاتی گھر میں خود کو اور زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں اور اس لیے کسی خاندان کو اس معاملے میں غیر یقینی کیفیت کا شکار نہیں ہونا چاہیے"۔
ان کے نزدیک خاندان کا اپنا گھر ہونا اہم اور ضروری ہے۔

بچوں کی بالغ افراد سے دوری:

مغرب میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے کہ بچے چھوٹی عمر میں بڑوں سے اتنا زیادہ صحبت پسند نہ ہو جائیں کہ جس سے مختلف مسائل کا پیدا ہونا یقینی ہو جائے۔ اس سلسلے میں ایک سروے کیا گیا جس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ مختلف خاندان جب سیر و تفریح کے لیے نکلے اور ان کے ساتھ بچے بھی شامل تھے۔ سیر و تفریح کے دوران ان بچوں کی بالغ افراد سے دوستی ہوئی اور وہ آپس میں گھل مل گئے لیکن اس سے بعد ازاں والدین کو مختلف مسائل کا شکار ہونا پڑا۔ اس ضمن میں حکومتی سطح پر باقاعدہ ایک کتابچہ جاری کیا گیا جس میں یہ ہدایت دی گئی کہ؛

"The family groups and families with children were predominated users of the camp-site. Campground that offer opportunities for a variety of activities are needed. The mixture of children and adults creates problem". (1)

"مختلف خاندان ایک گروہ کی شکل میں یا اکیلے ہی مختلف پکنک مقامات پر جاتے ہیں اور اس سلسلے میں کیمپ والوں کی طرف سے انہیں مختلف سہولیات بھی پیش کی جاتی ہیں لیکن اس سلسلے میں بالغ افراد کا بچوں کے ساتھ گھل مل جانا مختلف مسائل پیدا کرتا ہے"۔

شادی کا تصور:

اگرچہ مغرب میں اب شادی کے بغیر بھی اکٹھے رہنے کا ماحول پروان چڑھ رہا ہے اور اس سلسلے میں ان پر کوئی قانونی قدغن بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ہاں کسی شادی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ مرد اور عورت کو شادی کے بعد ہی میاں بیوی کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اس بات کا مغرب کے ہاں امتیاز کا درجہ حاصل ہے۔ والٹر کہتا ہے؛

"They have been united in marriage and it is that has made them husband and wife to each other what led them to want marry each other? Why did they not prefer to remain in their

1 David A. King, Characteristics of Family Campers, Forest Services U.s Department of Agriculture Michigan 1965. P. 2

home where they has been children? They must have loved each other"[1]

"وہ شادی کے ذریعے ہی اکٹھے ہوتے ہیں اور یہ شادی ہی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے نزدیک میاں بیوی کا درجہ پاتے ہیں اور یہی چیز انہیں شادی پر اکساتی ہے۔ آخر انہوں نے اس گھر میں رہنے کو کیوں ترجیح دی جس میں ان کا بچپن گزرا ہے وہ یقینا ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوئے"

صبر و تحمل:

مغربی خاندان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے وہاں خاندان کا ایک سربراہ بھی تصور کیا جاتا ہے اور اس سے مختلف معاملات میں صبر کی بھی توقع کی جاتی ہے۔ اس معاملے میں ان کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ ایک خاندان کے سربراہ کو مختلف افراد کی سربراہی کرنی ہوتی ہے اور افراد کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات مختلف معاملات میں چپقلش پیدا ہو جاتی ہے اس صورت میں اگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے تو مسائل سے بچا جا سکتا ہے؛

"As the head of the family, you must expect to meet with provocation, and to find your patience continually called to the proof; but you are utterly unfit to command others, if you cannot command yourself; and that is a lesson which ought to have been previously learned".[2]

"ایک خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے تمہیں بسا اوقات طیش کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایسی صورت میں تمہیں اس چیز کی مسلسل ضرورت پڑے گی جسے صبر کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ سبق بہر حال سیکھنے کا ہے کہ جو بندہ اپنے آپ کو قابو نہیں کر سکتا وہ دوسروں کو بالکل بھی قابو نہیں کر سکتا"۔

عزت نفس کا احساس:

مسلم خاندان کی طرح مغربی خاندان کا بھی یہ امتیاز ہے کہ اس میں بچوں کی ساتھ ایسا سلوک اپنانے کی اجازت نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ والدین بچوں کی زندگی کے مالک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ بچوں کو تربیت کے معاملے میں روک ٹوک یا ان کی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بات مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ ان کی جان لینے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی انہیں غلاموں کی طرح رکھنا مناسب ہے۔

---

1 Walter L. Sheldon, Duties In The Home and The Family, P.210

2 Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of a Wife, A Mother, and A of A Family, Wells and Lilly Court-Street Press 1820. P. 16

"We imply that no persons, even a father or mother, might act as if they owned the lives of their children"[1]

"ہم یہ نتائج اخذ کرتے ہیں کہ کوئی بھی انسان چاہے ماں ہو یا باپ اسے اس طرح کا رویہ نہیں اپنانا چاہیے جیسے وہ بچوں کی زندگیوں کا مالک ہے"

پاکیزہ ماحول:

اگرچہ مغربی خاندان اور وہاں کی تہذیب میں غیرت اور حیا کا جنازہ نکل چکا ہے لیکن اس کے باوجود اب بھی یہ تصور موجود ہے کہ ایک اچھے خاندان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ بچے کو خالص اور پاکیزہ ماحول دے۔ کہا جا سکتا ہے کہ پاکیزہ ماحول سے ان کی مراد دینی پاکیزگی نہیں ہو گی بلکہ معاشرتی پاکیزگی ہو گی جس کی رو سے انہیں معاشرے کا مفید اور قانون کی پاسداری کرنے والا شہری بنایا جا سکے لیکن بہر حال پاکیزہ ماحول کی فراہمی مغربی خاندان کا امتیازی وصف ہے۔

"I would hope better things for you, and that to deserve and ensure the affection of your family is the virtuous satisfaction at which you continually aim".[2]

"میں تمھارے لئے بہتر چیزوں کی توقع رکھتا ہوں اور وہ یہ کہ خاندانی محبت کو یقینی بنائیں اور اس کے مستحق ٹھہریں یہ ایک ایسی پاکیزہ تسکین ہے جو آپ کا مسلسل مطمع نظر ہو"

علیحدہ کمرے:

اہل مغرب کے نزدیک افراد خانہ کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے لازمی اور ضروری ہیں جہاں وہ آسانی کے ساتھ بغیر دوسروں کی مداخلت کے زندگی بسر کر سکیں۔ اسی لئے ان کے نزدیک پر سکون خاندان وہی ہوتا ہے جس میں افراد خانہ الگ الگ کمروں میں سہولت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

"In the majority of homes there are apartments which would not be regarded quite as living rooms and not be occupied by all the members of the family indiscriminately. In a comfortable home, probably not more than two persons,

1 Walter L. Sheldon, Duties In The Home and The Family, P.264
2 Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of A Wife, A Mother, and A A Family, P.16

unless it happens to be a little child, who could sleep in a cradle or cot" [1]

"زیادہ تر گھروں میں ایسے کمرے ہوتے ہیں جن کو رہنے کے اعتبار سے الگ کمرہ نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ایسا ہے کہ وہ کمرہ خاندان کے تمام افراد کا مشترکہ کمرہ ہو۔ ایک پر سکون گھر میں دو سے زیادہ لوگوں کے ایک کمرے میں رہنے کا تصور نہیں ہے مگر ایک چھوٹا بچہ جو جھولے یا چھوٹی چارپائی پر لیٹا ہو"

خاندان کو وقت دینا:

مسلم خاندان کی طرح مغربی خاندان کا بھی یہ امتیازی وصف ہے کہ وہاں خاندان کو وقت دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یعنی کچھ وقت خاندان کے ساتھ گزارنا چاہیے تاکہ ان کے مسائل کا اندازہ ہو سکے اور خاندان والے خصوصاً بچے ماں یا باپ سے اجنبیت محسوس نہ کریں۔ وقت نہ دینے کی وجہ سے پیدا ہونے والی دوری کئی مسائل کو جنم دیتی ہے۔

"The time of every individual ought to be precious; with the mistress of a family it is peculiarly so; and a proper adjustment of this cannot be too forcibly inculcated". [2]

"ہر فرد کے لئے وقت بہت قیمتی ہوتا ہے اور گھر والی کے ساتھ یہ اور بھی قیمتی ہو جاتا ہے اور اس کو باقاعدہ مقرر کر کے (خاندان کے ساتھ گزارنا) کسی صورت بھی زبردستی نہیں ہونا چاہیے"

رازداری:

مغربی خاندانی نظام کے امتیازات میں ایک اہم امر رازداری بھی ہے۔ چاہے اس کے مقاصد کچھ بھی ہوں لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں اس کو بھی اہمیت دی جاتی ہے جیسے کہ Abbot نے کہا کہ؛

"Some people seem to make it their employment to go about, from house to house, to find out the calamities of their neighbors, only to have the pleasure of carrying the news to the next house they go to". [3]

---

1 Walter L. Sheldon, Duties In The Home and The Family, P.354

2 Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of A Wife, A Mother, and A A Family, P.31

3 G. D. Abbot, The Family At Home with an introductory notice, P.237

"کچھ لوگوں نے اس چیز کو اپنا وطیرہ بنا لیا ہے کہ گھر گھر جائیں اور آس پڑوس کی خبریں، پریشانیاں اور حالات معلوم کریں اور پھر دوسرے گھروں میں جائیں تاکہ پہلے گھروں سے لی ہوئی خبریں وہاں پہنچائیں اور یہ چیز ان کو تسکین دیتی ہے"

اخلاص اور محبت:

مسلم خاندان کی طرح مغربی خاندان بھی یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وہاں خلوص اور محبت کا جذبہ پایا جائے۔ اس سلسلے میں ان کی تعلیمات کا بھی نچوڑ یہی ہے کہ بچوں اور خاندان کی ضرورت رکھنے میں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے جہاں والدین کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے وہیں بچوں کے دلوں میں والدین کی بے لوث تصویر ابھرتی ہے۔

"You assume that sometimes one should actually do work for another without expecting pay for it? But now when a man does that, when he really performs some work for another without looking for any return. What do we call it? Being kind?"(1)

"کیا تم یہ تصور بھی کرسکتے ہو کہ کوئی کسی کے لیے کسی معاوضے کی توقع کیے بنا اس کے لیے کام کرے؟ لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے اور وہ واقعی کسی معاوضے کی لالچ کے بنا یہ سارے کام کسی لیے کرتا ہے تو اسے ایک مہربان کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟"

خاندانی حیثیت:

مغربی خاندان کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ وہ خود کو ایک ایسی حیثیت میں دیکھنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے اس سے جڑے کسی فرد کو کہیں بھی اس کی وجہ سے ہزیمت کا سامنانہ کرنا پڑے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ اگر والدین خراب ہوں یا معاشرے میں ان کی کوئی عزت نہ ہو تو یہ چیز معاشرے میں بچے کے لیے ندامت کا باعث بنتی ہے اور اسے اس کے والدین کے کسی جرم یا حرکت کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بننا پڑتا ہے جو بچے کے کردار میں مختلف طرح کی پیچیدگیاں پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اس لیے مغرب میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے کہ خاندان کی وجہ سے بچے کو کسی مقام پر شرمندگی کا سامنانہ کرنا پڑے۔ ان مسائل کا زیادہ تر تعلق تعلیمی دور سے ہوتا ہے۔

"The second most influential factor in affecting college attendance is the status of the family" (2)

---

1 Walter L. Sheldon, Duties In The Home and The Family, P.402
2 Mark Holland Smith, Family Characteristics, Social Capital and College Attendance, Universityof Florida 1993, P.30

"بچے کی سکول میں حاضری کا دوسرا بڑا موٴثر عنصر خاندان کی حیثیت ہے"
اس لئے ان کے نزدیک بچہ اگر سکول میں حاضر ہو رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا خاندان اچھا اور مہذب ہے۔

حقوق و فرائض کا تعین:

ایک اچھے مغربی گھرانے کا یہ بھی امتیازی وصف ہے کہ اس میں ہر کسی کا اپنا کام ہو تا ہے۔ وہ ان متعلقہ کاموں میں انجام دہی کے سلسلے میں باقاعدہ ہو تا ہے۔ یعنی ہر انسان اپنے حقوق کے سلسلے میں بھی خبر دار ہو تا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں بھی بے قاعدگی نہیں کرتا۔

"Everything went on as regular as clock-work, every person in the house had his or her regularly-appointed duties, and allotted times for performing them" (1)

"ہر چیز گھڑی کی طرح باقاعدہ ہوتی ہے۔ یعنی گھرانے میں موجود ہر شخص کے اپنے اپنے کام ہوتے ہیں اور اس نے ان کی بجا آوری کے لیے ایک وقت بھی مخصوص کر رکھا ہوتا ہے"

رکھ رکھاؤ اور بچوں کی تربیت:

مغربی خاندانی نظام میں رکھ رکھاؤ اور بچوں کی تربیت کی طرف بھی پورا دھیان رکھنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ مستقبل میں کسی بھی پریشانی سے بچا جا سکے اور انہیں معاشرے کا ایک مفید فرد بنایا جا سکے۔ اس ضمن میں جہاں انہیں ایک طرف قانون کی پاسداری کا درس دیا جاتا ہے وہیں انہیں دوسری طرف یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ معاشرے میں زندگی کیسے بسر کرنی ہے؟ کسی بھی محفل کے آداب کیا ہیں اور وہاں کس طرح کا رویہ ہونا چاہیے؟

"How many family misfortunes are fairly attributable to the love of dress? How many might be obviated if this destructive passion were nipped in the bud! If the children were early taught the original use of clothing and were contented with keeping them clean and warm". (2)

---

1 G. D. Abbot, The Family At Home with an introductory notice, William Peirce Boston 1834, P.49

2 Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of A Wife, A Mother, and A A Family, P.52-53

"کتنے خاندانوں کی تباہی صرف لباس کی محبت کی جانب منسوب کی گئی ہے اور کتنے ہی ایسے خاندان ہیں جو اس بری عادت کو جڑ سے ختم کرنے کی وجہ سے بچ گئے ہیں! کاش کہ بچوں کو بچپن میں ہی اس بات کی تربیت دے دی جائے کہ کپڑوں کو کیسے استعمال کرنا ہے اور انہیں صاف ستھرا رکھنے پر قانع رہیں!"

باہمی عزت:

مسلم خاندان کی طرح مغربی خاندان کا بھی یہ امتیازی وصف ہے کہ عزت نفس کو خصوصی اہمیت دی جائے۔ اس ضمن میں ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ معاشرے میں اس پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے لیکن لوگوں نے اسے اس قدر اختیار نہیں کیا جس قدر اس کی ضرورت تھی۔ وہ اسے تمام خرابیوں کی جڑ کہتے ہیں۔

"On these subjects much advice is given, and very little taken. If asked at all, it is generally not until the mind is made up, the affections engaged, and perhaps the honor pledged". (1)

"اس طرح کے موضوعات پر بہت ہی نصیحت کی گئی لیکن سبق بہت تھوڑا حاصل کیا گیا۔ اگر پوچھا جائے کہ اس کی کیا وجہ ہے تو عموما یہی ہے کہ اس کے لیے ذہن کی تیاری اور توجہ کی مبذولی چاہیے اور وہ بنیادی بات یہی ہے کہ عزت دی جائے"

حوصلہ افزائی:

مغربی خاندان کی ایک امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں بچے پر خصوصی توجہ دینے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ والدین میں اگر کسی بات پر ناراضگی بھی ہو تو بھی اس کا اظہار بچے کے سامنے نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی خوشگوار کیفیت کا اس کے سامنے برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ مزاج کی خوشگواری بچے کے اعتماد اور اس کے حوصلے میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

"From habits of integrally and proper feeling, a child may be relied upon, the happy effects of family confidence will soon appear: they will take an early interest in family concerns" (2)

1 G. D. Abbot, The Family At Home with an introductory notice, P.135

2 Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of A Wife, A Mother, and A A Family , P.68

"با قاعدہ توجہ اوراحساس کے ساتھ بچے کے اعتماد کو تقویت دیتے ہیں اور خاندان کے خوشگوار اعتماد کے اثرات جلد ہی بچے کی طبیعت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور یہ بات خاندان کے لیے مفید امر ہے کہ وہ خاندانی معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں"۔

اچھی ماں اچھی قوم:

اہل مغرب کے نزدیک بھی ایک اچھی ماں ہی معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے کیونکہ جب وہ اپنی اولاد کی تربیت اچھے اصولوں پہ کرے گی تو وہ بچے معاشرے کا اچھا رکن بن کر ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کریں گے۔

"میں کبھی سوچتا ہوں کہ ماں کی اچھی توجہ کے باعث بہت سے بچوں کی زندگیاں تباہ ہونے سے بچائی جاسکتی ہیں اور اسی طرح بچوں کی مناسب تربیت کرکے انہیں والدین کے لیے بھی سکون کا باعث اور معاشرے کے لیے بھی مفید بنایا جاسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت سے بچوں کی زندگیاں صرف اس لیے تباہ ہو جاتی ہیں کیونکہ انہیں بچپن میں توجہ نہیں ملتی ۔والدین کے اس عدم توجہی کی وجہ سے کچھ بچے بڑے تو ہو جاتے ہیں لیکن وہ معاشرے کے ایسے برے کردار بن جاتے ہیں کہ کہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ کاش یہ بچے پیدا ہی نہ ہوتے "[1]

بے تکلفی:

مسلم خاندان کی مغربی خاندان کا بھی یہ امتیاز ہے کہ والدین کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ بچوں کے ساتھ بے تکلفی کا رویہ اپنانا چاہیے۔ لیکن یہ رویہ اس قدر نہیں بڑھنا چاہیے کہ بچوں کے دلوں میں سے والدین کا رعب اوران کا احترام ختم ہو جائے اور نہ ہی اس قدر ہونا چاہیے کہ میاں بیوی کے راز ان کے سامنے عیاں ہو جائیں۔ مشہور ماہر نفسیات اور معاشرتی دانشور مسز ٹیلر ایک تحقیق کے نتائج اخذ کرتے ہوئے کہتی ہیں؛

> "Frankness produces frankness, one of the most pleasing qualities of the human heart; and this, family secrets and family parties have a continual tendency to repress: so that children who have been brought up under this system, generally acquire an unamiable cast of character through life"[2]

---

1 G. D. Abbot, The Family At Home with an introductory notice, P.141

2 Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of A Wife, A Mother, and A A Family, P. 68

"بے تکلفی آخر کار بے تکلفی ہی پیدا کرتی ہے اور یہ انسانی دل کی سب سے خوشگوار خصوصیت بھی ہے لیکن کچھ اگر اس کی وجہ سے خاندانی راز اور پارٹیاں اسی طرح جاری رہیں تو اس قسم کے ماحول میں پروان چڑھنے والے بچے عموماً پوری زندگی ناخوشگوار کردار بن کر رہ جاتے ہیں"

تعاون اور خیر خواہی:

"It is a remark, which I have often heard addressed both to fellow-servants and to the members of a family in general, "Know your own places, but be always willing to help one another:" these two rules will do much promote family order and harmony" (1)

"یہ ایک مشاہدے کی بات ہے۔ میں نے اسے خاندان کے داخلی اور خارجی دونوں افراد کو کہتے ہوئے پایا ہے کہ "اپنے مقام یا اپنی اوقات کو مد نظر رکھو لیکن دوسروں کی مدد کے بھی خواہش مند رہو" یہ دو اصول کسی بھی خاندان کی ترقی اور اسکی ہم آہنگی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں"

صحت مند اور عزت مند خاندان کے امتیازات:

Phylis Lan Lin کے مطابق ایک خوش و خرم، ذہنی و جسمانی اعتبار سے صحت مند اور عزت مند خاندان کے میں مندرجہ ذیل چھ امتیازات لازمی پائے جاتے ہیں

1۔ وابستگی(Commitment)

2۔ یکجانیت(Togetherness)

3۔ عمل تحسین(Appreciation)

4۔ بہترین تبادلہ خیال(Good Communication)

5۔ روحانیت(Spiritual Well-Being)

6۔ ہنگامی حالات مین قوت مدافعت(Coping with Crisis and Stress)۔ (2)

یہ اہل مغرب کے نزدیک وہ امتیازات ہیں جو اس خاندانی نظام کو یکجا رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

---

1 G. D. Abbot, The Family At Home with an introductory notice, P.187

2 Phylis Lin Lan, Characteristics of A Healthy Family, University of Indianapolis Press N.Y 1930. P.9-22

خلاصہ باب:

اسلام خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے کیونکہ وہ معاشرتی اکائی ہے اور اولاد آدم کے سلسلہ نسب کی پاکیزگی اور بقاکا بھی ضامن ہے۔ انسان کی اولاد، اس کے ماں باپ، بہن بھائی اور دیگر خونی رشتہ دار اس کا خاندان کہلاتے ہیں۔ اسلام والدین پر احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور ساتھ ہی قریبی رشتہ داروں پر بھی، اس کے علاوہ اسلام قریبی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ خاندان دکھ سکھ میں اپنی افراد کے لیے سہارا ہوتا ہے۔ یہاں تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ حقوق و فرائض کی ڈوری میں بندھے ہوتے ہیں۔ خاندان چونکہ معاشرے کی اکائی ہے لہٰذا معاشرے کے سکون، امن اور اقدار کے لیے خاندان کی اچھی نہج پر تربیت بہت ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سربراہ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خاندان کی تربیت ایسے اصولوں پر کرے کہ افراد میں اخلاقی، معاشی اور معاشرتی مضبوطی پیدا ہو اور وہ بڑے ہو کر معاشرے کے ایسے قابل رشک افراد بنیں جو اپنے دین اور دنیا میں فلاح کو اپنا مطمع نظر بنائیں۔ اسلام میں خاندان کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ حقوق و فرائض کے لازمی رشتے سے استوار ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی، بیوی شوہر یا دیگر رشتہ دار، ہر ایک کے دوسرے پر حقوق بھی ہیں اور مقابلے میں فرائض بھی لاگو ہوتے ہیں۔ خاندان میں باہمی حقوق کے حوالے سے ماں باپ، اولاد اور میاں بیوی کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی روشنی میں برتاؤ کرنے کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے جو اسلام کی نظر میں ایک اچھی چیز ہے۔ لیکن اگر انسان ان رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرے تو اس کو قطع رحمی کہا جاتا ہے جس کی اسلام میں حوصلہ شکنی کی گئی اور اس کی مذمت اور سزا بھی بیان کی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے قریبی رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حقوق اچھی طرح ادا کرتا رہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہے گا تو ایک خوشحال اور پر امن معاشرہ تشکیل پائے گا اور خاندانی نظام بھی مضبوط ہو گا، اس کے برعکس اگر معاملہ کرے گا تو خاندانی نظام کمزور ہو گا اور معاشرہ بھی بدحالی کا شکار ہو گا کیوں کہ ایک معاشرہ مختلف خاندانوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ مغرب میں اولاد کو آزادی کے نام پر والدین کا نافرمان بنایا جاتا ہے۔ اولاد کسی بھی معاملے میں پولیس سے شکایت کر کے والدین کو مجبور کر کے اپنے خواہشات کی تکمیل کے راستے سے ہٹا سکتی ہے جبکہ اسلام اولاد کی اچھی تربیت کے لیے سختی کو روا گردانتا ہے۔ مسلم خاندانی نظام میں حقوق و فرائض کا سلسلہ بالغ ہونے کے بعد بھی جاری رہتا ہے جبکہ مغرب میں بالغ ہونے کے بعد یہ سلسلہ قانونی طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ اسلام اور مغرب کے خاندانی نظام کے اپنے اپنے امتیازات ہیں، اسلام کے خاندانی نظام کی بنیاد قرآن و سنت ہے جبکہ اہل مغرب کے خاندانی نظام میں مذہب کا عنصر نظر نہیں آتا لیکن اخلاقیات کو ان کے ہاں بھی اہمیت حاصل ہے اچھے اور برے کی تمیز بڑے کا ادب چھوٹوں سے شفقت اہل مغرب کے ہاں بھی اہم ہے۔ اسلام میں خاندان کی بنیاد ایک حلال اور پاکیزہ رشتے نکاح پر مبنی ہے جس میں دو عاقل بالغ گواہ بھی موجود ہوں۔ جبکہ اہل مغرب نے آزادی اور حقوق نسواں اور آزادی کے نام پر ہم جنس پرست شادیوں کو باقاعدہ قانون سازی کر کے جائز قرار دیا اور یہ سلسلہ رک نہیں رہا۔

باب دوم

نظریہ عالمگیریت اور ماہرین سماجیات کی آراء

فصل اول: نظریہ عالمگیریت ماہرین کی نظر میں

فصل دوم: نظریہ عالمگیریت کا تاریخی پس منظر اور دائرہ نفوذ

فصل سوم: عالمگیریت کے میادین کار

فصل چہارم: عالمگیریت کی حقیقت سماجی ماہرین کی نظر میں

فصل اول

نظریہ عالمگیریت ماہرین کی نظر میں

فصل اول:

نظریہ عالمگیریت کا مفہوم سماجی ماہرین کی نظر میں

گلوبلائزیشن کی اصطلاح لفظ گلوب سے وجود میں آئی ہے جس کا معنٰی زمین ہے۔اردو میں اس کے لیے کرہ ارض یا کرہ ارضی کا لفظ بولا جاتا ہے۔گلوبلائزیشن کو اردو زبان میں عالمگیریت کہتے ہیں۔عربی زبان میں اس کے لیے "العولمہ "کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔یہ لفظ "العالم" یا "العالمیہ" سے ماخوذ ہے جس کا معنٰی کسی چیز کو پھیلانا یا وسیع کرنا ہے۔ڈاکٹر احمد مختار کہتے ہیں کہ یہ ایک جدید لفظ ہے جس کے معنٰی اوراثرات سے تجاہل ممکن نہیں وہ اس کی باقاعدہ تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں؛

"حرِّيَّة انتقال المعلومات وتدفُّق رءوس الأموال والسِّلع والتِّكنولوجيا والأفكار والمنتجات الإعلاميّة والثَّقافيّة والبشر أنفسهم بين جميع المجتمعات الإنسانيّة حيث تجري الحياة في العالم كمكان واحد أو قرية واحدة صغيرة"[1]

"معلومات عامہ، اثاثہ جات، سرمائے، ٹیکنالوجی، ثقافت اور خود انسان جو دنیا کے مختلف کونوں میں رہتے ہیں، کا اس طرح ہو جانا گویا وہ ایک ہی جگہ ہیں یا ایک چھوٹی بستی میں رہتے ہیں"

اس تعریف کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام دنیا کا معلومات، معاشیات، سیاسیات، سرمائے اور انسانوں کے میل جول کے اعتبار سے ایک بستی کا سا روپ اختیار کر جانا عالمگیریت کہلاتا ہے۔اگر اس تعریف کو غور سے دیکھا جائے تو یہ مغربی مفکرین کی تعریفات کا خلاصہ یا انہی کی تعریفات کا عربی زبان میں ترجمہ ہے۔

اس تعریف سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عالمگیریت کے مختلف پہلو ہیں۔اس کی تعریف میں پائے جانے والے اختلافات اوران پر وارد ہونے اعترضات انہی پہلوؤں کا نتیجہ ہیں۔معاشی عالمگیریت ، اخلاقی عالمگیریت ،سیاسی عالمگیریت ،معاشرتی عالمگیریت اور خاندانی عالمگیریت وغیرہ۔اگر کوئی معاشی ماہر تھا تو اس نے اس میدان میں عالمگیریت کا پرتو دیکھا تو اس لحاظ سے ایک تعریف وضع کر دی۔یہ تعریف جب کسی اخلاقیات کے ماہر کی نظر سے گزری تو اس نے اسے ایک نئے انداز سے دیکھا اور اس پر اعتراض وارد کر دیے۔اسی طرح ایک کسی سیاسی ماہر کی وضع کی گئی تعریف کسی معاشی ماہر کے نظریات سے ٹکرا گئی۔اسی طرح باقی کی گئی تعریفات کے ذیل میں بھی یہی اصول لاگو ہوا اور یوں عالمگیریت کسی جامع اور متفقہ تعریف سے خالی رہی۔اپنے اپنے شعبہ ہائے فکر اور فن سے تعلق رکھنے والوں نے اپنی اسی فکری یا فنی وابستگی کی بنیاد پر عالمگیریت کی تعریف کی لیکن شعبہ ہائے فکر و فن کا اختلاف اس وضع کردہ تعریف کا سبب بنا۔یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی ایسی جامع تعریف وضع نہیں کی جا سکی جس پر ماہرین کا اتفاق ہو پاتا۔یعنی جس طرح عالمگیریت کے مصداق میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح اس کی تعریفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور اختلاف کی وجہ ماہرین فن کی مہارت کے اختلاف پر منتج ہے۔

---

1 حمیدی، ڈاکٹر احمد مختار، معجم اللغۃ العربیہ المعاصرۃ، عالم الکتب قاہرہ 1429ھ، ص:2/1579

پروفیسر انتھونی:

"Globalization can be thus defined as the intensification of worldwide social relations which link distant localities in such a way that local happening are shaped by events occurring many miles away"[1]

"گلوبلائزیشن کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ پوری دنیا میں ہونے والے معاشرتی تعلقات کی شدت کا نام ہے جو میلوں دور ہونے والے واقعات کو آپس میں یوں ملاتی ہے جیسے وہ مقامی سطح پر واقع ہو رہے ہیں"

رونلڈ رابرٹ سٹون:

"گلوبلائزیشن دنیا کی شدت اور دنیا کے بہاؤ دونوں کو شامل ہے"[2]

ڈاکٹر اوہم:

"Globalization means the onset of the borderless world" [3]

"سرحدوں سے بالاتر ہو کر دنیا کا ایک ہو جانا گلوبلائزیشن کہلاتا ہے"

مارٹن البرو:

"Globalization is all those process by which the people of the world are incorporated into a single society" [4]

"گلوبلائیزیشن ایک ایسا عمل ہے جس سے دنیا کے تمام لوگوں کو ایک معاشرے میں شامل کر دیا جاتا ہے"

ہونز اور جارج:

"Globalization is intensification of economic, political social and cultural relations across borders" [5]

"گلوبلائزیشن سرحدوں میں معاشی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی تعلقات کی شدت کا نام ہے"

موس کنٹر:

"عالمگیریت سے مراد یہ ہے دنیا ایک عالمی شاپنگ مال بن رہی ہے جس میں خیالات اور مصنوعات ایک ہی وقت میں ہر جگہ دستیاب ہیں"[6]

---

1 Anthony Gidden, The Consequences of Modernity, Cambridge: Polity Press 1990, P.64
2 Ronald Robertstone, Social Theory and Global Culture, London: Sage 1992, P.8
3 Kenichi Ohmae, The Borderless World: Power and Strategy in the Global Marketplace, London: Harper Collins 1992, P.14
4 Martin Albrow, Globalization, Knowledge and Society, London: Sage 1990, P.8
5 Hans Henrik and George Sorensen, Whose Orders? Uneven Globalization and End of the Cold War, Boulder: Westview Press 1995, P.1
6 Moss Kenter, Thriving Locality in the Global Economy, Simon and Schuster NY. P.15

پروفیسر مارٹن:

"Globalization is what we in the Third World have for several centuries called colonization" [1]

"ہم تیسری دنیا میں کئی سو سالوں سے اپنی کالونیاں بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اسی کا نام عالمگیریت ہے"

رابرٹ سپائچ:

"It is a mindset, an idea visulation, a popular metaphor and, finally a stylized way of thinking about complex international development" [2]

"عالمگیریت ایک ذہنی اختراع، ایک نمائشی نظریے، ایک استعارے اورآخری طور پر ایک پیچیدہ سوچ کا انداز ہے جو کسی کی بین الاقوامی ترقی کے بارے میں ہے"

ویلک اور بلموریا:

"Globalization is not an output of the real forces of markets and technologies, but is rather an input in the form of theoretical and discursive constructs, practices and ideologies which groups are imposing on other for political and economic gain"[3]

"گلوبلائزیشن بازاروں اور ٹیکنالوجیوں کی حقیقی قوتوں کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ نظریاتی اور متضاد تعمیرات، طرز عمل اور نظریات کی شکل میں ایک ان پٹ ہے جسے سیاسی اور اقتصادی فوائد کے حصول کے لئے دوسروں پر لاگو کیا جارہا ہے "

پال اور تھامسن:

"Globalization is a myth suitable for a world without illusion, but is also one that robs us of hope. Global markets are dominated, and they face no threat from any viable country political projects, for it is held that Western social democracy and socialism of the Soviet bloc are both finished" [4]

---

1 Martin Khor, The Globalization of the World Politics, An Introduction to International Relation, New York: Oxford University Press 1999, P.15

2 Robert Spich, Globalization Folklore: Problem of Myth and Ideology in the Discourse on Globalization, Journal of Organizational Change Management,Vol.8 , No.4, 1995, PP.10-11

3 C. Walck and Billmoria, Editorial: Challenging Globalization Discourses, Journal of the Change Management, Vol.8, No.4, 1995, P.3

4 Paul Hirst and Grahame Thompson, Globalization in Question, The Internatio Economy and Possibilities of Governance, Cambridge: Polity Press 1996, P.6

"عالمگیریت اس وہم سے خالی دنیا کے لیے ایک فرضی داستان ہے لیکن اس کے باوجود یہ ہماری امیدوں پر ڈاکاڈالتی ہے۔عالمگیر مارکیٹیں مغلوب ہوچکی ہیں اوران کوکسی ملک کے سیاسی منصوبے سے کوئی خطرہ نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی معاشرتی جمہوریت اور سویت یونین کا سوشلزم دونوں اس وقت ختم ہو چکے ہیں"

ارجن اپادورے:

"Globalization is a world of things that have different speeds, axes, points of origin and termination, and varied relationship to institutional structures in different region, nations or societies."(1)

"گلوبلائزیشن ایسی چیزوں کی ایسی دنیا ہے جس میں مختلف رفتار، محور، اصل نقطہ نظر اور اختتام کے نقطہ نظر ہیں،اور مختلف خطے، قوموں یامعاشرے میں اداروں کے ڈھانچے سے مختلف تعلقات ہیں"

چارلس اومان:

"Globalization is the growth, or more precisely the accelerated growth, of economic activity across national regional political boundaries. It finds expression in the increased movement of tangible and intangible goods and services, including ownership, rights, via trade and investment, and often of people, via migration" (2)

"گلوبلائزیشن قومی علاقائی سیاسی حدوں میں معاشی سرگرمیوں کی ترقی، یازیادہ درست طور پر تیزی سے ترقی ہے. یہ تجارت اور سرمایہ کاری کے ذریعہ ملکیت، حق، بشمول منتقلی کے ذریعہ قابل اطمینان اور غیر معمولی سامان اور خدمات کی بڑھتی ہوئی تحریک میں اظہار ہے"

پروفیسر رچرڈ:

"Globalization is an emergent concept, which was created spontaneously to reflect people's experiences of the properties of an accelerating phase of the level of social integration compromising the bonds between nation states" (3)

---

1 Arjun Appadurai, Modernity at Large: Cultural Dimensions of Globalizati Minneapolis: University of Minnesota Press 1996, P.4

2 Charles Oman, The Policy Challenges of Globalization and Regionalization, OECD Development Centre, Policy Brief No.11 , 1996, P.5

3 Richard Kilminister, "Globalization as an Emergent Concept" in Alan Scott, The Limits of Globalization: Cases Arguments, London: Routledge 1997, P.272

"عالمگیریت ایک ایسا ناگہانی تصور ہے جو از خود پیدا کیا گیا تا کہ سماج کے تیز ترین انضمام کے حامل خصوصیات کے لوگوں کے تجربات کو منعکس کیا جائے جو ریاستوں کی قوموں کے درمیان ہو"

جارج ماڈسکی:

"Globalization is a process along four dimensions: economic globalization, formation of world opinion, democratization, and political globalization. This was rounded off with the assertion that changes along one of these dimension elicited changes among the other dimensions" (1)

"عالمگیریت ایک ایسا عمل ہے جس کے چار پہلو ہیں؛ معاشی عالمگیریت، رائے عامہ کی دنیا، جمہوریت سازی اور سیاسی عالمگیریت۔ اسے ایک ایسے حق ملکیت کے طور پر جانا گیا ہے جس نے ان پہلوؤں کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کو بھی تبدیل کر دیا ہے"

کیلی اور مارفلیٹ:

"Globalization is a world in which societies, cultures, Politics and economics have, in some senses, come closer together" (2)

"گلوبلائزیشن ایک ایسی دنیا ہے جس میں معاشرے، ثقافتیں، سیاست اور معیشتیں بعض اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہو کر اکٹھے ہو جاتی ہیں".

عالمگیریت ایک کثیر الجہتی اصطلاح ہے:

مذکورہ تعریفات اور ماہرین کے ان نظریات پر نظر دوڑائی جائے اور ان کا تجزیہ کیا جائے تو خلاصہ کلام کچھ اس طرح بنتا ہے کہ عالمگیریت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی کثیر جہتیں ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے معاشی پہلو پر توجہ دی اور اس سے متعلق تحقیق کی۔ پس ان لوگوں نے اسے معیشت کی عالمی صورت کا نام دیا جبکہ کچھ لوگوں نے ثقافت کے لحاظ سے دیکھا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ مختلف ملکوں کے مابین ثقافت کی جنگ ہے اور اس کی عالمگیریت کی وجہ سے ہی دنیا میں بعض قومیں اپنی شناخت کھوتی چلی جا رہی ہیں اور اس نے دنیا کے کئی اداروں پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ دنیا میں کچھ مفکر ایسے ہیں جنہوں نے اس سیاسی پہلو پر توجہ کی اور اسی لحاظ سے اس کا جائزہ بھی لیا۔ کچھ لوگوں نے ٹیکنالوجی کے میدان ہونے والی تبدیلیوں کو اس کا شاخسانہ قرار دیا۔ لیکن جس قدر غور کیا جائے یہ بات اسی قدر واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ عالمگیریت ان تمام پہلوؤں کو شامل ہے اور تمام گوشہ ہائے حیات اس سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہ اصطلاح مغرب سے آئی ہے اور ایک لحاظ سے یہ مغربی تہذیب، سیاست، معاشرت اور معیشت کے غلبہ کے نام ہے

---

1 George Modelski, Globalization Texts, Concepts and Terms, University of Hawai compiled by Fred W. Riggs, May 13, 1998, P.23

2 Ray Kiely and Phil marfleet, Globalization and the Third World, London: Routledg. P.3

۔یہی وجہ ہے کہ مغرب ان تمام جہتوں سے پوری دنیا کو بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر کر رہا ہے۔ بعض مفکرین کے مطابق عالمگیریت استعمار (Colonialism)اور استشراق (Orientalism) کی دو تحریکوں کے مجموعے کا نام ہے، جس کے ذریعے مغربی اور صہیونی طاقتوں کے مالی تحفظ کو یقینی بنانے کے ساتھ ان کے مذہبی عقائد، اخلاقی اقدار اور معاشرتی ثقافت کو عالمی جامہ پہنا کر پوری دنیامیں رائج کیا جائے۔

عالمگیریت کے مقاصد:

عالمگیریت پر گہری نظر رکھنے والوں نے اپنی اپنی تحقیق سے اس سے کچھ مقاصد بیان کیے ہیں۔ان مفکرین میں مغربی مفکرین ہی سر فہرست ہیں۔ان کے نزدیک عالمگیریت کے چند مقاصد حیران کن حد تک مشترک ہیں۔ مفکرین کے نزدیک عالمگیریت کے پانچ بڑے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ دنیاپر سیاسی برتری کا حصول

2۔ دنیاپر اقتصادی برتری کا حصول

3۔ دنیاپر مغربی معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کا تسلط

4۔ پوری دنیامیں مغربی زبان وادب کی ترویج

5۔ عالمی عدالت اور سلامتی کونسل کے ذریعے پوری دنیاپر مغربی حکمرانی کا قیام

ان ہی پانچ مقاصد کی طرف مختلف مفکرین نے اپنے اپنے اعتبار سے اشارہ کیاہے اوراس کے سدباب کے اقدامات بھی بتائے ہیں۔لیکن کسی نے صرف معاشی پہلو کی، کسی نے سیاسی پہلو، کسی ثقافتی پہلواور کسی معاشرتی پہلو کی نشاندہی کی اور کسی نے اسے مطلقاً عالمی منڈی کا نام دیالیکن جارج موڈسکی نے ان مذکورہ پانچ مقاصد کی طرف کچھ یوں اشارہ کیاہے اورانہی مقاصد کے مجموعے کو عالمگیریت کانام دیا۔وہ کہتاہے؛

> “Globalization is a process along four dimensions: economic globalization, formation of world opinion, democratization, and political globalization. This was rounded off with the assertion that changes along one of these dimension elicited changes among the other dimensions” [1]

> "عالمگیریت ایک ایسا عمل ہے جس کے چارپہلو ہیں؛معاشی عالمگیریت،رائے عامہ کی دنیا،جمہوریت سازی اورسیاسی عالمگیریت۔اس ایک ایسے حق ملکیت کے طور پر جانا گیاہے جس نے ایک پہلو کے ساتھ ساتھ دوسرے پہلوؤں کو بھی تبدیل کر دیاہے"

---

1 George Modelski, Globalization Texts, Concepts and Terms, University of Hawaii, compiled by Fred W. Riggs, May 13, 1998, P.23

حتمی تعریف پہ اختلاف:

یہ بات طے ہے کہ ابھی تک عالمگیریت کی حتمی تعریف سامنے نہیں آ سکی اور ہر ماہر نے اس کو اپنے مخصوص تناظر میں دیکھا ہے یہاں تک کہ مذہبی حلقوں نے بھی اسے مذہب کے لیے ایک خطرے سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ مشہور سعودی مفکر عبد اللہ ترکی نے بھی اسے امریکی اور مغربی تسلط کا عالمی قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عالمگیریت داخلی اور خارجی دونوں اعتبار سے بالعموم مغربی اور بالخصوص امریکی تسلط کا نام ہے[1]۔ بعض نے اسے استعماری کا نام دیا ہے جو ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ممتاز مذہبی سکالر علامہ یوسف قرضاوی کہتے ہیں؛

"العولمةفی حقیقتها و اهدافها وطر ائقها الیوما انماهی الاستعمار بلون جدید"

"موجودہ دور میں متعارف کرائی جانے والی عالمگیریت اپنی حقیقت، اپنے ہدف اور طریقہ کے لحاظ سے استعمار ہی ہے جسے ایک نئے رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے"

یہ ایک ایسی اختلاف زدہ اصطلاح ہے کہ اس کے بانیان کے مابین بھی اس پر اتفاق واقع نہیں ہو سکا۔ مشہور مغربی مفکر Aart Scholte لکھتا ہے؛

"Globalization is a term in heavy current usage but one whose meaning remain obscure of among those who invoke it. Actually it is result of large public spread across the world as one of the defining terms of late twentieth century social consciousness"[2]

"عالمگیریت بیسویں صدی میں کثیر تعداد میں مستعمل ہونے والی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے معانی پر خود ان لوگوں کا بھی اتفاق نہیں ہو سکا جنہوں نے اس کو متعارف کرایا تھا۔ اتفاق کے نہ ہونے کی وجہ دراصل اس کا پوری دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیل جانا ہے اور پھر اس صدی میں ہر کسی نے اسے اپنے مخصوص زاویہ فکر سے دیکھا"۔

گویا اس اصطلاح پہ ان لوگوں کے مابین بھی اتفاق نہ ہو سکا جنہوں نے یہ اصطلاح متعارف کرائی تھی۔

عالمگیریت مختلف ممالک کے مابین ذریعہ قربت:

لیکن اس ضمن میں کی گئی تمام تعریفوں میں زیادہ تر عمومی پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے اور ذیل میں اسے مختلف ممالک کے درمیان رابطوں، قربتوں اور نزدیکیوں کے بڑھاؤ کا نام دیا ہے جیسا کہ مشہور سماجی مفکر میک گیرو کہتے ہیں؛

---

1 الترکی، الدکتور عبد اللہ، الحوار المبتغی فی ظل العولمیہ، مجلۃ الرابطہ، العدد 123، ص:12

2 Jan Aart Scholte, Globalization and Modernity, Paper presented at the International Studies Association Convention, San Diego, 15-20 April 1995

"Multiplicity of linkages and interconnections that transcend the nation state which make up the modern world system define a process through which events, decisions and activities in one part of the world can come to have a significant consequence for individuals and communities in quit distant part of the globe"[1]

"رابطوں اور مداخلتوں کی کثرت سے جس ملک کی ریاست کو جدید بناتا ہے جس کو جدید دنیا کے نظام کو مرتب کیا جاتا ہے اس عمل کی وضاحت کرتا ہے جس کے ذریعہ دنیا کے ایک حصے میں واقعات، فیصلے اور سرگرمیاں افراد اور کمیونٹیوں کے لئے ایک اہم نتیجہ ہوسکتے ہیں۔"

اس تعریف میں عالمگیریت کے صرف دو ملکوں کے مابین نفوذ پانے والے پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے۔اسی طرح بعض مفکرین نے صرف اس کے معاشی پہلو کو دیکھا ہے اور اس کی عالمی شکل کو ہی عالمگیریت کا نام دیا ہے جیسا کہ فلپ کارنی کہتا ہے؛

"Globalization is defined here as a set of economic and political structure and process deriving from the changing character of the goods and assets that comprise the base of international political economy"[2]

"گلوبلائزیشن کی معیشت اور سیاسی ساخت کی وضاحت کی گئی ہے اور سامان کے بدلنے والے کردار سے حاصل کرنے والے عملوں سے متعلق عمل اور معاہدے پر بین الاقوامی سیاسی معیشت کی بنیاد پر مشتمل ہے"۔

جدید ٹیکنالوجی کے فوائد:

امریکی مفکر فرانسس کہتے ہیں کہ عالمگیریت جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے پیدا ہونے والے سرمائے کی کثرت اور اس کی وجہ سے جنم لینے والی انسانی ضروریات اور خواہشات کے مجموعے کا نام ہے۔اسی چیز نے تمام انسانوں کو آپس میں یکجا کر دیا ہے حالانکہ ان کے تہذیب و تمدن اور ثقافت میں اختلاف واقع ہے۔وہ لکھتا ہے؛

"Technology makes possible the limitless accumulation of wealth and thus the satisfaction of an ever-expending set of human desire. This process guarantees an increasing homogenization of all human societies, regardless of their historical origins or cultural inheritances"[3]

1 James Rosenanu, The Dynamics of Globalization Towards an Formulation, San Diego, Paper presented at the International Association Convention, San Diego, 18 April 1995
2 Anthony McGrew, "A Global Society" in Stuart Hall, David Held and Anthoy Mcgrew, Modernity and Its Features, Cambridge: Polity Press 1990, P.56
3 Quotation from Francis Fukuyama, The End of History and The Last Man, New York: Free Press 1992, P. XIV-XV

"ٹیکنالوجی دولت کے لامحدود حصول کو ممکن بناتی ہے اور اس طرح بڑھتی ہوئی انسانی خواہشات کو تسکین مہیا کرتی ہے یہ عمل ان کی تاریخی اصل یا ثقافتی وراثت کے بغیر، تمام انسانی معاشروں کی بڑھتی ہوئی homogenization کی ضمانت دیتا ہے"

آکسفورڈ ڈکشنری:

"Globalization is "the act of globalizing"; from the noun "global "meaning "pertaining to or involving the whole world", "worldwide"; "universal" (1)

"گلوبلائزیشن ایک ایسا عمل ہے جس میں گلوبلائزنگ کا عمل پایا جائے۔ یہ گلوبل سے ماخوذ ایک اسم ہے جو ایک ایسا عمل ہے جو پوری دنیا کو شامل ہو"

الغرض عالمگیریت کی جتنی بھی تعریفیں اس وقت مہیا ہیں ان سب میں پوری دنیا کے شامل ہونے کا معنی ضرور شامل ہے۔ یعنی کسی بھی ایسے عمل کو عالمگیر عمل نہیں کہا جاسکتا یا ان تعریفوں میں نہیں کہا گیا جس میں پوری دنیا شامل نہ ہو یا اس عمل میں پوری دنیا کے شامل ہونے کی خواہش نہ کی گئی ہو۔ عالمگیریت کے بین الاقوامی فورم نے اس کی تعریف یوں کی ہے؛

"Globalization is the present worldwide drive toward a globalized economic system dominated by supranational corporate trade and banking institutions that are not accountable to democratic processes or national governments" (2)

اس تعریف میں بھی یہ بات واضح ہے کہ یہاں اس عمل کو پوری دنیا کے لیے بتایا جارہا ہے لیکن اس میں صرف اس کی ایک جہت یعنی معیشت کو واضح کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کو بھی مشروط کیا گیا ہے کہ یہ کسی کو جوابدہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی جرم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی لپیٹ میں کوئی بھی انسان یا ملک خود آتا ہے نہ کہ اسے بظاہر مجبور کیا جاتا ہے جیسا کہ اگر کوئی برانڈ مشہور ہو جائے اور پوری دنیا کے لوگ اس کے دلدادہ ہو جائیں حالانکہ وہ کسی خاص ملک، مذہب یا ثقافت کا عکاس ہو لیکن پھر بھی لوگ یا ملک اس کو اپنا لیں تو اس کو بظاہر جرم نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس برانڈ کے مالک یا ذمہ داران اس بات کے ذمہ دار ہوں گے یا جوابدہ۔ اس تعریف میں یہی پہلو واضح کیا گیا ہے۔

WTO نے عالمگیریت کی تعریف کچھ یوں کی:

"Globalization can be defined as a historical stage of accelerated expansion of market capitalism, like the one experienced in the 19th century with the industrial

---

1 Oxford English Dictionary - 2nd edition [electronic edition]. Oxford: Oxford University Press; c2000 [cited 2006 June 1]. Available from: http://www.oed.com

2 International Forum on Globalization [homepage on the Internet]. San Francisco: The IFG; [cited 2006 June 1]. Available on: http://www.ifg.org/analysis.htm

revolution. It is a fundamental transformation in societies because of the recent technological revolution which has led to a recombining of the economic and social forces on a new territorial dimension"[1]

"گلوبلائزیشن کو صنعتی سرمایہ کاری کے ساتھ 19 ویں صدی میں تجربہ کار کی طرح بازار کی سرمایہ داری کے تیز رفتار توسیع کے ایک تاریخی مرحلے کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے. یہ حالیہ تکنیکی انقلاب کی وجہ سے معاشرے میں ایک بنیادی تبدیلی ہے جس نے ایک نئی علاقائی طول و عرض پر اقتصادی اور سماجی قوتوں کی دوبارہ تعمیر کی ہے"

ورلڈ بینک کے ہاں اس کی تعریف کچھ یوں ہے؛

"گلوبلائزیشن - دنیا بھر میں معیشتوں اور معاشروں کے بڑھتے ہوئی انضمام کا نام ہے"[2]

الغرض عالمگیریت ایک ایسی اصطلاح ہے جو پوری دنیا میں متعارف ہے لیکن اس کی حتمی تعریف ممکن نہیں ہے۔ دنیا کے مختلف ماہرین نے اس کی تعریفیں کی ہیں لیکن ان میں اختلاف ہے۔ لیکن بہر حال اس کے عوامل کی طرح یہ تعریف بذات خود بھی عالمگیر حیثیت کی حامل ٹھہری یہاں تک کہ اقوام متحدہ کو بھی اس کی تعریف میں میدان میں آنا پڑا۔ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے برائے غربت اور ڈیویلپمنٹ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے؛

"While the definition of globalization varies with the context of analysis, it generally refers to an increasing interaction across national boundaries that affects many aspects of life: economic, social, cultural and political. In the context of this study, in order to keep the analysis within reasonable bounds, the focus is only on the economic aspects, with particular emphasis on the role of ICT [information and communications technologies]. As such, globalization narrowly refers to the growing economic interdependence of countries worldwide. This includes increases in the international division of labour caused by swelling international flows of FBI [foreign-based investment], accompanied by an increasing volume and variety of cross-

---

1 Lamy, Pascal. Humanizing globalization. Geneva, Switzerland: The WTO; [updated 2006 Jan 30; cited 2006 June 1]. Available on: http://www.wto.org/english/news_e/sppl_e/sppl16_e.htm

2 World Bank [homepage on the Internet]. Washington, DC: The World Bank Group; c2001 [cited 2006 June 1]. Available on: *http://www1.worldbank.org/economicpolicy/globalization/*

border transactions in goods and services, international capital flows, international migration and the more rapid and widespread diffusion of technology. This should not be construed to imply that social, cultural and other forms of globalization are unimportant, only that they are less germane to discussions of economic security and development" [1]

"اگرچہ گلوبلائزیشن کی تعریف تجزیہ کے تناظر کے ساتھ مختلف ہوتی ہے، یہ عام طور پر قومی حدود میں بڑھتی ہوئی بات چیت سے متعلق ہے جو زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتی ہے: اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی. اس مطالعہ کے تناظر میں، مناسب حد کے اندر تجزیہ رکھنے کے لئے، توجہ صرف آئی ٹی [معلومات اور مواصلات ٹیکنالوجی] کے کردار پر خاص زور کے ساتھ، اقتصادی پہلوؤں پر ہے. اس طرح، گلوبلائزیشن محدود طور پر دنیا بھر میں ممالک کی بڑھتی ہوئی اقتصادی منسلکات سے متعلق ہے. اس میں ایف بی آئی [غیر ملکی بنیاد پر سرمایہ کاری] کے بین الاقوامی بہاؤوں کی سوزش کی وجہ سے مزدوری کے بین الاقوامی ڈویژن میں اضافہ بھی شامل ہے، جس میں مال اور خدمات میں کراس سرحد کے ٹرانزیکشنز کی بڑھتی ہوئی حجم اور مختلف قسم کے، بین الاقوامی سرمایہ کاری کے بہاؤ، بین الاقوامی منتقلی اور زیادہ تیز رفتار اور ٹیکنالوجی کی وسیع پیمانے پر پھیلاؤ. اس بات کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ماجی، ثقافتی اور گلوبلائزیشن کے دیگر شکلیں غیر معمولی ہیں، صرف یہ کہ وہ اقتصادی سلامتی اور ترقی کے بارے میں بات چیت میں زیادہ متعلق نہیں ہیں"۔

عالمگیریت کے عمل میں دنیا کی شراکت:

اس تعریف میں اس بات کا اقرار ہے کہ عالمگیریت کی تعریف میں اختلاف ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا اقرار بھی ہے کہ اس کی تعریف میں ایسا عنصر ضرور شامل حال رہتا ہے جس میں پوری دنیا کسی نہ کسی طریقے سے شریک یا متاثر ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بات بین الاقوامی ادارہ برائے صحت کی تعریف میں بھی ملتی ہے بلکہ وہاں اسے باہمی اشتراک عمل کا نام ہی دیا گیا ہے۔

"Globalization, or the increased interconnectedness and interdependence of people and countries, is generally understood to include two interrelated elements: the opening of borders to increasingly fast flows of goods,

---

1 United Nations Poverty and Development Division. Economic and social survey of Asia and the Pacific, 1999. New York: The United Nations; c1999 [updated 1999 Dec 20; cited 2006 June 1].
Available: *http://www.unescap.org/drpad/publication/survey1999/svy4a.htm*

services, finance, people and ideas across international borders; and the changes in institutional and policy regimes at the international and national levels that facilitate or promote such flows. It is recognized that globalization has both positive and negative impacts on development" (1)

"گلوبلائزیشن، یالوگوں اور ممالک کی بڑھتی ہوئی منسلک اور انحصار، عام طور پر دو باہمی عناصر کو شامل کرنے کے بارے میں سمجھا جاتا ہے: سرحدوں کے افتتاحی سامان، خدمات، فنانس، عوام اور بین الاقوامی سرحدوں کے بارے میں خیالات کے تیزی سے بہاؤ؛ اور بین الاقوامی اور قومی سطحوں پر ادارہ اور پالیسی کے نظام میں تبدیلیوں جو اس طرح کے بہاؤ کو سہولت یا فروغ دینے میں مدد ملتی ہے. یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گلوبلائزیشن میں ترقی پر مثبت اور منفی اثرات موجود ہیں"۔

خلاصہ بحث:

مندرجہ بالا تعریفوں اور ماہرین کی آراء سے ظاہر ہوا کہ عالمگیریت کی اصطلاح اگرچہ پرانی ہے لیکن دور جدید میں اس کی اٹھان کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ یہ بالکل ایک نئی اور جداگانہ طرز میں دنیا کے سامنے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ آج کل اس کا ایک معنی یہ ہے کہ طاقتور ممالک دنیا پر اپنا سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی غلبہ چاہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے بعض ماہرین نے عالمگیریت سے مراد سیاسی عالمگیریت ، بعض نے معاشی عالمگیریت ، بعض نے معاشرتی عالمگیریت اور بعض نے اخلاقی عالمگیریت مراد لی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ ماہرین کا مختلف طرز ہائے زندگی اور مختلف شعبہ جات سے تعلق ہونا ہے۔ مسلم ممالک میں یہ اس حوالے سے یہ بات بالعموم پائی ہے کہ عالمگیریت ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے مغرب مسلم ممالک کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا ہے۔ وہ مسلم معاشرے میں اپنے اثر ورسوخ کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔ عالمگیریت کی حتمی اور متفق علیہ تعریف اس لیے ممکن نہیں کیونکہ اس کے ہمہ گیر اور مختلف پہلو ہیں ۔ اقتصادیات ، معاشرت ، سیاست اور اخلاقیات ، جو مفکر جس میدان سے تعلق رکھتا تھا اس نے اسی لحاظ سے عالمگیریت کی تعریف کی۔ یعنی شعبہ ہائے زندگی کا اختلاف تعریف میں بھی اختلاف کا سبب بنا۔

---

1 *http://www.who.int/trade/glossary/story043/en/index.html*

فصل دوم

نظریہ عالمگیریت کا تاریخی پس منظر اور دائرہ نفوذ

فصل دوم:

نظریہ عالمگیریت کا تاریخی پس منظر اور دائرہ نفوذ

اصطلاح میں اختلاف:

گلوبلائزیشن کی اصطلاح بھی اختلاف زدہ ہے اور اس کا تاریخی پس منظر بھی۔ تعریف کا اختلاف ہی اس کے پس منظر میں اختلاف کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ پچھلی فصل میں مذکور ہو چکا کہ تعریف میں اختلاف کی وجہ ماہرین کا مختلف طبقات فکر سے متعلق ہونا ہے۔ یعنی سماجیات کے ماہرین، اخلاقیات کے دانشور، معیشت کے مفکرین اور اسی ثقافت کے محققین، ہر کسی عالمگیریت کو اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دیکھا اور یہی نقطہ نظر ان کی تعریفات میں اختلاف کا سبب بنا۔ یہی اختلاف عالمگیریت کے تاریخی پس منظر کے تعین میں بھی اختلاف کا سبب بنا کیونکہ ہر کسی نے اس کا پس منظر اپنے اپنے شعبہ فکر کے حوالے سے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس کا پس منظر کیا ہے اور اس کی تاریخ کتنی پرانی ہے؟ کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ عالمگیریت تب سے ہے جب سے دنیا کے بازار ایک بڑی مارکیٹ کی طرف ضم ہونے کے عمل کی طرف داخل ہوئے۔ یہ رجحان بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا اور انیسویں صدی اور پہلی جنگ عظیم کے دوران اسے ایک نیا جنم ملا۔ تب سے لے کر اب تک یہ بڑھتا ہی جا رہا ہے[1]۔

پروفیسر نیل نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے اور اس کی دلیل میں زمانہ قدیم کی کچھ ایسی رسومات کا ذکر کیا ہے جو فی زمانہ بھی مروج ہیں اور آج بھی اسی افادیت کی حامل ہیں جتنی اپنے شروع کے دور میں تھیں۔ ایسی رسومات اور ضروریات کا اس دور سے آج کی دنیا میں در آنے کا نام ہی عالمگیریت ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عالمگیریت کی تاریخ اتنی ہی پرانی جتنی نسل انسانی کی تاریخ اگرچہ اس وقت اس کی طرف رجحان اور اس کی شکل مختلف تھی۔ انسانی ضروریات ایک ایسا ناگزیر امر ہے جس میں اضافے نے ہر وقت میں نئی جہتوں کو جنم دیا ہے اور اس سے انسانی رویے بھی تبدیل ہوئے ہیں۔ عالمگیریت اس وقت سے شروع ہو گئی تھی جب انسان نے اپنی ضروریات کی خاطر اِدھر اُدھر سفر کرنا شروع کر دیا بلکہ اس کی تاریخ تب سے شروع ہوتی ہے جب سے انسان نے آگ کو قابو کرنا سیکھا۔ وہ کوئی ایک انسان ہی تھا لیکن آج اس کا یہ فن ساری دنیا میں موجود ہے۔ آگ کو قابو پانے کے فن سے انسان نے مختلف سبزیوں اور گوشت کو ابال کر محفوظ کرنے کے طریقے سے واقف ہوا جو آج تک مروج ہیں۔ اسی طرح سردیوں میں درجہ حرارت کو قابو کرنے کے لیے بھی آگ کا استعمال زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے اور یہ سب اس دور کی عالمگیریت ہی کی شکلیں ہیں۔ اسی طرح ڈانس یعنی ناچ گانا اور زبانیں سیکھنا بھی اسی دور سے شروع ہوا جو آج کی دنیا میں مقبول ہے۔ اسی طرح انسان کا ہجرت کرنا بھی زمانہ قدیم ہی کی طرح ہے جو آج بھی رائج ہے۔ ناچ گانا، آگ جلانا اور اس پر قابو پانا، مختلف علاقوں کے لوگوں سے رابطے کے لیے زبانیں سیکھنا، مختلف علاقوں سے فصلیں لے کر آنا اور انہیں اپنے ہاں کاشت کرنا اور اسی طرح ہجرت کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں جن

---

1 Bordo, M.D. Globalization in Historical Perspective. Business Economics, January, 2002. P.20

کو اس دور میں بھی پذیرائی حاصل رہی ہے اور یہ آج تک مقبول ہیں۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ عالمگیریت اتنی ہی پرانی ہے جتنی نسل انسانی کی تاریخ قدیم ہے [1]۔

پروفیسر روڈرک کا کہنا ہے کہ عالمگیریت اسی دھیمی رفتار سے چلتی رہی لیکن 1750 سے لے کر پہلی عالمی جنگ تک کے عرصے میں اس نے بڑی تیزی سے دنیا کو لپیٹ میں لینا شروع کیا اور اس کی بنیادی وجہ اس دور کے حالات تھے اور اس میں معیشت کا کلیدی کردار تھا۔ اس دور میں دنیا کی ستر فیصد پیداواری صنعت صرف انڈیا اور چین میں تھی جبکہ سترہ فیصد کا مالک یورپ تھا۔ اس دور میں باقی دنیا میں پیدوار کی شرح ایک فیصد سالانہ تھی۔ ان حالات میں بڑھتی ہوئی اور آبادی اور دنیا کی بڑھتی ہوئی ضروریات نے انسانوں کو قریب کر دیا اور یہیں سے عالمگیریت کی رفتار میں اضافہ ہوا۔ بعد ازاں یورپ نے بھی اپنی صنعت کو تیز کیا اور یوں اگلے اٹھارہ سالوں میں اس کی پیداوار پہلے سے دوگنی ہو گئی اور یوں دنیا نے تجارت کو بڑی تیزی سے پھیلتے ہوئے دیکھا۔ اب ایک طرف یورپ میں یہ پیداواری صلاحیت بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی لیکن انڈیا اور چین میں اتنی ہی تیزی سے سکڑ رہی تھی۔ انہی عوامل نے عالمگیریت کو پوری دنیا میں تیز رفتاری کے ساتھ پھیلنے کا موقع مہیا کیا [2]۔ پروفیسر کرافٹ کی تحقیق کا خلاصہ بھی یہی ہے [3]۔

معاشی عوامل اور عالمگیریت کا پھیلاؤ:

انہی معاشی عوامل کی وجہ سے عالمگیریت کے فروغ کو اتنی رفتار مہیا کی جو اس سے پہلے اور آج تک شاید ہی دیکھنے کو ملی ہو۔ اسی لیے مؤرخین اور محققین کے ہاں اس پھیلاؤ میں دو عوامل نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ایک؛ بین الاقوامی تجارت کی وسعت جس کا تعلق دنیا کی آبادی اور آمدن سے تھا اور دوم؛ اشیائے تجارت کا ارتکاز [4]۔ اسی لیے پچھلے دو سو سالوں کو عالمگیریت کی وسعت میں بنیادی کلید کہا جاتا ہے۔ اس کا پہلا دورانیہ 1850 سے لے کر 1914 تک ہے جو 1970 تک کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہا جبکہ دوسرے دور کا آغاز 1970 سے شروع ہوا جو اب تک جاری ہے اور یہی وہ دور ہے جب دنیا میں تجارت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی تھی اور عالمگیریت بھی اسی رفتار سے پھیل رہی تھی [5]۔

اس ضمن میں اگرچہ ماہرین کی آراء میں جزوی اختلاف موجود ہے لیکن اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ عالمگیریت کا پس منظر اور اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی جتنی انسانی تاریخ۔ جن مفکرین نے اسے کہیں بعد سے شروع کیا ہے ان کے نزدیک بھی بلواسطہ اس کا

---

1 McNeill, W.H. (2015). Chapter 11, Globalization: Long-Term Process or New Era in Human Affairs? Oxford, England. Oxford University Press. P.141

2 Rodrik, D. (2011). The Globalization Paradox: Democracy and the Future of the World Economy. New York, New York. Norton.P.24

3 Crafts, N. & Venables A , Globalization in History: A Geographical Perspective (2003) in “Globalization in Historical Perspective” Michael D. Bordo, Alan M.Taylor, & Jeffrey G. Williamson Publishers USA, P. 323-369

4 Findlay, R. & O’Rourke, K. Commodity Market Integration 1500-2000((2001), Oxford University Press. P.21

5 Rodrik, D. The Globalization Paradox: Democracy and the Future of the World Economy. P.24

تعلق اسی دور سے جڑتا ہے کیونکہ انہوں نے عالمگیریت کے پھیلاؤ میں جن عوامل کا تذکرہ کیا ہے جیسے معاشی اور غذائی ضروریات وغیرہ وہ عوامل شروع سے موجود تھے۔ لہذا یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں تو وہ عوامل عالمگیریت کی وجہ نہ رہے ہوں اور بعد کے دور میں ان کا اس سے گہرا تعلق ہو؟ اس لیے اگر مفکرین کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو اس دور کی عالمگیریت اور اس دور کی عالمگیریت کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

قدیمی/متروکہ عالمگیریت: (Archaic Globalization)

عالمگیریت کے نقطہ آغاز اور اس کے تاریخی پس منظر کے بارے میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔ کچھ لوگ اسے دور جدید کی اصطلاح قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ کے نزدیک اس کے ڈانڈے ماضی قدیم سے ملتے ہیں[1]۔ بلکہ عالمگیریت کا آغاز اس وقت سے ہو گیا تھا جب دنیا میں تجارتی مراسم استوار ہونا شروع ہوئے تھے۔ یعنی دنیا میں اس کا وجود تب سے ہے جب سے اس دنیا میں لوگوں نے تجارت کی غرض سے ایک خطے سے دوسرے خطے کا سفر کرنا شروع کیا اگرچہ اس وقت اس کی شکل کوئی بھی رہی ہو[2]۔ Thomas L. Friedman کے نزدیک عالمگیریت کے تین مشہور ادوار ہیں۔ اس کا آغاز 1492 سے ہوا اور اس سطح پر عالمگیریت نے مختلف ممالک کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ یعنی عالمگیریت اپنی ابتدا میں صرف ممالک کے مابین تھی۔ اس کے بعد اس کا دائرہ وسیع ہوا اور اس کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ یہ دور 1800 سے شروع ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ 2000 میں ہوتا ہے۔ اس دور میں عالمگیریت نے دنیا کے مختلف اداروں اور کمپنیوں اور دیگر نجی اداروں کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ اس کے بعد اس کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور اس کا ایک نیا سفر شروع ہوا جو 2000 سے لے کر تاحال جاری ہے۔ اس دور میں اس نے تمام افراد کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا۔ اس لحاظ سے اس کے پہلے دور کو ممالک کی عالمگیریت (Globalization of Countries)، دوسرے دور کو کمپنیوں کی عالمگیریت (Globalization of Companies) اور تیسرے دور کو افراد کی عالمگیریت (Globalization of Individuals) کہا جاتا ہے[3]۔

مشہور ماہر معیشت ڈاکٹر دیپک نیر بھی اسی نظریے سے متفق نظر آتے ہیں اور انہوں نے بھی عالمگیریت کے تاریخ، اس کی بنیاد اور اس کے ارتقا میں معیشت کو ہی عامل مانا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا کہ عالمگیریت کی تعریف میں بھی اختلاف اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ہر کسی نے اسے اپنے میدان فکر کے اعتبار سے جانچا ہے۔ سماجیات سے تعلق رکھنے والوں نے اس کی تعریف سماجیات کے حوالے سے، اخلاقی ماہرین نے اس کی تعریف اخلاقیات کے کے نقطہ نظر سے، جبکہ سیاسی ماہرین نے اس کی تعریف سیاسیات

---

1 Daniele (2010) 'The limits of cultural globalization?', Journal of Critical Globalization Studies, 3, PP. 36,59

2 Andre Gunder Frank, "Reorient: Global economy in the Asian age" U.C. Berkeley Press, 1998.P. 15

3 Thomas L Friedman, "It's a Flat World, After All", New York Times Magazine; Apr 3, 2005. P.15

کے حوالے سے کی ہے۔یہی اختلافی نقطہ نظر عالمگیریت کی تاریخ اور پس منظر بیان کرنے میں بھی ایک عامل کے طور نظر آتے ہیں۔دیپک کی نظر میں عالمگیریت کے پس منظر اوراس کے ارتقامیں معیشت کابڑا عمل دخل ہے۔اس کے مطابق 1870 سے لے کر 1913 تک کا عرصہ دولت کے ارتکاز کے حوالے کوئی خاص مقام نہیں رکھتا۔اس میں غیر مساوی ترقی تھی اور صنعت وحرفت بھی چند ایک گروہوں تک محدود تھی۔1860 میں معشیت کا یہ عالم تھا کہ دنیا کی دولت کے پانچ میں دو حصے صرف برطانیہ، جرمنی، فرانس اورامریکاکے زیر تسلط تھے۔1913 تک یہ مقدار دوسرے حصے سے بڑھ کر ساٹھ فیصد تک جا پہنچی۔یہ وہ عالمگیریت ہے جسے مفکرین ممالک کی عالمگیریت کے طور جانتے ہیں۔یہ صورتحال دیکھتے ہوئے برطانیہ اور فرانس کی چند کمپنیاں میدان عمل میں آئیں اورانہوں نے حکومت کے ساتھ مختلف سطح پر کام کرنا شروع کر دیااور یہاں سے کمپنیوں کی عالمگیریت کا دور شروع ہوا جو بعد میں انفرادی عالمگیریت پر منتج ہوا[1]۔

بلکہ ایک نظریہ تو یہ بھی ہے کہ آج کی جدید عالمگیریت کی جڑیں ما قبل تاریخ کے ادوار میں بھی ملتی ہیں۔دنیا کے مختلف براعظموں میں پائے جانے والے انسانوں کے آباؤاجداد کا ایک دوسرے کے براعظموں میں چلے جانااوراس طرح ان کے علاقوں کا پھیل جانا موجودہ دور کی عالمگیریت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔زراعت کی ترقی اور دنیا کے مختلف حصوں میں پائی جانے غذائی قلتوں نے انسان کوایک دوسرے قریب کیااوراس طرح جدید عالمگیریت کی بنیادیں اسی وقت قائم ہو گئیں لیکن اس کے باوجود یہ اس دور میں اس قدر متعارف نہ ہو سکی اوراس کو اتنی پذیرائی نہ مل سکی کیونکہ اس وقت اتنے طویل فاصلے اس قدر تیزی کے ساتھ طے کرنا ممکن تھااور نہ ہی ٹیکنولوجی اس قدر جدید تھی۔عالمگیریت کی موجودہ شکل کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا جب دنیا میں سرمائے اوراجرت میں تیزی آئی اوراس کے ساتھ ساتھ ذرائع نقل وحمل میں جدت آنے کی وجہ سے سفری سہولتیں آسان ہوئیں اوران کی لاگت میں بھی کمی آئی[2]۔

ابتدامیں اس کا آغاز صرف معاشی اور ثقافتی عالمگیریت میں ہوا۔اس وقت دنیا میں لوگ معیشت کے سلسلے میں دور دراز کے ممالک کا سفر کرتے تھے اوراس لحاظ سے لوگ ایک دوسرے کی ثقافت اور معیشت سے ہی متعارف ہوتے تھے۔اس لیے اس دور کی عالمگیریت کو متروکہ یا قدیمی عالمگیریت(Archaic Globalization) کہاجاتا ہے۔اس قسم کی عالمگیریت کا مرکز یونان کی قدیم تہذیب تھی اور یہ اس وقت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ قائم تھی جب یونان میں مختلف تجارتی ادارے یونانی تہذیب کا مدار سمجھے جاتے تھے۔بعد میں عالمگیریت کی یہی شکل ہندوستان میں آئی اورو ہاں سے ہوتا ہوئی سپین جا پہنچی۔اس قسم کے تجارتی مراکز اس وقت زیادہ تر یونان کے شہر ایتھنز، جرمنی اور فرانس کے کچھ شہروں میں قائم تھے۔ان مراکز کی وجہ سے اس وقت دنیا میں پہلی تجارت کو فروغ ملااورایک عالمی تجارتی مرکز کے تصورنے فروغ پایا۔ایک تصوریہ ہے کہ موجودہ عالمگیریت کی بنیادیں اس

1 Deepak Nayyar, Globalization, history and development: a tale of two centuries, in "Cambridge Journal of Economics January 30, 2006". P. 151

2 Steger, Manfred (2009). "Globalization: A Very Short Introduction". Oxford Universit Press.P. 45

وقت معرض وجود میں آئیں جب روم، قدیم یونانی ریاست پارتھیااور وسطی چین کے بادشاہوں کے درمیان تجارت نے فروغ پایا۔ان ممالک میں پائے جانے والے تجارتی تعلقات نے ایک ناگزیر گزر گاہ کو جنم دیا جسے شاہراہ ریشم کے طور جانا جاتا ہے اور یہ مغربی چین سے شروع ہوتی ہے اور ہندوستان سے ہوتی ہوئی روم تک جا پہنچتی ہے۔

اسلامی سنہری دور کو بھی اس عالمگیریت کی ایک کڑی کے طور جانا جاتا ہے۔اس دور میں مسلمان اور یہودی تاجروں کے اور سیاحوں نے ایک سستی اور سہولیاتی معیشت کو دنیا میں متعارف کرایا۔یہ لوگ دنیا کے مختلف خطوں سے آئے اور دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔اس دور میں دنیا مسلمانوں کی وجہ سے تجارت، علم اور ٹیکنالوجی کی ایک نئ جدت اور پہلو سے واقف ہوئی۔اس دور میں مسلم علاقوں میں سوت اور چینی بہت زیادہ کاشت ہوتی تھی۔اس چیز نے بھی انہیں متعارف کرایااور یہ دو چیزیں باقی لوگوں کی ضرورت بن رہ گئی۔یہ معاشیاتی عالمگیریت کی بنیاد بنی جبکہ ثقافت کی وجہ حج ہے۔دنیابھر کے مسلمان حج کی خاطر عرب میں جاتے تھے۔سفر کے دوران وہ مختلف علاقوں سے گزرتے اوراس طرح ان علاقوں والے مسلمانوں کی ثقافت سے متعارف ہوتے اوراسی مسلمان خود بھی مختلف علاقوں کی ثقافت سے روشناس ہوتے تھے۔ان دوامور کی وجہ سے ایک آفاقی اور ہمہ گیر عالمگیریت معرض وجود میں آئی[1]۔اسی دور میں منگولوں کی آمد ہوتی ہے اوران کی جنگوں کی وجہ سے پہلے سے قائم تجارتی مراکز جو عالمگیریت کی نشانی یابنیادیں سمجھے جاتے تھے تباہ ہو جاتے ہیں لیکن اسی دور میں انہی کی وجہ سے دنیاعالمگیریت کی افادیت سے بھی واقف ہوتی ہے کیونکہ اس دور میں منگول ایک باقاعدہ ڈاک کا نظام رکھتے تھے اورانہی کے دور میں طاعون اور کچھ دوسرے وبائی امراض پھوٹ پڑے جن کے علاج معالجے نے چین اورایشیاکے ایک دوسرے کے طریقہ علاج سے استفادہ کیاجو عالمگیریت ہی کی ایک شکل تھی۔اس دور میں ان وجوہات کی وجہ سے کی جانے تجارت، پھیلنے والا مذہب، ایک دوسرے کی ثقافت سے روشناسائی اور علاج کی سہولیات کاایک جگہ سے دوسری جگہ جاناعالمگیریت ہی کی شکل تھی جسے اس دور تک محدود کہاجاسکتاہے لیکن انکار نہیں کیاجاسکتاہے جو قدیمی عالمگیریت کے نام سے جانی جاتی ہے[2]۔یعنی دور قدیم میں بھی عالمگیریت کسی نہ کسی شکل میں رائج ضرور تھی اگرچہ اس کے اثرات موجودہ دور جدید کی طرح کے نہیں تھے مگر یہ موجود ضرور تھی۔

وسط مدتی یابنیادی عالمگیریت : (Proto Globalization)

عالمگیریت کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتاہے جب سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں سمندر میں یورپ ایک طاقت کے طور پر ابھرتاہے۔شروع میں پرتگالی اور سپینی بحریہ کا دور دورہ رہااور بعد میں اس میدان میں برطانوی بحریہ اس میدان کی سرخیل ٹھہری۔جب یہ لوگ سمندروں کو چیرتے ہوئے مختلف ممالک میں پہنچے تو وہاں اپنی ثقافت اور معیشت بھی متعارف کراتے چلے گئے اوراس یورپ سے آنے والے تاجر جہاں جہاں تجارت کی غرض سے گئے وہاں کی معیشت اور ثقافت سے متاثر

1 John M. Hobson (2004), The Eastern Origins of Western Civilization, PP. 29,30. Cambridg University Press. PP. 87,93

2 Jack Weatherford, *Genghis Khan and the Making of the Modern World*, Crown publisher USA 2004. P.125

ہوئے اوراس طرح ان کے ذریعے مختلف براعظموں کی معاشیات اور ثقافت سے وہاں کے رہنے والے لوگ متعارف ہوتے گئے اور بعض صورتوں کو اپناتے بھی گئے۔

یہ عالمگیریت ہی کی ایک شکل تھی لیکن بعد ازاں جب 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی وجود میں آئی تو عالمگیریت کو ایک کاروبار کا درجہ مل گیااور شاید اسی وجہ سے اس کمپنی کو پہلی ملٹی نیشنل کارپوریشن بھی کہاجاتا ہے۔اس کمپنی سے عالمگیریت کو اتنی شہرت اور پذیرائی ملی کہ اس کے ٹھیک دو سال بعد ایک اور کمپنی وجود میں آئی جس کا نام ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی تھا۔اس کے بعد کا زمانہ دریافت کا زمانہ کہلاتا ہے جس نے عالمگیریت کو نئے رجحان عطا کیے اوراس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں یورپ،ایشیائی اورافریقی بھی باقی دنیا کے ساتھ متعارف ہوئے اوران کی وجہ سے ان کا باقی دنیا کے ساتھ ثقافتی ، دیگرذرائع اجناس اورحیاتیاتی تبادلہ ہوااور یہاں سے وہ ایک دوسرے کی زندگی سے متعارف ہوئے اور عالمگیریت نے تیزی کے ساتھ اپناسفر شروع کیا۔اسی دور میں پینسلوانیااور پرتگالیوں نے دنیا کے مختلف خطوں کی طرف اپنے بحری مشن روانہ کیے تاکہ وہ نئی دنیائیں تلاش کر سکیں اوراسی صدی یعنی پندرھویں صدی (1492) میں کرسٹوفر کولمبس نے امریکادریافت کیا۔ مختصر یہ کہ سولہویں صدی شروع ہونے سے پہلے ہی پرتگالی برازیل اورایشیاکے ساتھ سونے ، غلام اور عمارتی لکڑی وغیرہ کی تجارت شروع کرچکے تھے اور یہ ساراکام ہاؤس آف انڈیا(House of India) کے زیر نگرانی کیاکرتے تھے جو موجودہ دور کی عالمگیریت کی وجہ بنا[1]۔

عالمگیریت کی انضمامی شکل:

امریکاکی ریاستوں کا یورپ کے ساتھ کاشتکاری، جانوروں،اشیائے خوردونوش،انسانوں کی غلامی اوردیگر انواع کا کاروبار جاری رہااور مختلف سطح پر ان کے یہ کاروبار اوران کی ثقافتیں ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہوناشروع ہوگئیں۔یہاں سے عالمگیریت کو انضمامی شکل نصیب ہوئی[2]۔اس سے پہلے کے ادوار کے اعتبار سے یہ عالمگیریت کے سب سے پراثر دور تھا جس نے اس دور کی زراعت، ثقافت، حیاتیات کو اپنی قابو میں کرلیا۔اس دور میں یورپی بحری جہازوں کے ساتھ آنے والے امریکی سپاہیوں اور عام عوام نے دنیاکی آبادی میں داخل ہوکر اپنے اثرات چھوڑے جس سے عالمگیریت کو ترقی ملی اور یہ پروان چڑھتی رہی یہاں تک کہ آج اس کی موجودہ شکل ہمارے سامنے ہے لیکن اس کی ابتداقدیمی عالمگیریت میں ہوئی اوراس کو فروغ اس دوسرے دور میں ملا۔[3]

جدیدعالمگیریت: (Modern globalization)

اس کے بعد انیسویں صدی کا آغاز ہوتا ہے اور یہ صدی عالمگیریت کو اس کی موجودہ شکل اختیار کرنے کی شاہد بھی بنتی ہے۔ اس دور میں عالمگیریت کے پھیلنے میں سب سے زیادہ کردار سستے گھر مہیاکرنے اورگھریلوسامان کی سستے داموں دستیابی

---

1 https://www.britannica.com/topic/House-of-India

2 Crosby, Alfred W., "The Columbian exchange: biological and cultural consequences of 1492", Greenwood Publishing Group. P.89

3 O'Rourke, K. H., and Williamson, J. G. (2002). 'When did globalization begin?'. *European Review of Economic History*. P. 23-24

کا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی اس صدی میں دنیا کی آبادی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی اوران کی رہائش کے سلسلے میں گھروں کی فراہمی ایک ایک اہم مسئلہ تھا۔ گھر بنانے کے لیے ضروری سامان کی اس دور میں بہت زیادہ مانگ تھی۔ اسی چیز نے اس دور میں عالمگیریت کو موجودہ شکل دینے میں اہم کردارادا کیا۔ اس دور میں چین بھی تجارت کے لیے پر تول رہاتھااور برطانیہ نے بھی ہندوستان کو فتح کرلیا تھا۔ اس لحاظ سے چین اورایشیا کے لوگ یورپی بازاروں کے خریدار بننے کے لیے تیار تھے۔ اس طرح ان کے درمیان برآمدات اوردرآمدات کا سلسلہ شروع ہوا جو صرف اشیائے ضروریہ کو ساتھ نہیں لایابلکہ ایک دوسرے کی ثقافت بھی متعارف کرا گیا۔ اسی دور میں افریقہ سے ہیرے اور جواہرات کی آمد شروع ہوئی جس کے ذریعے وہ ممالک بھی دنیا کے ساتھ پوری طرح مربوط ہوگئے۔ یہ اس دور میں ناگزیر بن گئے کیونکہ اس وقت یورپ اورامریکا کو ایندھن کی بہت ضرورت تھی اوراس کا زیادہ ترانحصار کوئلے پر ہی ہوتا تھا۔

اس طرح عالمگیریت کو ایک نئی طرح فراہم ہوئی۔ اسی دور میں ٹیکنالوجی نے بھی بڑی تیزی سے ترقی کی جس کی وجہ سے عالمگیریت کو بھی اسی تیزی کے ساتھ فروغ ملا کیونکہ اس سے پہلے معلومات اور حالات کا ایک جگہ سے دوسری جگہ اتنی تیزی کے ساتھ پہنچانا ممکن نہیں تھا۔ ذرائع نقل وحمل میں تیزی نہ ہونے کی وجہ سے مختلف کاروباری اداروں کا سمندر پار کاروبار کرنا ممکن نہ تھا لیکن انیسویں صدی میں ان چیزوں میں جدت اور تیزی آنے کے باعث یورپی اورامریکی کاروباری حضرات بڑی تیزی سے دوسرے ممالک میں سکے جمانے لگے اوران ممالک کی معیشت اور ثقافت کو بھی متاثر کرنے لگے [1]۔ سٹیگر کا بھی یہی کہنا ہے لیکن اس نے مزید یہ اضافہ کیاہے کہ ان کمپنیوں کی کاروباری لگن اتنی زیادہ تھی کہ وہ مختلف معدنیات اورذخائر کی تلاش میں دوسرے ممالک میں بھی جانکلیں اور اس طرح پہلی جنگ عظیم سے پہلے ٹھیک 1850 شروع ہونے سے قبل دنیا میں تجارت ایک عالمی حیثیت اختیار کرچکی تھی اوراس طرح اس کرنسی کا وسیع پیمانے پر پھیلاؤ اورذخائر کو اپنانا ایک ناگزیر امر بن گیا [2]۔ اسی وجہ سے بعض لوگ پہلی عالمی جنگ میں معاشیاتی عالمگیریت کو بھی ایک اہم کردار کے طور پر مانتے ہیں [3]۔

شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ یورپی ٹیکنالوجی اوران کی پوری دنیا میں مارکیٹنگ سے کشیدہ ثقافتی عالمگیریت کو پوری دنیا میں امریکی ثقافت کے تسلط کی ایک کڑی سمجھا گیا لیکن جلد ہی اس کے مخالف ایک اوراعلامیہ ظاہر ہوا جس نے عالمگیریت کے خلاف احتجاج کرنا شروع کردیا جس کے مقابلے میں مقامی شناخت، مقامی انفرادیت اور مقامی یکتائی کو فروغ دینے کے لیے جدوجہد شروع کردی [4]۔

---

1 Michael D. Bordo, Barry Eichengreen, Douglas A. Irwin. Is Globalization Today Really Different than Globalization a Hundred Years Ago? NBER Working Paper No. 7195. Jun 1999. P.35

2 Steger, Manfred. *Globalization:* A Very Short Introduction. United States: Oxford University Press Inc. New York, 2009. P. 28–37

3 V.M Yeates. Winged Victory. Jonathan Cape. London. 1962 PP. 54,55

4 Jurgen Osterhammel and Niels P. Peterson. *Globalization: a short history*. (2005) P. 8

الغرض عالمگیریت کی موجودہ شکل کا آغاز تجارت سے ہوا۔ شروع میں یہ صرف ممالک کے درمیان پروان چڑھتی رہی لیکن بعد میں مختلف کمپنیوں سے ہوتی ہوئی انفرادی سطح تک آپہنچی۔ اسی وجہ سے عالمگیریت کو زیادہ تر معاشی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پروفیسر جم، اینڈریو اور گرنن کی تحقیقات کا بھی یہی نچوڑ ہے کہ شروع میں انسان تجارت کی غرض سے ایک دوسرے ممالک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ان علاقوں میں اپنی اشیائے خوردونوش کو فروخت کیا اور وہاں سے کچھ خرید کر وطن واپس لے گئے۔ بعد میں جنگ کی وجہ سے بھی کچھ لوگ مختلف ممالک کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس کے علاوہ دنیا کی مختلف ضروریات بڑھیں تو انہیں وہ اشیائے ضرورت دوسرے ممالک سے منگوانا پڑیں۔ یہ کام ہوتا رہا اور یہی عالمگیریت کی شکل تھی لیکن جدت اور ذرائع نقل حمل نہ ہونے کی وجہ سے دنیا اس سے روشناس نہ ہو پائی لیکن بعد سفری سہولیات اور بین الاقوامی تجارت میں آسانی ہونے کی وجہ سے یہ اس قدر تیزی سے پھیلی کہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور صرف معیشت ہی نہیں بلکہ دنیا کی سیاست اور ثقافت بھی اس کی زد میں آئی جس سے معاشی عالمگیریت کے ساتھ سیاسی اور ثقافتی عالمگیریت کی اصطلاح بھی معرض وجود میں آئی۔[1]

عالمگیریت کا دائرہ نفوذ:

عالمگیریت کے بارے میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے کچھ لوگ اس کی تائید میں اور کچھ مخالفت میں اور اس ضمن میں ہر دو طبقوں کے اپنے اپنے دلائل بھی ہیں اور اس کی افادیت یا عدم افادیت کا انحصار اس کے دائرہ نفوذ کے اعتبار سے ہے۔ کچھ مؤیدین کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں پائی جانے والی مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا جائے، ہر تہذیب کے ماننے والے، دوسری تہذیبوں سے بھی اچھی باتیں اخذ کریں اور اُنہیں اپنی زندگی میں جگہ دیں، اس کے لیے مختلف تہذیبوں کے نمائندے، باہمی مذاکرات کی راہ اپنائیں اور ہر تہذیب کی قابل قبول باتوں پر اتفاق کر لیں، اس طرح ایک عالمی تہذیب اور یکساں ثقافت کا وجود ہو سکتا ہے۔ اس کے دائرہ نفوذ کا ایک پہلو تہذیبی ہے۔

مائیکل بگنن (Michel Bugnon Mordant) کے مطابق کسی بھی قوم کا تہذیبی ورثہ اس کی زبان، تاریخ، مہارت و لیاقت، فنی ادبی اور علمی صلاحیتیں رسوم و رواج اور اس کے اقدار ہوتے ہیں، جس طرح یہ مذکورہ چیزیں تمدن کا ایک حصہ ہیں، اسی طرح کسی قوم کا لباس، کھانے پینے کی اشیا، اُسلوبِ عمل، کھیل کود کے طریقے، محبت و مسرت اور خوشی و غم کا انداز اور اس کے احساسات و جذبات بھی ثقافت میں شامل ہیں، اگر ہم کسی قوم سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ اپنی مذکورہ صفات سے کنارہ کش ہو جائے، اپنے اندازِ فکر اور احساسات و نظریات سے عہدہ بر آ ہو جائے اور اپنی زبان و لباس کو تبدیل کر دے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس قوم سے اس کی ثقافت کو سلب کر رہے ہیں اور اس کے تمدن کو چھین کر، دوسری تہذیب اس پر مسلط کر رہے ہیں [2]۔

1 Jim Sheffield, Andrey Korotayev and LeonidGrinin, Globalization Yesterday, Today and Tomorrow, Emergent Publications Litchfield Park USA 2013. P.xx-xxvi

2 Michel bugnon Mordant, L' Amerique Totalitaire Translated by Dr. Hamid Ferzat to arabic in the name ofTranslated to;

من منشورات اتحاد کتب العرب 2003، ص:108 امریکا المستبدۃ: الولایات المتحدۃ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم (العولمۃ)،

اب اگر وہ قوم ان تبدیلیوں کو قبول کرلے اور اپنی ثقافت سے منہ موڑلے، تو گویا اس نے پنے تشخص کا خاتمہ کر دیا او راپنے وجود پر سوالیہ نشان لگا دیا۔ گلوبلائزیشن جہاں سیاسی اور اقتصادی سطح پر اپنے آپ کو نافذ کرنا چاہتا ہے، وہیں تہذیب و ثقافت کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ سیاست اور معیشت کے بعد، اس کا مقصد یہ ہے کہ ثقافت کی بھی عالم کاری کر دی جائے اور پوری دنیا پر ایک ہی طرح کا تمدن مسلط کر دیا جائے۔ لوگوں میں رنگ و نسل کا اختلاف تو پایا جائے (جو قدرتی اور یقینی ہے)، لیکن زبان، مزاج و مذاق، رہن سہن اور معیارِ زندگی، حتیٰ کہ فکر و نظر میں بھی مماثلت اور یگانگت قائم ہو جائے۔ لوگوں کی زبان ایک ہو، جبکہ بقیہ زبانیں تاریخ کے حوالے کر دی جائیں، ان کے احساسات و نظریات ایک طرح کے ہوں، تاکہ نظریات کے اختلاف کی وجہ سے، کسی کے مفادات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی ہو سکے اور ان کا طرزِ زندگی بھی ایک ہو، تاکہ زندگی میں پر تعیش اشیا کو بنانے اور فروخت کرنے والی کمپنیوں کو کبھی کساد بازاری کی شکایت نہ ہو سکے۔[1]

دائرہ نفوذ ہی کے سلسلے میں اس کا دوسرا رخ اپنی تہذیب کو دوسروں کی تہذیب پر حاوی کرنا ہے۔ ہر باشعور اور زندہ قوم، اپنی تہذیب و تمدن کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتی ہے، اس کے نزدیک ثقافت سے بڑھ کر کوئی اجتماعی دولت نہیں ہوتی، اس لیے قدیم زمانے ہی سے تہذیب و ثقافت کی نشر و اشاعت کا سلسلہ قائم ہے، ہر قوم نے اپنے تمدن کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، فرق یہ ہے کہ کسی نے امن کی راہ اختیار کی، تو کسی نے پر تشدد طریقے سے یہ کام انجام دیا۔ چنانچہ قدیم مصری تاریخ میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ اس زمانے کی مصری تہذیب ہی دیگر اقوام کے لیے نمونہ سمجھی جاتی تھی، بقیہ تہذیبیں اپنے اپنے علاقوں تک محدود تھیں یا ان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھا چاہتا تھا، مصری تہذیب کے بعد یہ مقام و مرتبہ کنعانی ثقافت کو حاصل ہوا، قدیم ہندوستان کی ثقافت کو بھی یہ مرکزیت حاصل رہ چکی ہے۔ چین کا تمدن بھی اپنے زمانے میں لوگوں کے لیے باعثِ تقلید بنا ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب اور اسلام سے ما قبل کی ثقافتوں میں فرق یہی رہا ہے کہ جس طرح اسلام، اخلاق و مساوات اور بلند اقدار جیسی تابندہ تعلیمات کے نتیجے میں چار دانگ عالم میں پھیلا ہے، اسی طرح اسلامی تہذیب نے بھی اپنی امتیازی خصوصیات کی بنا پر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا ہے اور اقوامِ عالم نے رنگ و نسل کے اختلاف کے باوجود اس میں کشش محسوس کی ہے جبکہ سابقہ اقوام نے اپنی ثقافت کو رائج کرنے کے لیے طاقت و قوت اور تشدد کی راہ اختیار کی اور زبردستی لوگوں کو اپنی تہذیب کا ہم نوا بنایا۔[2]

عالمگیریت کا پھیلاؤ اور ذرائع ابلاغ:

دائرہ نفوذ ہی کے سلسلے کی ایک اور کڑی تہذیبی بدلہ بھی قرار دی گئی ہے اور اس ضمن میں ذرائع ابلاغ کو کلید مانا جاتا ہے۔ آج جب تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا ہے اور تقدیر نے مغرب کو مشرق پر فوقیت عطا کی ہے تو مغربی تہذیب و تمدن کے ماننے والوں کی یہی کوشش ہے کہ وہ اپنی تہذیب کو اطراف عالم میں رائج کر دیں۔ وہ لوگ اپنی ان کوششوں میں بڑی حد تک کامیاب بھی

1 زکی، محمد زکی المیلاد، الاسلام والعولمہ: لماذا لا تکون العولمۃ مکسباً لنا؟، دار التقدمیۃ للعربی بیروت 2006، ص: 17

2 حنفی، الدکتو حسن الحنفی و صادق جلال العظم، ما العولمہ، دار الفکر العربی بیروت 1994، ص: 38

ہیں، اس لیے کہ مغربی تہذیب اگرچہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے یکسر عاری ہے، لیکن اس کی نشر واشاعت میں تشدد کا زیادہ حصہ نہیں رہا ہے بلکہ اس مرتبہ مغربی تہذیب کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لیے نئے طریقے ایجاد کیے گئے اور اُن پر بڑی چالاکی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے عمل درآمد کیا گیا، اسی طرح انفارمیشن اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بڑھتی ہوئی ترقی نے مزید کام آسان کر دیا اور مغربی تہذیب کو اس کے کھوکھلا ہونے کے باوجود دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ آج ہم جس تہذیب کو مغرب کی جانب منسوب کرتے ہیں وہ دراصل امریکی تہذیب ہے، اس لیے کہ یورپ کے پاس، جو ماضی میں ایک منفرد تہذیب کا حامل تھا، اب کچھ بچا ہی نہیں، جس کو وہ تہذیب کا نام دے۔ چند ممالک نے بہت دیر میں غفلتوں سے بیدار ہونے کے بعد اپنی زبان کو ثقافتی ورثے کی حیثیت سے بچانے کی کوشش شروع کی ہے، ورنہ زبان کے علاوہ اب یورپ کے پاس اپنا کچھ نہیں رہ گیا، بلکہ سب کچھ امریکی رنگ میں رنگ چکا ہے، اس لیے زبان کے استثنا کے ساتھ مغربی تہذیب دراصل امریکی تہذیب ہی کہلاتی ہے، جسے امریکہ نے یورپ سمیت پوری دنیا میں مواصلات کے ذریعے عام کیا اور اس میدان میں ترقی کی رفتار کے ساتھ ساتھ امریکی تہذیب کے پھیلاؤ میں تیزی آتی گئی۔

عالم گیریوں کو اس بات کا اندازا تھا کہ مستقبل میں اگر سیاسی اور اقتصادی میدان میں اپنی بالادستی قائم رکھنی ہے تو امریکی ثقافت کی بھی عالم کاری کرنی ہو گی، اس مقصد کے لیے اُنہوں نے 'مواصلات' کو، بہ الفاظ دیگر ذرائع ابلاغ کو ذریعہ بنایا۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ اگر پورے عالم کی امریکہ کاری کرنی ہے تو امریکی طرزِ زندگی کو مثالی اور قابل تقلید بنانا ہو گا، لوگوں کی عقلوں پر کمند ڈال کر ان کو اپنے قابو میں لینا ہو گا۔ لوگوں کے افکار و خیالات پر شب خون مارنے کے لیے اُنہوں نے ذرائع ابلاغ کا انتخاب کیا اور اس راہ سے پوری دنیا میں امریکی ثقافت کو قابل تقلید بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ درحقیقت عالم گیریوں نے یہ طریقہ کار یونانیوں سے اخذ کیا تھا، 'سقراط' کے زمانے میں ہی یونان کے فرماں رواؤں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ محض سیاست کے گلیاروں پر قبضہ کر کے اپنے اقتدار کو دوام نہیں بخشا جا سکتا، اس کے لیے عوام کی ذہن سازی کرنی ہو گی۔ انہیں اپنے تیار کردہ نقشہ راہ پر چلانا ہو گا، اپنے رسوم و رواج کو ان کے نزدیک پرکشش بنانا ہو گا اور اُن کی سوچ کو اپنی سوچ کے مطابق ڈھالنا ہو گا، یہی طریقہ عالم گیریوں نے اپنی تحریک کو دوام بخشنے کے لیے اختیار کیا اور اس طریقے کو ہمہ گیر بنانے کے لیے ذرائع ابلاغ کا انتخاب کیا[1]۔

امریکی ثقافت اور ذرائع ابلاغ:

دائرہ نفوذ میں ان ذرائع ابلاغ کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غیر مسلم عالمگیریت خصوصا امریکی ثقافت کے فروغ میں، اس قسم کے وسائل نے اہم کردار ادا کیا، جس پر امریکہ نے آغاز ہی سے اپنا کنٹرول قائم کر لیا تھا اور امریکہ کے واسطے سے یہودیوں نے ذرائع ابلاغ کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا جو آج تک اُنہی کے زیر اثر ہے اور بدقسمتی سے جمہوریت کا چوتھا

---

1 مائیل بگنن، امریکا المستبدۃ: الولایات المتحدۃ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم (العولمۃ)، ص: 102، 108

ستون کہلاتا ہے۔ یوں تو امریکی ذرائع ابلاغ کو 'امریکی میڈیا' کہا جاسکتا ہے، لیکن درحقیقت یہ خالص یہودی میڈیا ہے جو ارب پتی یہودی تاجروں کے زیر اثر ہے اور یہودی کمیونٹی کا سب سے بڑا ہتھیار سمجھا جاتا ہے، حتیٰ کہ امریکی سیاست پر بھی اس کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ انتخابات میں کھڑا ہونے والا ہر اُمیدوار، اپنی جیت کو یقینی بنانے کے لیے یہودی میڈیا کی خوشامد کرتا نظر آتا ہے۔ عالمگیریت کے دائرہ نفوذ میں شاید میڈیا کی ناگزیریت ہی کا نتیجہ تھا کہ مختلف ممالک نے اس طرف خصوصی توجہ دی اور اپنی اپنی تہذیب و معیشت کے پھیلاؤ میں ذرائع ابلاغ کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور استعمال کیا۔ اس کا سب سے زیادہ نشانہ مسلم ممالک اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ممالک بھی بنے جو ترقی پذیر تھے اور اس طرح ان ممالک کو آج بھی اپنے تہذیبی بقا کے خطرے کا سامنا ہے اور اس ضمن میں یورپ اور خصوصاً امریکی میڈیا سب سے کردار ادا کر رہا ہے [1]۔

عالمی خبر رساں ادارے:

اس حوالے سے عالمی نیوز ایجنسیوں کا کردار سب سے اہم ہے۔ یہ ایجنسیاں دونوں طرح کے میڈیا پر مشتمل ہیں۔ عالمی نیوز ایجنسیوں کا جب تذکرہ آتا ہے تو مشہور خبر رساں ایجنسی 'رائٹر' کا نام سرفہرست آتا ہے۔ یہ ایجنسی برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ذرائع ابلاغ کو سب سے زیادہ خبریں فراہم کرتی ہے، لیکن خود اس ایجنسی کا حال یہ ہے کہ اس کی اکثر خبریں، امریکی خبر رساں اداروں سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ یہ ذرائع بلا مبالغہ پوری دنیا میں کسی بھی ملک کی پالیسی کے لیے ماحول سازگار کرنے میں سب سے زیادہ مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح ایسے ممالک اپنے مضبوط ترین ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہی، کروڑوں لوگوں کے افکار و خیالات کو ہم آہنگ بنانے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ مائیک بگنن کے مطابق امریکا میں وسیع ترین میڈیائی جال ہی کی بدولت امریکی ثقافت و رسوم و رواج پوری دنیا میں پھیلے ہیں، حتیٰ کہ امریکی میڈیا نے اس بات پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی ہے کہ لوگ خواہ دنیا کے کسی بھی خطّے سے تعلق رکھتے ہوں، امریکن انداز ہی پر انگلش زبان لکھیں اور امریکی طریقے کے مطابق ہی انگلش لفظ کے ہجے 'اسپیلنگ' کریں۔ اس ضمن میں مختلف الفاظ میں امریکی اور برطانوی بعض الفاظ کے سپیلنگ میں "s" اور "z" کا فرق ہوتا ہے کہ لیکن میں لکھتے ہوئے یہ امریکی سافٹ وئیر برطانوی سپیلنگ کو غلط قرار دیتا ہے۔ عالمی رائے کی ہمواری میں عراق جنگ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ دائرہ نفوذ کے اس عمل میں لائیو طرز عمل کو ایک اور مؤثر ہتھیار کے طور دیکھا گیا ہے۔ جیسا کہ اس ضمن میں لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے یہ آپشن پیش کیا جاتا ہے اور اس طرح لوگ اس جنون میں ان کے کسی پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن اس دوران اگر ان میں سستی در آئے تو ساتھ میں کسی دوسرے عمل کو شریک کار کر کے ان کے عدم دلچسپی کے ارتکاز کو توڑا جاتا ہے اور اس طرح دنیا کے مختلف ممالک میں بسنے والے لوگوں تک اپنے ملک کے حق میں جہاں ایک طرف رائے عامہ ہموار کی جاتی ہے وہیں دوسری طرف اپنی معیشت اور ثقافت کو بھی متعارف کرا کے دوہرا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ [2]۔

---

1 مائیل بگنن، امریکا المستبدۃ: الولایات المتحدۃ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم (العولمۃ)، ص:14-113

2 ایضاً، ص:20-115،

ہالی ووڈ کا کردار:

عالمگیریت کے دائرہ نفوذ کا ایک رخ فلم بھی ہے۔یعنی فلموں کے ذریعے اپنے مقاصد خصوصا ثقافت اور معیشت کی بڑھوتری کو یقینی بنایا جائے۔اس ضمن میں ہالی وڈ انڈسٹری کا نام لیا جاسکتا ہے۔امریکی فلمی صنعت کے اس سیلاب کا اثر ہر ملک میں دیکھا جاسکتا ہے۔جرمنی ان یورپی ممالک میں شمار کیا جاتا ہے جو اپنی زبان کے سلسلے میں بہت حساس ہیں، لیکن اس کے باوجود جرمنی کی فلمی صنعت پر 85 فیصد امریکی سینما کا غلبہ ہے۔'برلن' کے بڑے بڑے 'اسٹوڈیوز' میں امریکی فلمیں بنائی جارہی ہیں اور عالمی سطح پر ان فلموں کی تشہیر کے ذریعے امریکی ثقافت کو فروغ دیا جارہا ہے۔حال ہی میں امریکی فلمیں تقسیم کرنے والے ایک ادارے AMC نے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ ہر ملک میں ایسے کمپلیکس تعمیر کرے گا جن میں سے ہر ایک میں کم از کم 20 سینما گھر ہوں گے۔ اس ادارے کے نمایندوں نے فرانس کی 'اونیفرنس' کمپنی کے ساتھ پیرس میں ایک معاہدے پر دستخط بھی کیے ہیں۔ نمائندوں کا کہنا ہے کہ اس اقدام سے فرانسیسی فلموں کی حوصلہ افزائی ہوگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے فرانسیسی بازاروں میں امریکی فلموں کو مزید آزادی حاصل ہوگی اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کا موقع ہاتھ آئے گا۔یورپ کے ایک دوسرے ملک سوئٹزر لینڈ میں بھی کچھ یہی صورتِ حال ہے، جہاں سینما گھروں میں روزانہ 10 فلمیں دکھلائی جاتی ہیں، جن میں 9 امریکی فلمیں ہوتی ہیں، جب کہ دسویں فلم بھی ضروری نہیں کہ یورپ یا خود سوئٹزر لینڈ کی بنی ہوئی ہو۔پولینڈ میں صرف ایک فی صد سینما گھروں میں مقامی فلمیں دکھلائی جاتی ہیں، جب کہ باقی سینما گھر امریکی فلموں کے لیے مخصوص ہیں، ہنگری میں 3 فیصد سینما گھر مقامی فلموں کے لیے اور 97 فیصد سینما گھر امریکی فلموں کے لیے خاص ہیں۔امریکی ثقافت کو فروغ دینے کا کام کتنے منظّم انداز سے چل رہا ہے، اس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کی 6 بڑی کمپنیاں جو عالمی بازار پر حاوی ہیں، جب کسی ملک کے ساتھ کوئی بڑا سودا کرتی ہیں تو ساتھ ہی ان کی یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے یہاں اُن امریکی فلموں کو آزادی کے ساتھ دکھائے جانے کی اجازت دیں جو کسی وجہ سے امریکہ اور یورپ میں نہیں چل سکیں اور پٹ گئیں[1]۔

امریکی فلموں کی عالمی سطح پر تشہیر کی وجہ سے آج کوئی ملک باقی نہیں بچا، جہاں امریکی ثقافت اور تمدن نے اپنے پنجے نہ گاڑدیے ہوں، نوجوان نسل سب سے زیادہ اس سیلاب سے متاثر ہوئی۔ ہر ملک میں نوجوانوں کی اکثریت نے اپنی ملکی اور قومی تہذیب سے رُخ موڑ لیا اور امریکی تہذیب کی دل دادہ بن گئی۔یہی عالمگیریت کا مقصد بھی ہے کہ قومی تہذیبوں اور ثقافتوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور امریکی تہذیب کو پوری دنیا میں رائج کر دیا جائے۔لباس، تہذیب و تمدن، زبان و ادب کسی بھی قوم کی پہچان ہوتے ہیں لیکن عالمگیریت کے ان میدانوں میں نفوذ کی وجہ سے اب ترقی پذیر ممالک میں تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ وہاں لوگ یورپی لباس پہننے اور انگریزی زبان بولنے اور ہالی وڈ کی فلمیں دیکھنے باشعور ہونے کی علامات کے طور پر دیکھنے لگے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کے اپنے کھانے ہونے کے باوجود ثقافتی سیلاب کے نتیجے میں چند بے ذائقہ کھانے ہی فیشن اور ترقی کی علامت بن گئے، جن کو فاسٹ

---

1 مائیل بگنن، امریکا المستبدۃ: الولایات المتحدۃ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم (العولمۃ)، ص:122، 112

فوڈ کے نام سے جانا جاتا ہے، 'ہاٹ ڈوگ'، 'ہیمبر گر' اور 'پیزا' کھانا لوگوں کی پہلی پسند بن گیا ہے۔ امریکی کلچر کی نمائندگی کرنے والے 'مکڈ انلڈ'، 'بر گر کنگ' اور 'پیزا ہٹ' نامی ریسٹورینٹ ہر ملک اور ہر شہر میں کھل چکے ہیں، جہاں لمبی لمبی قطاروں میں لوگ دوڑے ہوئے آرہے ہیں[1]۔

دائرہ نفوذ میں اسی تنوع کا نتیجہ ہے کہ "اوک بروکس" نامی شہر میں ایک "ہیمبر گر" نامی یونیورسٹی قائم ہے، اس یونیورسٹی میں درس گاہوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے لیکچر ہال بھی ہیں، جبکہ 26 زبانوں میں ترجمہ کرنے والے مترجمین اور 25 پروفیسر اس جامعہ میں تعلیم وتربیت پر مامور ہیں، یہاں سے اب تک 65 ہزار افراد کو 'ہیمبر گر' سازی میں 'بی اے' کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ اس یونیورسٹی سے ہر سال 7 ہزار افراد تیار ہوتے ہیں، یورپ میں اس کی 15 شاخیں اور 100 تربیتی مراکز ہیں، پوری دنیا میں 'ہیمبر گر' فروخت کرنے والے ہر ریسٹورنٹ کا اس یونیورسٹی یا اس کی کسی شاخ سے رابطہ رہتا ہے۔ 'مکڈ انلڈ' نامی ریسٹورنٹ میں اچھی ملازمت حاصل کرنے کے لیے ان مراکز سے ٹریننگ لینا ضروری ہے، 'ہیمبر گر' یونیورسٹی میں اکثر اسباق روزانہ کے کاموں سے متعلق پڑھائے جاتے ہیں، اس یونیورسٹی کی زیادہ تر توجہ تعلیم کے بجائے تربیت پر ہے کہ 'مکڈ انلڈ' میں کام کرنے والے افراد کیسے عام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں اور کس طرح لوگوں کے ساتھ پیش آئیں[2]۔ دائرہ نفوذ کا یہ پھیلاؤ صرف ماکولات کی حد تک مقید نہیں ہرا بلکہ اس نے مشروبات کے میدان میں عالمگیریت کے رجحان کو پروان چڑھایا۔ اگر کسی نے اس کے خلاف کچھ کرنے کی کوشش بھی کی تو اسے دقیانوسی خیالات کا حامل ٹھہرا کر دیوار کے ساتھ لگادیا گیا اور مقامی مشروبات کو ناقص کہہ کر ایک طرف رکھ دیا گیا۔ اس ضمن میں فرانس کی مختلف امریکی مشروبات کے خلاف کوششوں کو ایک مثال کے طور دیکھا جاسکتا ہے[3]۔

عالمگیریت کے دائرہ نفوذ کا ایک اور پہلو ہمہ گیریت ہے۔ ثقافتی پہلو کے اعتبار سے دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک: انفارمیشن اینڈ ٹیکنالوجی کا فروغ جس میں ذرائع ابلاغ اور فلمیں وغیرہ بھی داخل ہیں، دوم: قوموں اور معاشروں کے درمیان مشابہت اور یکسانیت کا بڑھتا ہوا تناسب یعنی پوری دنیا میں ایک ہی طرح کی تہذیب اور ایک ہی نوعیت کا تمدن مسلط کر دیا جائے اور روئے زمین پر بسنے والے لوگوں کو سٹیلائٹ، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے تاکہ ایک مخصوص طبقہ جب بھی چاہے، اپنے نظریات وخیالات کو ان آلات کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلا دے۔ نتیجتاً ہر قوم کی روایات اور اقدار الگ الگ نہ رہیں، بلکہ ایک ہو جائیں۔ پوری دنیا کے سوچنے کا طریقہ ایک ہو، لوگوں کے غور وفکر کرنے کا انداز یکساں ہو، ان کی خواہشات، ان کی دلچسپیاں، رہن سہن، آدابِ گفتگو، اُٹھنا بیٹھنا غرض یہ کہ ہر چیز میں مماثلت ہو۔[4]۔

---

1 ایضاً، ص:126

2 العصمی، محمد بن سعود العصمی، منظمۃ التجارۃ العالمیۃ والعولمۃ الاقتصادیۃ، دار الفکر العربی بیروت 2000ء، ص:46

3 مائیل بگنن، امریکا المستبدۃ: الولایات المتحدۃ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم (العولمۃ)، ص:127

4 الفاوی، از ڈاکٹر عبد الفتاح احمد الفاوی، الثقافۃ العربیۃ فی عصر العولمۃ، اخبار الأھرام: 22، فروری 2001ء

خریداری کے جدید طریقے:

دائرہ نفوذ ہی کے حوالے سے ہی ایک پہلو یہ ہے کہ خرید و فروخت اور مغرب پرستی گلوبلائزیشن کے قائدین کو اس بات میں بڑی دلچسپی رہی ہے کہ پوری دنیا میں خرید و فروخت اور اس قبیل کے تمام معاملات مغربی طرز پر انجام دیے جائیں، خریدار اپنی جیب میں کرنسی کے بجائے، کچھ 'کارڈز' رکھے جن پر اس کا نام اور دیگر ضروری معلومات درج ہوں، کارڈ کو مخصوص مشین میں ڈال کر دوکاندار مطلوبہ رقم اپنے 'بنک اکاؤنٹ' میں منتقل کر دے، عالمگیریت کے ٹھیکے داروں کی اس خواہش کے مطابق آج پوری دنیا میں اس طریقۂ تجارت کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، لوگ کرنسی کے بجائے کارڈز کے ذریعے لین دین کرنے کو فوقیت دینے لگے ہیں۔ اس طرح پوری دنیا میں جہاں بھی کسی قسم کا لین دین ہو گا، اس کا نفع ان دو بڑی کمپنیوں کو ضرور پہنچے گا۔ چنانچہ گلوبلائزیشن کے اس دائرہ نفوذ نے اس طریقہ تجارت کو قابل تقلید قرار دے کر ان کمپنیوں کا راستہ آسان کر دیا ہے اور فطری و طبعی طریقۂ تجارت کو فرسودہ قرار دے کر ساری دنیا کو اس جدید طریقے کے سحر میں جکڑ دیا ہے۔ نام نہاد جنسی ادب اور تشدد کی ثقافت کو فروغ ثقافتی گلوبلائزیشن کا ایک خطرناک اثر نئی نسلوں میں جنس پرستی اور تشدد کا فروغ ہے۔ اس عالمی فتنے کے تحت پروان چڑھنے والی نئی نسلیں، تشدد کو زندگی کے ایک طرز اور ایک فطری اُسلوب کے طور پر اپنا رہی ہیں۔ مار دھاڑ اور لڑائی کرنا نوجوانوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ فلموں میں فن کاروں کی طرح کودنا، چھلانگ لگانا اور ہاتھ پیر مارنا ہی ان کا مطمع نظر ہو گیا ہے[1]۔ نوجوانوں میں اسی قسم کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے نتیجے میں معاشرے کو مختلف سنگین جرائم کا سامنا ہے، ہر ملک میں قتل و غارت گری ایک عام سی بات ہو گئی ہے، جرائم پیشہ عناصر 'ہالی وڈ' اور 'بالی وڈ' میں بننے والی فلموں کے ذریعے جرائم کے نئے نئے طریقے سیکھ رہے ہیں اور حقیقی زندگی میں ان کا تجربہ کر رہے ہیں۔ نوجوان طبقہ اپنے قیمتی اوقات گھٹیا کاموں میں ضائع کر کے اپنے دین، اپنے اخلاق، اور اپنے کردار کو زبردست نقصان پہنچا رہا ہے۔ 'ٹی وی' اور سینما گھروں کے پردوں پر دکھلائی جانے والی فلموں نے اس طبقے کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں تشدد کے ساتھ ساتھ مغربی جنسی کلچر، انسانی زندگی، اس کی عظمت و قار اور شرافت و کرامت کے لیے ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ یہ مغربی فلمیں اور فحش ڈرامے خطرناک حد تک تعلیم، تمدنی زندگی اور معاشرتی تعلقات پر اثر انداز ہوئے ہیں، خصوصاً عالم اسلام مغرب کے بچھائے ہوئے اس جال میں بُری طرح پھنس چکا ہے[2]۔

مصر کے مؤقر جریدے نے قاہرہ میں واقع خواتین و اطفال سے متعلق ریسرچ سنٹر نے چودہ سو بہتر (1472) مصری خواتین کے درمیان ایک سروے کرایا، جس کے حیرتناک نتائج سامنے آئے ہیں، ان نتائج کو دیکھ کر عقل صرف ماتم ہی کر سکتی ہے۔ اس سروے کے خطرناک انکشافات سے پتا چلتا ہے کہ مصر میں 85 فیصد خواتین جنسی فلمیں دیکھتی ہیں، 75 فیصد فحش مناظر دیکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں، 85 فیصد لڑائی اور تشدد سے بھرپور فلمیں دیکھتی ہیں، 68 فیصد پرانی اور نئی بننے والی جذباتی فلموں میں

---

1 اموی، مسعود الظاہر، الثقافة العربية في مواجهة المتغيرات الدولية الراهنة، رسالة الفكر العربي المعاصر: بیروت، ص: 101

2 امینی، الدکتور جلال امین، العولمہ، دار الکتب المعارف العلمیہ 1995، ص: 126

رغبت رکھتی ہیں، 21 فیصد دیگر فلمیں جبکہ صرف 6 فیصد ٹی وی پر آنے والی خبریں اور ثقافتی پروگرام دیکھتی ہیں، مزید بر آں ان عورتوں میں سے کسی نے بھی معلوماتی فلم یا پروگرام دیکھنے کا تذکرہ تک نہیں کیا[1]۔

انٹرنیٹ اور عالمگیریت:

گلوبلائزیشن کا سب سے بڑا آلہ کار 'انٹرنیٹ'، جنسیت اور فحش کاری کو سب سے زیادہ فروغ دینے والا ہے، کمپیوٹر کی اسکرین کے سامنے اس عالمی نیٹ ورک پر بیٹھ کر صرف ایک مرتبہ کلک (بٹن دبانا) انٹرنیٹ پر فراہم کردہ فحش سروسز اور تصویروں کی راہ میں آنے والی دو بڑی رکاوٹوں: 'جہالت اور شرم' کو ختم کر دیتا ہے۔ انٹرنیٹ پر لاکھوں کی تعداد میں ایسی ویب سائٹس ہیں جن پر عریاں تصویریں، فحش پروگرام اور جنسی ہیجان برپا کرنے والی فلمیں کھلے عام پیش کی جاتی ہیں، انٹرنیٹ کی مدد سے دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھے ہوئے شخص کی ان تک رسائی ممکن ہے[2]۔

عالم اسلام اور عالمگیریت کا دائرہ نفوذ:

جہاں تک عالم اسلام میں اس کے دائرہ نفوذ کا تعلق ہے تو ایک دردناک صورت حال ا مُتِ مسلمہ کے ثقافتی تشخص کو مٹانے کی خاطر، عالمگیریت کا ایک تحفہ امریکی لباس اور اس سے متعلقہ چیزوں کا وہ سیلاب ہے جس میں پورا عالم اسلام آج غرق ہو چکا ہے، ان کپڑوں اور سامانوں پر انگلش زبان میں ایسے جملے لکھے ہوئے ہیں جو امریکی تہذیب کی ترجمانی کرتے ہیں، عالم عرب کی بڑی بڑی دکانوں اور تجارتی مراکز کے اشتہاری بورڈز، نیز ان میں فروخت ہونے والی اشیا پر عربی زبان کے بجائے انگلش میں فقرے اور جملے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور مقامی مصنوعات کی جگہ ان ہی مصنوعات کی سب سے زیادہ مانگ بھی ہے[3]۔ایک او ر حیرت ناک سروے سے عجیب و غریب انکشاف ہوتا ہے کہ دل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام کے مرکز و قلب اور ارضِ وحی و قرآن میں بسنے والے ان عربوں کی عقلوں نے کام کرنا بند کر دیا ہے یا انعاماتِ خداوندی کی ناشکری کی وجہ سے اللہ نے سزا کے طور پر ان کی عقلوں کو ہی سلب کر لیا ہے؟ 1995ء کے اعداد و شمار میں بتایا گیا ہے کہ صرف ایک سال میں سعودی عرب کی خواتین نے 538 ٹن لپ اسٹک (سرخی)، 43 ٹن نیل پالش (ناخن رنگنے والا مادہ)، اور 41 ٹن نیل پالش ریمور (نیل پالش زائل کرنے والا مادہ)، استعمال کیا ہے، جب کہ 232 ٹن آئی لائنر (مسکارا یعنی آنکھوں کو پرکشش بنانے والا مادہ) اور 445 ٹن مختلف رنگوں کے خضاب استعمال کیے ہیں، نیز 1200 سے 1500 ملین ریال پرفیوم پر خرچ کیے ہیں۔ صرف گرمی کے موسم میں چار ہزار چار سو (4400) خواتین نے 110 ملین ریال کے مغربی طرز کی شادی کے کپڑے سلوائے، اوسطاً 8 ہزار ریال ایک شادی کے

---

1 اخبار 'اکتوبر' مصر، عدد 216، 1997ء

2 مجاہدہ، الدکتور جمال المجاہدہ، الاسلام والامۃ الاسلامیۃ للمہاتیر محمد، دار احیاء التراث العربی بیروت۔ 2006ء، ص: 33

3 الفاوی، الثقافۃ العربیۃ فی عصر العولمۃ، فی "الأہرام"، 2001ء / ایضاً فی رسالہ المستقبل العربی، بیروت عدد 229، مارچ 1998

جوڑے پر خرچ ہوتے ہیں، سعودی عرب میں عام طور پر ایک عورت شادی کے موقع پر صرف اپنے بناؤ سنگار کے لیے 25ہزار ریال خرچ کر دیتی ہے۔ مزید بر آں 1997ء کے اعداد و شمار سے یہ دل سوز انکشاف ہوتا ہے کہ خلیج عرب کی خواتین نے صرف ایک سال میں 799 ملین ڈالر پرفیوم پر اور 4 ملین ڈالر خضاب پر خرچ کیے ہیں، نیز 600 ٹن لپ اسٹک اور 500 ٹن نیل پالش استعمال کی ہے جبکہ خلیج کی خواتین نے 5ء1 ارب ڈالر میک اَپ کے سامان پر خرچ کیے ہیں۔ مغرب زدہ مسلمانوں کا اعتراض کچھ فریب خوردہ مسلمان جو 'ماڈرینیٹی' اور جدّت کو نعمتِ الٰہی سمجھ کر اپنائے ہوئے ہیں اور مغرب کے دام فریب میں آکر اس کی اندھی تقلید میں شاد کام ہیں، اپنے احساسِ کمتری کا جواز پیش کرنے کے لیے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اگر یہ مغربی ریستوران، مغربی طرز کے لباس اور امریکی مصنوعات دیگر ممالک میں فروغ پاجائیں یا مسلمان اُنہیں استعمال کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ان اشیاء کے عام ہونے سے مسلمانوں کے وجود کو کون سا خطرہ لاحق ہے؟ اور ان کا ثقافتی تشخص آخر کس طرح متاثر ہوتا ہے؟ ایسے مغرب پرستوں کے لیے جواب میں صرف ایک فرانسیسی مثال پیش کر دینا کافی ہے کہ "آپ مجھے اپنا کھانا بتلایئے، میں بتلاتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟" یہ مثال حقیقت کی عکاس ہے، کیونکہ لباس، ماکولات و مشروبات وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں جو اپنے ملک کے نظریات وخیالات، عادات و اقدار اور زبان بھی ساتھ لاتی ہیں[1]۔ بازاروں میں ایسے امریکی اور یورپی لباس عام ہیں، جن پر انگلش میں ایسی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں جو جنسی خواہشات کے لیے محرک ہو سکتی ہیں نیز ان پر اسلامی مقدسات کے خلاف جملے بھی درج ہوتے ہیں مثلاً

Kiss Me	:	مجھے بوسہ دو
Take Me	:	مجھے پکڑو
Prostitute	:	بازاری عورت
Adultery	:	زنائیت / زانی
؛ Zion	:	صیہونی
I'm Jewish	:	میں یہودی ہوں

یہ الفاظ اوراس طرح کے دیگر غیر مہذب اور مخرب اخلاق الفاظ، ان ملبوسات پر درج رہتے ہیں، جن کا مقصد اس مغربی تہذیب کو پھیلانا ہے جس کی بنیاد اباحیت اور بے امن آزادی پر ہے[2]۔ اس لیے یورپی و امریکی مصنوعات کا فروغ اپنی تہذیب و ثقافت کو مٹانے، اپنے ملّی و قومی تشخّص کو دفن کرنے اور غیروں کی تہذیب کو اپنانے کی طرف ایک قدم ہوگا، جو افسوس کہ عالم اسلام اُٹھا چکا ہے، لیکن اس سے بڑھ کر باعث افسوس یہ ہے کہ اس راہ کے منفی اثرات و نتائج کا ابھی تک اس کو ادراک نہیں ہو پایا ہے۔

---

1 الشریف، الدکتور محمد کامل الشریف، الشباب المسلم والعولمۃ، دار الفکر العربی بیروت 2005ء، ص:49-47

2 الفتاح، الدکتور سیف الدین عبد الفتاح، الاسلام والعولمہ، دار الفکر العربی بیروت 2013، ص:136

خلاصہ بحث:

دنیا میں مختلف قومیں آباد تھیں جو ایک دوسرے سے دور تھیں۔ ذرائع ابلاغ اور ذرائع آمدورفت نہ ہونے ان کا ایک دوسرے کے قریب جانا اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ ممکن نہیں تھا۔ بلکہ بعض علاقے تو ایک دوسرے کے وجود تک سے ناواقف تھے اور بہت بعد میں دریافت ہوئے۔ جوں جوں دنیا میں ٹیکنالوجی ترقی کرتی گئی، ایک دوسرے سے دور ممالک اور اقوام ایک دوسرے سے قریب ہوئیں اور ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوئیں۔ یہیں سے عالمگیریت کا آغاز ہوا لیکن اکیسویں صدی میں پاکستان میں بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے عام ہونے کے بعد عالمگیریت کی لہر تیزی سے پھیلی اور یورپی ثقافت کے پھیلاؤ میں اس میڈیا نے اہم کردار ادا کیا۔ڈراموں فلموں میں جس معاشرے کی عکاسی کی جاتی ہے بظاہر اس کا تعلق پاکستانی معاشرے سے نہیں لگتا۔نوجوان نسل امریکی ثقافت کو اپنانے میں فخر محسوس کررہی ہے۔ مقامی ملبوسات،ماکولات کی جگہ پر یورپی ملبوسات اور ماکولات عام ہوگئی ہیں۔ نئی نسل مقامی ثقافت سے دن بدن کٹ رہی ہے۔الیکٹرانک میڈیا کے بعد سوشل میڈیا نے رہی سہی کسر پوری کردی ہے۔ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے عالمگیریت کی لہر نے اکیسویں صدی میں پاکستانی معاشرے کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ الغرض عالمگیریت کی موجودہ شکل کا آغاز تجارت سے ہوا۔ شروع میں یہ صرف ممالک کے درمیان پروان چڑھتی رہی لیکن بعد میں مختلف کمپنیوں سے ہوتی ہوئی انفرادی سطح تک آ پہنچی۔اسی وجہ سے عالمگیریت کو زیادہ تر معاشی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ پروفیسر جم، اینڈریو اور گرنن کی تحقیقات کا بھی یہی نچوڑ ہے کہ شروع میں انسان تجارت کی غرض سے ایک دوسرے ممالک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ان علاقوں میں اپنی اشیائے خوردونوش کو فروخت کیا اور وہاں سے کچھ خرید کر وطن واپس لے گئے۔ بعد میں جنگ کی وجہ سے بھی کچھ لوگ مختلف ممالک کی طرف ہجرت کر گئے۔اس کے علاوہ دنیا کی مختلف ضروریات بڑھیں تو انہیں وہ اشیائے ضرورت دوسرے ممالک سے منگوانا پڑیں۔ یہ کام ہوتا رہا اور یہی عالمگیریت کی شکل تھی لیکن جدت اور ذرائع نقل حمل نہ ہونے کی وجہ سے دنیا اس سے روشناس نہ ہو پائی لیکن بعد سفری سہولیات اور بین الاقوامی تجارت میں آسانی ہونے کی وجہ سے یہ اس قدر تیزی سے پھیلی کہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور صرف معیشت ہی نہیں بلکہ دنیا کی سیاست اور ثقافت بھی اس کی زد میں آئی اور یہیں سے سیاسی اور ثقافتی یا معاشرتی عالمگیریت کی اصطلاح بھی معرض وجود میں آئی۔ زیادہ تر مفکرین نے عالمگیریت کے تین پہلوؤں کو اہم قرار دیا ہے۔ عالمگیریت نے نہ صرف سیاسی میدان میں اپنے اثرات مرتب کیے ہیں بلکہ دیگر میادین کار کو بھی متاثر کیا ہے۔اس ضمن میں مختلف مفکرین کی مختلف رائے ہیں۔کچھ نے اسے مثبت قرار دیا ہے اور کچھ نے اسے منفی اثرات کا حامل بتایا ہے جو دنیا میں امریکی اثر ورسوخ بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہر دو مفکرین کے اپنے اپنے دلائل ہیں جنہیں سابق بحث میں مذکور کیا جا چکا ہے اور ان کی گئی تعریفات بھی اسی کو شامل ہیں۔یعنی جن کے نزدیک عالمگیریت ایک مثبت عمل ہے ان کی تعریفوں میں اس کے فوائد وثمرات بھی جھلکتے ہیں اور جن کے ہاں اسے ایک منفی قدر کے طور پر دیکھا گیا ہے ان کی تعریفوں میں اسے ایک ایسا عمل ٹھہرایا گیا ہے جو دنیا میں امریکی غلبے کے لیے مشق کیا جارہا ہے اور اس کے باقی دنیا کی سیاست، ثقافت،

معیشت اور معاشرت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس حوالے سے اگر مفکرین کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو عالمگیریت کو منفی اور مثبت پہلوؤں میں تقسیم کا جاسکتا ہے۔ اب یہ مسلم امہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسی عالمگیریت کو الزامی بنائے اور بجائے اس کے کہ اس سے بچنے کی تدابیر کرے جبکہ اس سے بچنا ممکن بھی نہیں ہے، بلکہ اس سے فائدہ اٹھائے اور اس کو مثبت معنوں میں استعمال کرے۔ یعنی گلوبلائزیشن کی اصطلاح بھی اختلاف زدہ ہے اور اس کا تاریخی پس منظر بھی۔ تعریف کا اختلاف ہی اس کے پس منظر میں اختلاف کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ پچھلی فصل میں مذکور ہو چکا کہ تعریف میں اختلاف کی وجہ ماہرین کا مختلف طبقات فکر سے متعلق ہونا ہے۔ یعنی سماجیات کے ماہرین، اخلاقیات کے دانشور، معیشت کے مفکرین اور اسی ثقافت کے محققین، ہر کسی عالمگیریت کو اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دیکھا اور یہی نقطہ نظر ان کی تعریفات میں اختلاف کا سبب بنا۔ یہی اختلاف عالمگیریت کے تاریخی پس منظر کے تعین میں بھی اختلاف کا سبب بنا کیونکہ ہر کسی نے اس کا پس منظر اپنے اپنے شعبہ فکر کے حوالے سے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس کا پس منظر کیا ہے اور اس کی تاریخ کتنی پرانی ہے؟ کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ عالمگیریت تب سے ہے جب سے دنیا کے بازار ایک بڑی مارکیٹ کی طرف ضم ہونے کے عمل کی طرف داخل ہوئے۔ یہ رجحان بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا اور انیسویں صدی اور پہلی جنگ عظیم کے دوران اسے ایک نیا جنم ملا۔

فصل سوم

عالمگیریت کے میادین کار

فصل سوم:

عالمگیریت کے میادین کار

ماہرین کی آراء اور عالمگیریت کی تعریفوں کا جائزہ لیاجائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان کی تعریفوں میں مکمل اتفاق نہیں پایاجاتاہے بلکہ وہ تمام تر تعریفات اختلافات کا مجموعہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ابھی تک اس کی کوئی جامع تعریف وضع نہیں کی جا سکی۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تعریف کرنے والے ماہرین میں کسی کا تعلق معیشت، کسی کا ثقافت، کسی کا معاشرت اور کسی سیاست وغیرہ کے میدان سے تھا۔یہی اختلاف عالمگیریت کی تعریف میں بھی اختلاف کا سبب بنا۔اسی بناپر اسے مختلف متنوع پہلوؤں میں تقسیم کیاگیاہے لیکن بنیادی طور پر یہ پہلو تین ہیں۔باقی پہلوؤں پر اگر غور کیاجائے تو وہ کسی نہ کسی طور انہی چار پہلوؤں کا تنوع یاان کی ذیلی شاخیں کے طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔ذیل میں انہی پہلوؤں کی طرف اشارہ کیاجاتاہے۔

سیاست کا میدان کار:

Salvatore Babones کہتاہے کہ سیاسی عالمگیریت سے مراد اس کا پوری دنیامیں اپنے حجم اور پیچیدگی کے ساتھ پھیلاؤہے۔یہ نظام پوری حکومت، اس کے تمام اداروں اوران کے طریقہ ہائے کار کو شامل رہتاہے۔سیاسی عالمگیریت کے اہم پہلوؤں میں سے ایک ملک وریاست کی کمی کی اہمیت اور سیاسی منظر پر دیگر عناصر کا اضافہ ہے۔اسی لیے اقوام متحدہ کی تخلیق اوراس کاوجود سیاسی عالمگیریت کی کلاسیکل مثال کہاجاتاہے۔سیاسی عالمگیریت درحقیقت عالمگیریت کے تین اہم پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو ہے جو اس وقت دنیا بھر میں اس حوالے سے زیر بحث ہیں۔اس کے ساتھ اس کے دو اوراہم پہلو بھی ہیں جن میں سے ایک معاشی عالمگیریت اوردوسراپہلو ثقافتی پہلو ہے [(1)]۔

اس تعریف میں جہاں ایک طرف سیاسی عالمگیریت کی تعریف کی گئی ہے وہیں دوسری طرف صرف عالمگیریت کے متنوع پہلوؤں کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔لیکن یہاں ایک اہم پہلو کا ذکر نہیں ہے جسے مذہبی طبقے "مذہبی عالمگیریت" کا نام دیتے ہیں۔لیکن اس تعریف سے بہرحال یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیاسی عالمگیریت سے مراد کسی ملک کی سیاست کا عالمی سطح پر کسی دوسرے ملک یا تمام ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لینا ہے یا اسے متاثر کرنا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے اقوام متحدہ کو بھی ایک کلاسیکل مثال کا نام دیاہے اوراسے بھی سیاسی عالمگیریت کا حامل ٹھہرایاہے۔اس بات کا منفی پہلو یہ ہے کہ اقوام متحدہ کسی ملک کی سیاسی برتری کے لیے استعمال ہوتاہے اوراس حوالے سے عراق، لیبیایاافغانستان کی مثال دی جاسکتی ہے کہ کس طرح ان ممالک کو تباہ کرنے میں اقوام متحدہ کو ایک پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیاگیا۔اگر ان کی مراد مثبت پہلو ہو تو اس ادارے کی ذمہ داری کسی ملک کو سیاسی برتری قائم کرکے دوسرے ممالک کے استحصال سے روکناہے۔ولیم تھامسن کہتاہے؛

---

1 Salvatore Babones “Studying Globalization: Methodological Issues" in George
2 Ritzer (15 April 2008). The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley &Sons. P. 146

"The expansion of a global political system, and its institutions, in which inter-regional transactions (including, but certainly not limited to trade) are managed"[1]

"سیاسی عالمگیریت ایک عالمی سیاسی نظام کی توسیع، اور اس کے اداروں، جن میں بین العلاقائی معاملات جو اس میں شامل تو ہیں لیکن محض انتظام یا تجارت تک محدود نہیں ہیں کو منظم کیا جاتا ہے"

ویلنٹائن ایم(Valentine M. Moghadam) کہتا ہے؛

"Globalization is an increasing trend toward multilateralism (in which the United Nations plays a key role), toward an emerging 'transnational state apparatus,' and toward the emergence of national and international nongovernmental organizations that act as watchdogs over governments and have increased their activities and influence" [2]

"عالمگیریت کثیر الاضلاعیت کی طرف بڑھتاہوا رجان جس کی تشکیل میں اقوام متحدہ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے، تیزی سے ایک بڑی سلطنت کی طرف تبدیلی ہوتی ہوئی دنیا اور عالمی اور قومی اداروں کی بنتی ہوئی نیم حکومت کا نام ہے جو حکومتوں پر نظر رکھتی ہے اور اپنی فعالیت اور اثر میں اضافہ کرتی ہے"

شاید اس تعریف میں عالمگیریت کی افزائش میں اقوام متحدہ کے کردار کو بنیادی حیثیت کا حامل کہا گیا ہے۔ اس بات کو مزید تقویت اقوام متحدہ کے کردار سے بھی ملتی ہے کہ طاقتور ممالک کے بارے میں اس کا رویہ اور طرح کا ہوتا ہے جبکہ غریب مالک کے بارے میں اس کی پالیسیاں اور طرح کی ہوتی ہیں یعنی امتیاز بالکل ظاہر ہے۔ اسی لیے بعض مفکرین نے اسے دنیا بھر میں پھیلتی ہوئی شدت کا باعث جانتے ہیں جیسا کہ Manfred Steger نے دنیا بھر میں سیاسی مداخلت کی شدت اور توسیع کو سیاسی عالمگیریت کا نام دیا ہے[3]۔ Colin Crouch نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے؛

Political globalization refers to the growing power of institutions of global governancesuch as the World Bank, the International Monetary Fund (IMF) and the World Trade Organization (WTO). But it also refers to the spread and influence ofinternational non-governmental organizations, social movement organizations and

1 George Modelski; Tessaleno Devezas; William R. Thompson (20 December 2007). Globalization as Evolutionary Process: Modeling Global Change. Routledge. P. 59

2 Valentine M. Moghadam, Globalizing Women: Transnational Feminist Networks. JHU Press. P. 35

3 Manfred B. Steger (27 March 2003). Globalization: A Very Short Introduction. Oxford University Press, UK. pp. 56–. ISBN 978-0-19-153938-1

transnational advocacy networks operating across borders and constituting a kind of global civil society"[1]

"آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور عالمی تجارتی ادارے جیسی عالمی تنظیموں پر مشتمل ایک عالمی ادارہ اوراس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو سیاسی عالمگیریت کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ نیم سرکاری اداروں، معاشرتی حرکات اوررائے عامہ کو بھی متاثر کرتا ہے اوروہ بھی سرحدوں کی حدودوقیود سے آزاد ہوکر اور یہی ایک عالمی معاشرے ہی کی شکل ہے"

Gerard DelantyاورChris Rumford کا کہنا ہے کہ سیاسی عالمگیریت تین مراحل کے درمیان ایک کشمکش کا نام ہے جو عالمی سیاست، عالمی ثقافت اور اس کی تخلیق میں کردارادا کرتی ہے[2]۔ عالمگیریت کی طرح سیاسی عالمگیریت بھی بذات خود مختلف پہلو کی حامل ایک اصطلاح ہے جس کو ایک نجات دہندہ کے پر طور اس جدید دور میں جانا گیا ہے جیسا کہ اسے آزادی اور خود مختاری کی عالمگیریت کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ مشہور مفکر جیراڈ ڈیلنٹی کہتا ہے؛

"Political globalization can be seen in changes such as democratization of the world, creation of the global civil society" [3] "and moving beyond the centrality of the nation-state, particularly as the sole actor in the field of politics" [4]

"سیاسی عالمگیریت کو ایک مختلف تبدیلیوں جیسے دنیا کی جمہوریت اورایک عالمی معاشرتی ادارے کی تخلیق کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے اوراسی طرح ریاستی مرکزیت میں تبدیلی خصوصاسیاست کے میدان میں بھی"

سیاسی عالمگیریت کے اسی پہلو کی وجہ سے یہ سوال اٹھنا شروع ہوگئے ہیں کہ اس کا مستقبل کی ریاست پر کیا اثر ہوگا اوراس کی اس تاثیر کو کس طرح مثبت انداز میں ڈھالا جاسکتا ہے تاکہ کسی بھی ملک کی خود مختاری پر کوئی حرف نہ آئے۔ اس بات میں بالکل کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس کے اثرات غریب ممالک اور غریب خاندانوں کی زندگیوں پر بھی اثرانداز ہورہے ہیں۔ اس طرح ممالک ہوں یا افراد، ان کی قومیت اور ثقافت اثرپذیر ہورہی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلا سوال یہی ہے کہ کسی بھی ملک کی قومیت پر اس کا کیا اثر پڑے گا، ان اثرات کے کیا نتائج برآمد ہوں گے اوراس کے نتیجے کے طور پر متصور عالمی حکومت کا کیا کردار ہوگا؟[5]۔

---

1 Colin Crouch "Democracy and Capitalism in the Wake of the Financial Crisis". In Edwin Amenta; Kate Nash; Alan Scott. The Wiley-Blackwell Companion to Political Sociology John Wiley & Sons. P. 487

2 Gerard Delanty & Chris Rumford "Political Globalization". In George Ritzer. The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley & Sons. P. 414

3 OPCID, P. 426

4 Annabelle Mooney; Betsy Evans (12 March 2007). Globalization: The Key Concepts. Routledge. P. 194

5 Manfred B. Steger. Globalization: A Very Short Introduction. OxfordUniversity Press, P. 57

مشہور امریکی مفکر ڈیوڈ نے اسی خدشے کے باعث کہا ہے کہ سیاسی عالمگیریت کا کھیل اگر اسی طرح جاری رہا تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اختتام ایک عالمی حکومت کی صورت میں ہو گا جس کا کردار بھی مشکوک ہو گا اور اسے کاسموپولیٹیکل جمہوریت کا نام دیا جا سکتا ہے[1]۔ شریف مستجیب نے مذکورہ بحث کا نچوڑ کچھ اس طرح نکالا ہے؛

> "There is a heated debate over Political Globalization and Nation State. The question arises whether or not political globalization signifies the decline of the nation-state. Hyper globalists argue that globalization has engulfed today's world in such a way that state boundaries are beginning to lose significance. However, skeptics disregard this as naiveté, believing that the nation-state remains the supreme actor in international relations" [2]

> "سیاسی گلوبلائزیشن اور نیشنل اسٹیٹ پر ایک گرم بحث ہے۔ سوال اٹھتا ہے کہ سیاسی گلوبلائزیشن قومی ریاست کی کمی کی نشاندہی کرتا ہے یا نہیں۔ ہائپر گلوبلسٹس نے یہ دعوی کیا ہے کہ گلوبلائزیشن نے آج کی دنیا کو اس طرح اس طرح گھیر لیا ہے کہ تمام ممالک کی سرحدیں ایک دوسرے کے قریب اور ان میں تشخص ختم ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تاہم متشکک لوگوں نے اس نظریے کو رد کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قومی ریاست بین الاقوامی تعلقات میں سب سے بڑا عنصر رہے گا"

ثقافت / معاشرت کا میدان کار:

James Paul:

> "Cultural globalization refers to the transmission of ideas, meanings, and values around the world in such a way as to extend and intensify social relations" [3]

> "ثقافتی گلوبلائزیشن کو دنیا بھر میں خیالات، معنی اور اقدار کی منتقلی سے مراد سماجی تعلقات کو بڑھانے اور تیز کرنے کے طور پر جانا جاتا ہے"

Manfred B. Steger:

> "Cultural globalization involves the formation of shared norms and knowledge with which people associate their

---

1 Manfred B. Steger (27 March 2003). Globalization: A Very Short Introduction. Oxford University Press, UK. p. 68

2 Sharif Mustajib, Contemporary Debate on Political Globalization and Nation State Yeg. P. 68

3 James, Paul (2006). Globalism, Nationalism, Tribalism. London: Sage Publications, P.12

individual and collective cultural identities. It brings increasing interconnectedness among different populations and cultures" [1]

"ثقافتی گلوبلائزیشن میں مشترکہ معیارات اور علم کا قیام شامل ہے جس کے ساتھ لوگوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی ثقافتی شناختی مماثلت ملتی ہے. یہ مختلف آبادیوں اور ثقافتوں کے درمیان بڑھتے ہوئے رابطے کا ذریعہ ہے"

Salvatore Babones:

"Cultural globalization is one of the three main dimensions of globalization commonly found in academic literature, with the two other being economic, globalization and political globalization" [2]

"معاشرتی یاثقافتی عالمگیریت عموماً تعلیمی ادب میں پائی جاتی ہے اور یہ عالمگیریت کے تین پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے۔اس کے دوسرے دو پہلو معاشی عالمگیریت اور سیاسی عالمگیریت ہیں"

Sahy Vijoy:

"The cultural globalization is a way of spreading theories and ideas from one place to another. Although globalization has affected us economically and politically, it has also affected us socially on a wider scale" [3]

"ثقافتی عالمگیریت مختلف نظریات اور خیالات ایک جگہ سے دوسری جگہ پھیلانے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اگرچہ عالمگیریت نے ہمیں معاشی اور سیاسی طور متاثر ہی کیا ہے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر اس نے ہمیں معاشرتی طور پر بھی متاثر کیا ہے"

D. Jaffe:

"Some critics argue that the dominance of American culture influencing the entire world will ultimately result in the end

---

1 Manfred B. Steger and Paul James, 'Ideologies of Globalism', in Paul James and Manfred B. Steger, eds, Globalization and Culture: Vol. 4, Ideologies of Globalism, Sage Publications London, 2010. P.152

2 Salvatore Babones (15 April 2008). "Studying Globalization: Methodological Issues". In George Ritzer. The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley & Sons. P. 146

3 Sahay Vijoy "Globalization, Urbanization and Migration: Anthropological Dimensions of Trends and Impacts" 2013, Oriental Anthropologists. P. 13

of cultural diversity. Such cultural globalization may lead to a human monoculture”[1]

"بعض نقادوں کا کہنا ہے کہ پوری دنیا پر اثر انداز کرنے والے امریکی ثقافت کا اقتدار بالآخر ثقافتی تنوع کے خاتمے کے نتیجے میں ہو گا. اس طرح کے ثقافتی گلوبلائزیشن انسانی مراکز کی قیادت کر سکتے ہیں"

Paul James:

“While not many commentators agree that this should be characterized as a 'Clash of Civilizations', there is general concurrence that cultural globalization is an ambivalent process bringing an intense sense of local difference and ideological contestation” [2]

"اگرچہ بہت سے مبصرین اس بات سے متفق نہیں کہ یہ "تہذیبوں کی تباہی" کے طور مخصوص نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں اس بات میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ عالمگیریت ایک متضاد خصوصیات کا حامل ایک ایسا مرحلہ ہے جس میں مقامی فرق اور نظریاتی مقابلہ کا شدید احساس ہوتا ہے"

مذکورہ بالا بحث، تعریفات اور نظریات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گلوبلائزیشن کے اندر اس نقطے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کہ کوئی بھی فکر یا سرگرمی کسی ایک خطے تک محدود انسانی تنوعات کو قید اور محدود کرنے کے مترادف ہے۔ گلوبلائزیشن نے اس ضمن میں معیشت کی حرکت کو اپنا ہدف بنایا ہے جس کی بنیاد پر ثقافت اور دیگر تہذیبی ادارے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ مابعد جدید کی دوسری اہم شِق کسی totality کی نفی ہے، یکسانیت کا رد ہے، مہابیانیہ کا انکار ہے، کسی حتمی نظریے کو کالعدم قرار دینا ہے۔ اب ہم اس شِق کے زُمرے میں گلوبلائزیشن کو دیکھتے ہیں تو وہ مابعد جدید فکر کے مقابل آ کھڑی ہوتی ہے۔

گلوبلائزیشن میں مقامی (indigenous) ثقافتوں، صنعتوں، معاشی اقدامات اور سیاسی اعمال کو مٹا کر عالمی دھارے میں پیش کرنے کا رجحان ہے جو سراسر مابعد جدید فکر کی نفی ہے۔ گلوبلائزیشن مقامیت کی قیمت پر عالمی یکسانیت پیدا کرنے پر زور دیتی ہے جو totality کے فلسفے کو بڑھاوا دیتی ہے۔ یہ فلسفہ مقامیت اور کلچرز کی رنگارنگی کو مٹا کر مہابیانیہ کی تخلیق کرنے لگتا ہے۔ مابعد جدید فکر مہابیانیہ کی نفی کرتی ہے بلکہ بیانیہ کی مقامی شکل کو ایک خاص تناظر میں قبول کرتی ہے۔ گلوبلائزیشن کو مابعد جدید عہد کی ”وبا“ کہنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ اس عہد میں موجود ایک ”مسئلہ“ ضرور ہے جس کا جنم اس عہد میں ہوا ہے مگر یہ مابعد جدید فکر کی پیداوار نہیں۔ اسی لیے رولاں رابرٹسن نے گلوبلائزیشن کے مقابلے میں گلوکلائزیشن کی اصطلاح تجویز کی تھی۔ جو مقامی تناظرات کا پورا خیال کرتی ہے اور گلوبلائزیشن کے منفی مضمرات سے آگاہ بھی کرتی ہے۔ گلوبلائزیشن کے زیرِ اہتمام ایسی کسی

---

1 Jaffe, Eugene D. Globalization and Development. Infobase Publishing. p. 48

2 Paul James and Manfred Steger, Globalization and Culture, Ideologies of Globalism. Sage Publications 2010. P. 4/85

ثقافتی موت کا اعلان نہیں کیا گیا جو تہذیبی رنگا رنگی کے خلاف ہو۔ تہذیبوں کے اثرات چوں کہ معیشت کے حلقے سے ہو کر آ رہے ہیں اس لیے معیشت نے عالمی دھاروں سے اپنا وجود منسلک کر رکھا ہے۔ "ہائپر ریلیٹی" بھی اسی ضمن میں ایک صورت حال ہے جس نے ٹیکنالوجی اور الیکٹرونکس کو انسانی کرائسس سے جوڑ دیا ہے۔

ٹیری ایگلٹن نے مابعد جدیدی فضا کو 1990 میں شائع ہونے والی اپنی کتاب The significance of theory میں انسانی فکریات کا "کرائسس" کا نام دیا تھا۔ اصل میں یہ صورتِ حال ضرور ہے مگر اس صورتِ حال کو مابعد جدید نظریہ تھیورائز (Theorize) نہیں کرتا۔ مابعد جدید نظریہ مقامی کلچرز کے فروغ پر زور دیتا ہے۔ یہاں ہر فکر دیگر فکریات کی بنا پر اپنا وجود رکھتی اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ Relativism بھی نہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ سمجھی یا دیکھی جا سکے۔ بلکہ یہ ایک پرت کے اندر سے دوسری پرت کا انکشاف ہے اور ہر پرت یا متن اپنے تئیں مکمل یا اثر انداز کیفیت بھی رکھتا ہے یوں totality میں کوئی شکل نہیں بنتی ہر چیز مقامی یا متن کے مخصوص تناظر میں ہی قابلِ فہم اور قابلِ تصدیق ہے۔ مابعد جدید نظریے کے مطابق حتمی ثقافت کسی طرح بھی عملِ آخر نہیں جس کا انجامِ کار انتشار اور ٹوٹ پھوٹ ہے۔ ثقافتوں کی موت اپنے اندر سے نہیں دوسری غلبہ پانے والی ثقافتوں کے بطن سے اپنا جنم لے رہی ہے۔ اس موت کا "جنم" ان متون کی احیا کی موت ہے۔ جدید فکر اس صورتِ حال میں جنگ یا پیکار کی نفی اور ثقافتوں کے مکالمے کی بات کرتی ہے۔ غلبہ پانے کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے مابعد جدید عہد کلچرز اور فکروں کے تنوعات سے متون کی مختلف شکلوں کا احیا کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں اسی ایک راستے کی حمایت کرنی چاہے۔

معیشت کا میدان کار:

معاشی عالمگیریت بھی عالمگیریت کا ایک اہم پہلو ہے۔ بلکہ آج کل کے کارپوریٹ معاشرے میں دولت ہی کو پیمانہ بنالیا گیا ہے۔ اسی طرح معاشی عالمگیریت کو ہی اصل عالمگیریت کہا جاتا ہے اور اس کی باقی اشکال اسی کے پیچھے غائب ہو گئی ہیں یا اس کی شاخیں بنا دی گئی ہیں۔ جدید دنیا میں عالمگیریت کی باقی اشکال یا اس کی اثر پذیریاں معاشی عالمگیریت ہی کی مرہون منت ہیں۔ عموما عالمگیریت سے مراد معاشی عالمگیریت ہی لی جاتی ہے۔ شروع شروع میں جب عالمگیریت کا تصور عام ہوا تھا تو اس سے مراد معاشی عالمگیریت ہی لی گئی لیکن بعد جوں جوں اس کا تصور عام ہوتا چلا گیا تو مختلف ماہرین نے اپنے اپنے میدان عمل کی سیاست کے اعتبار سے اس کی تعریف وضع کی۔ اگر غور کیا جائے تو معاشی عالمگیریت ہی دنیا کو اپنے قابو میں لانے کا ایک اہم ہتھیار ہے کیونکہ موجودہ دور میں معیشت سب سے اہم اور طاقتور ہتھیار ہے۔ راکیش موہن معاشی عالمگیریت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے؛

"Economic globalization refers to the free movement of goods, capital, services, technology and information. It is the increasing economic integration and interdependence of national, regional, and local economies across the world

through an intensification of cross-border movement of goods, services, technologies and capital" (1)

"سامان، سرمائے، ٹیکنالوجی اور معلومات کی آزادانہ حرکت کو معاشی عالمگیریت کہاجاتا ہے۔ یہ مقامی اور قومی معیشت کو یکجا کرنے اور باہمی انضمام کا نام ہے جو خدمات، سامان، ٹیکنالوجی اور سرمائے کی سرحدوں سے بالاتر ترسیل کے ذریعے عمل میں آتی ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ معاشی عالمگیریت سے مراد ایک ایسی عالمگیریت ہے جو پوری دنیا میں سامان کی آزادانہ نقل وحرکت کو یقینی بناتی ہے۔ یہ اس لحاظ سے تو ایک خوش آئند امر ہے لیکن جب میں ملکی مفاد اور عالمی استحصال کے عناصر شامل ہوتے ہیں تو یہ ایک خوفناک روپ اختیار کرلیتا ہے جیسا کہ عراق جنگ اس کا ایک شاخسانہ ہے۔ دوسرا اہم پہلو اس معیشت کا یہی ہے کہ اس میں وہی کارپوریشن کامیاب رہتی ہیں جن کی پروڈکٹ عالمی معیار پر پورا اترتے ہوئے ایک نام رکھتی ہیں۔ لیکن یہاں بھی استحصال کا سلسلہ اس طرح جاری رہتا ہے کہ ایسی کمپنیاں ایسے علاقوں کا رخ کرلیتی ہیں جہاں مزدوری کم ہو اوران کا منافع زیادہ ہو۔ اس طرح ان کمپنیوں کی توجہ کا مرکز بھی وہی افراد رہتے ہیں جن کی مہارت زیادہ ہو اوراس طرح ماہر لوگ امارت کی طرف جبکہ دوسرے لوگ غربت کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ اس طرح دولت کی ارتکاز چند ہاتھوں میں ہی رہتا ہے۔ دولت کے بل بوتے پر اپنے معیار طے کرکے مقامی سطح پر اپنے کنٹرول کو یقینی بنایا جاتا ہے[2]۔

معاشی عالمگیریت:

معاشی عالمگیریت دنیا کو قابو میں کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس میں مقامی صنعتیں یا معاشی طور پر مضبوط ادارے مقامی حکومتوں کو بھی کنٹرول کرتے ہیں اورایک پریشر گروپ کے طور کام کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بھی عالمگیریت کے معاون ایک عنصر کا نام ہے جو کسی ملک کے مفاد اور عالمی سطح پر کام آتا ہے۔ معاشی عالمگیریت کے عالمی عالمگیریت کے حصہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشہور مفکر سالویٹر کہتا ہے معاشی عالمگیریت بھی عالمی عالمگیریت کے تین پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو کا نام ہے۔ اس کے ساتھ ثقافتی اور سیاسی عالمگیریت بھی دو پہلو ہیں لیکن ان سب میں عمومی شرائط ایک جیسی ہی ہیں[3]۔ بعض حضرات کے مطابق عالمگیریت کو کنٹرول بھی کا جاتا ہے جس کا مقصد محض اپنا مفاد ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے کسی بھی طرح کا مفاد حاصل کرنے کے لیے چند ایک ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں اور پھر اسے عالمگیریت کا نتیجہ قرار دے کر جان چھڑائی جاتی ہے ۔ پروفیسر رچرڈ کا کہنا ہے کہ عالمگیریت کو ایک ہوا بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ اپنی ہی افزائش کو آہستہ

---

1 Joshi, Rakesh Mohan (2009). International Business. Oxford University Press, Incorporated. P.8

2 Thomas, Vladimir (May 1, 2017). The world transformed 1945 to the present . Michael H.hunt. PP. 427–429

3 Babones, Salvatore (15 April 2008). "Studying Globalization:Methodological Issues" in George Ritzer, The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley & Sons. P. 146

کر دیتی ہیں اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ عالمگیریت کا نتیجہ ہے اور اس کو پلٹانا ممکن نہیں ہے[1]۔ پروفیسر کیٹ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ؛

"Economic inequality affects equity, equality of outcome and subsequent equality of opportunity. Although earlier studies considered economic inequality as necessary and beneficial, some economists see it as an important social problem."[2]

"معاشی ناہمواری مواقع کی ہمواری اور نتائج اور بر آمدات کو بھی متاثر کرتی ہے اگر چہ پہلے درجے کی بنیادی معلومات کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ معاشی ناہمواری ضروری ہے اور نفع بخش ہے جبکہ اس کے مقابلے میں کچھ ماہرین نے اسے معاشرتی مسائل کا نام دیا ہے"

اگر غور کیا جائے تو یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ معاشی ناہمواری ہی تمام مسائل کی جڑ ہے۔ اس بات اتفاق پایا جاتا ہے کہ زیادہ تر جرائم غربت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ کوئی انسان بھی شوقیہ یا فطرتی طور پر مجرم نہیں ہوتا بلکہ حالات اسے اس نہج پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگوں نے اسے ضروری اور نفع بخش قرار دیا ہے۔ یہ بات بھی ایک لحاظ سے ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ معاشی ناہمواری ہی خدمات کی دستیابی کو آسان بناتی ہے۔ اگر دنیا میں سب لوگ امیر ہو جائیں تو شاید کسی کو مزدور میسر نہ آئیں۔ اس لحاظ سے معاشی ناہمواری کا ہونا معاشرے کے لیے ضروری بھی ہے جب دوسری طرف ماہرین نے اسے تمام ناہمواریوں کی بنیاد بھی قرار دیا ہے۔ بظاہر قرین قیاس اور درمیانی رائے یہی ہے کہ معاشی ناہمواری اتنی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ اپنی ضروریات بھی پوری نہ کر سکیں یا ان کو ان کا جائز حق یا مزدوری بھی نہ ملے کیونکہ اس طرح جرائم کی راہ ہموار ہوتی ہے اور لوگ غلط راہوں کے راہی بن جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے عالمگیریت کی ماں کہا جاتا ہے اگر چہ معاشی عالمگیریت کو عالمی عالمگیریت کا ایک پہلو کہا گیا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معاشی عالمگیریت باقی دو پہلوؤں کو ضرور متاثر کرتی ہے ۔ سیاسی عالمگیریت اور ثقافتی یا معاشرتی عالمگیریت دونوں مل کر بھی معاشی عالمگیریت کو متاثر نہیں کر سکتے لیکن معاشی عالمگیریت ان دو پہلوؤں کو ضرور متاثر کر سکتی ہے۔ کوئی بھی ملک یا ادارہ یا شخص اس وقت تک طاقتور نہیں ہو سکتا جب تک وہ معاشی طور طاقتور نہ ہو۔ اس بات کو بیان کرتے ہوئے مشہور امریکی مفکر ڈیوڈ کہتا ہے؛

"Economic globalization may affect culture. Populations may mimic the international flow of capital and labor markets in the form of immigration and the merger of cultures. Foreign resources and economic measures may

---

1 Little, Richard; Smith, Michael (27 October 2005). Perspectives on World Politics. Routledge. PP. 51

2 Kate (2009). The Spirit Level: Why More Equal Societies Almost Always Do Better. Allen Lane. P. 352

affect different native cultures and may cause assimilation of a native people"[1]

"معاشی عالمگیریت ثقافت کو متاثر کرتی ہے۔اگرچہ آبادی بھی نقل مکانی اور مختلف ثقافتوں کے ملاپ کی صورت میں بین الاقوامی سرمائے کی ترسیل کو متاثر کر سکتی ہے۔بیرونی ذرائع اور معاشی پیمانے مختلف ممالک کی ثقافت اور مقامی لوگوں کے استحصال کو بھی متاثر کر سکتی ہیں"

اس ضمن میں جارج ریٹزر مکڈونلڈ کو ایک مثال کے طور پیش کرتا ہے کہ کس طرح ایک کھانے کی کمپنی اپنے ملک سے نکل کر پوری دنیامیں پھیلی اوراس سے مقامی لوگ جو اس پیشے سے وابستہ تھے وہ متاثر ہوئے اوراس طرح ان کا کاروبار متاثر ہوا۔یہ امریکی عالمگیریت کی بڑھوتری کی ہی ایک شکل تھی جس نے باقی دنیا کو بھی مجبوراً اس میدان میں آنے پر مجبور کر دیااوراس فاسٹ فوڈ کا کلچر پوری دنیامیں پروان چڑھتا گیا[2]۔مقصود یہ کہ عالمگیریت کا اپنا ایک اثر ہے اوراس کی زد میں آنالازمی امر ہے۔پروفیسر جوزف کہتا ہے؛

"Globalization "has reduced the sense of isolation felt in much of the developing world and has given many people in the developing world access to knowledge well beyond the reach of even the wealthiest in any country a century ago"[3]

"عالمگیریت ترقی پذیر ممالک میں تنہائی کے احساس کو کم کر چکی ہے اوران ممالک میں لوگوں کو علم تک رسائی دے چکی ہے جو اس سے ایک صدی پہلے امیر لوگوں کی رسائی سے بھی دور تھا"

معاشی عالمگیریت کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشہور ماہر معاشیات مارٹن ولف نے یہ رائے دی ہے کہ یہ بات بہتر ہو گی کہ ہر انسان برابری کی سطح پر غریب ہو جائے بنسبت اس کے کچھ لوگ امیر ہو جائیں اور کچھ غریب رہ جائیں کیونکہ اگر اس بات کو ایک طویل عرصے تک اپنایا جائے تو اس کالازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگوں میں بہتری آئے گی[4]۔لیکن ان تمام خطرات کا یہ حل بھی نہیں ہے کہ ان سے منہ چھپا کر انسان کنارہ کر جائے یاحالات سے ہار مان لے بلکہ عالمگیریت کے آگے بند باندھنا ضروری ہے اوراس کا مقابلہ اس سے بھاگ کر نہیں بلکہ اس کا سامنا کر کے کیاجاسکتا ہے۔اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کوفی عنان نے کہا تھا؛

---

1 David A Globalizing World? Culture, Economics, Politics (2nd ed.2004). London; New York: Routledge, in association with the Open University. P. 84

2 Ritzer, George (2010). *MacDonalization: the reader/ 3rd ed*. Thousand Oak, CA: Sage Publications. P. 3

3 Joseph Stiglitz (2003), *Globalization and Its Discontents* (New York: W.W. Norton & Company), p. 4

4 Martin Wolf (2005), *Why Globalization Works* (New Haven and London: Yale University Press), P. 157

"The main losers in today's very unequal world are not those who are too much exposed to globalization. They are those who have been left out" [1]

"آج کی غیر مساوی دنیا میں ہارنے والے وہ نہیں جو عالمگیریت کی زد میں ہیں بلکہ سب سے بڑے ہارنے والے وہ ہیں جو اس سے بھاگ گئے"

خلاصہ مبحث:

جیسا کہ اوپر بحث سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر مفکرین نے عالمگیریت کے تین پہلوؤں کو اہم قرار دیا ہے۔ عالمگیریت نے نہ صرف سیاسی میدان میں اپنے اثرات مرتب کیے ہیں بلکہ دیگر میادین کار کو بھی متاثر کیا ہے۔اس ضمن میں مختلف مفکرین کی مختلف رائے ہیں۔کچھ نے اسے مثبت قرار دیا ہے اور کچھ نے اسے منفی اثرات کا حامل بتایا ہے جو دنیا میں امریکی اثر و رسوخ بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ہر دو مفکرین کے اپنے اپنے دلائل ہیں جنہیں سابق بحث میں مذکور کیا جا چکا ہے اور ان کی گئی تعریفات بھی اسی کو شامل ہیں۔یعنی جن کے نزدیک عالمگیریت ایک مثبت عمل ہے ان کی تعریفوں میں اس کے فوائد و ثمرات بھی جھلکتے ہیں اور جن کے ہاں اسے ایک منفی قدر کے طور پر دیکھا گیا ہے ان کی تعریفوں میں اسے ایک ایسا عمل ٹھہرایا گیا ہے جو دنیا میں امریکی غلبے کے لیے مشق کیا جا رہا ہے اور اس کے باقی دنیا کی سیاست، ثقافت، معیشت اور معاشرت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔اس حوالے سے اگر مفکرین کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو عالمگیریت کو منفی اور مثبت پہلوؤں میں تقسیم کا جا سکتا ہے۔اب یہ مسلم امہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسی عالمگیریت کو الزامی بنائے اور بجائے اس کے کہ اس سے بچنے کی تدابیر کرے جبکہ اس سے بچنا ممکن بھی نہیں ہے، بلکہ اس سے فائدہ اٹھائے اور اس کو مثبت معنوں میں استعمال کرے۔

1 From remarks at an UNCTAD conference in February 2000, in Johan Norberg (2003), *In Defense of Global Capitalism* (Washington: Cato Institute), p. 155

فصل چہارم

عالمگیریت کی حقیقت سماجی ماہرین کی نظر میں

فصل چہارم:

عالمگیریت کی حقیقت سماجی ماہرین کی نظر میں

ماہرین کی آراء اور تعریفات پر غور کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عالمگیریت کے میادین کار کے بارے میں متضاد رائیں پائی جاتی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کے شعبے میں غیر معمولی پیش رفت کے نتیجے میں نئے معاشی امکانات پیدا ہو رہے ہیں اور کئی ممالک کے لیے انتہائی پر کشش مواقع پیدا ہوئے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک المیہ ہے کہ نئے معاشی فوائد منصفانہ طور پر تقسیم نہیں ہو پا رہے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ بعض ماہرین نے اسے ایک عالمی اقتصادیات کا نام دیتے ہوئے کہا ہے کہ جس میں ایک گروپ اقتصادی حوالے سے کسی دوسرے گروپ پر غالب ہو رہا ہے[1]۔اس لحاظ سے بعض ماہرین کی گویا رائے اس بارے میں مطلق ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ممالک کی سطح پر ہی کسی ایسی کوشش کو عالمگیریت کا نام دیا جائے بلکہ یہ اصطلاح کسی بھی گروہ کی سطح پر پائی جاسکتی ہے اور اس کا اہم میدان معاشی غلبہ ہے جو ضروری نہیں کہ ممالک ہی کا ہتھیار ہو بلکہ کسی ایک ملک میں یہ کشمکش مختلف حریفوں کے مابین بھی پائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح معاشی میدان کے حوالے سے اس کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اس حوالے سے کئی ایک گروہ اس کشمکش میں اپنا وجود کھو دیتے ہیں جبکہ کچھ گروہ اپنے وجود کو وسعت سے ہمکنار کرتے ہیں۔اسی لیے بعض ماہرین نے کہا ہے کہ عالمگیریت ایک ایسی چیز ہے جس سے چھٹکارا کسی طور ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ معاشرے میں اشیائے ضروریہ کو پورا کرتی ہے۔اگر عالمگیریت نہ ہو تو کئی ایک معاشرے کئی طرح کی سہولیات اور اشیائے ضروریہ سے بہرہ یاب نہ ہو سکیں۔اس ضمن میں انہوں نے اشیائے ضروریہ کی فراہمی کو بھی عالمگیریت کا ایک اہم میدان قرار دیا ہے۔اس حوالے سے اگرچہ یہ اختلاف بھی ہے کہ اشیائے ضروریہ کی آڑ میں ہی کسی ملک کا قیمتی زر مبادلہ وہ ممالک لے اڑتے ہیں جو انہیں وہ اشیا فراہم کر رہے ہوتے ہیں لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ان اشیا کی فراہمی چونکہ عالمگیریت کی مرہون منت ہے لہذا یہ بھی اس کا ایک اہم میدان ہے۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عالمگیریت دنیا میں موجود فاصلوں کا کم ہو جانا اور تجارت کی غرض سے ایک دوسرے کے قریب ہو جانے کا نام ہے[2]۔

سہولیات کی فراہمی عالمگیریت کا ہدف:

اس وجہ سے شاید بعض ماہرین نے کہا ہے کہ سہولت کی فراہمی ہی عالمگیریت کا سب سے بڑا میدان ہے۔یعنی اگر ایک علاقے میں کسی چیز کا فقدان نہ ہو تو وہاں کسی دوسرے علاقے سے چیزیں لا کر تجارت کرنا ایک کار جنوں ہی کہلائے گا۔کسی بھی چیز کی کھپت بازار میں اس کی طلب پر منحصر ہوتی ہے۔اسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ماہرین نے کہا ہے کہ سہولت کی فراہمی ہی

---

1 C. Walck & Billmora, Globalization, P.8/10-11

2 P.V. Nikitin and J.E. Elliot, Freedom and Market, The Forum for Social For Social Economics Press 2000, P. 14

عالمگیریت کا سب سے بڑا اور اہم میدان ہے۔ اگر کسی علاقے میں کسی چیز کی کمی ہے اور وہاں کے لوگوں کو اس کی اشد ضرورت بھی ہے تو یہ چیز اس علاقے میں کسی دوسرے علاقے سے جس عمل کے تحت لائی جائے گی اسے عالمگیریت ہی کہا جائے گا۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے سرحدوں یا کسی بھی قومیت یا تہذیب کا خیال نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان چیزوں سے قطع نظر اس علاقے میں لوگوں کی ضرورت اور اس چیز کی طلب جیسے امور کا بہاؤ اپنی جگہ بنائے گا[1]۔ عالمگیریت کے میادین کار کا شاید یہی رخ ہے کہ قومیت، تہذیب، معاشرت اور معیشت جیسے عوامل ہوتے ہوئے بھی یہ ہر ملک میں اپنی جگہ بنانے میں نہ صرف کامیاب رہی ہے بلکہ اس نے انسانی زندگی اور معاشرے پر اپنے اثرات بھی مرتب کیے ہیں۔ اس اعتبار سے ماہرین نے اس جہت کو بھی عالمگیریت کا ایک اہم میدان کار قرار دیا ہے کہ عالمگیریت کی وجہ سے انسانی اور غیر انسانی عوامل متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان فاصلے، مختلف وجوہات اور طرز ہائے زندگی بھی تبدیل ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے انسانی معاشروں اور مختلف لوگوں کے مابین انسانی رویوں کی تبدیلی، ان کی ترجیحات اور عوامل کا انضمام عالمگیریت کا سب سے بڑا میدان اور ہدف رہا ہے[2]۔

مختلف امور کی خبر داری:

جبکہ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ عالمگیریت کا میادین کار میں سے ایک میدان مختلف امور کی خبر داری بھی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والے واقعے سے خبر دار ہو جاتے ہیں جو مختلف حوالوں سے ان پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہ عالمگیریت کا سب سے بڑا میدان کار ہے۔ جیسا کہ ڈالر کا ریٹ کم ہونا یا بڑھنا کسی بھی علاقے میں مختلف چیزوں کی قدر و قیمت پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح پٹرولیم کی قیمتوں کا کم ہونا یا بڑھ جانا۔ اسی طرح دنیا میں ہونے والے دیگر واقعات کسی بھی ملک یا معاشرے میں ان حوالوں سے اثر انداز ہوتے ہیں جو اس واقعے سے کسی لحاظ سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ عالمگیریت کا اہم میدان کار یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے مختلف ممالک میں ہونے والے واقعات سے مختلف معاشروں کو خبر دار کر کے مختلف حوالوں سے اپنے اثرات کا نفوذ کرتی ہے اسی وجہ سے ماہرین نے عالمگیریت کے اس میدان کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ پوری دنیا میں تعلقات پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس ضمن میں یہ تک امتیاز نہیں کیا جاتا ہے کہ واقعہ کہاں رونما ہوا ہے بلکہ یہ ان واقعات کے اثرات مرتب کرتی ہے جیسا کہ مقامی سطح پر رونما ہوئے ہوں[3]۔

اسی رخ کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض ماہرین نے کہا ہے کہ عالمگیریت کا یہ میدان کار سب سے نمایاں ہے کہ اس میں کسی بھی ملک کی جغرافیائی سرحدیں قائم رہتی ہیں لیکن ان کی معیشت، معاشرت اور اخلاقی حالت ایک جیسی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بعض ماہرین نے اس رخ کو یوں بیان کیا ہے کہ جغرافیائی سرحدوں سے بالاتر ہو کر دنیا کو ایک کر دینا عالمگیریت کا ایک ایسا میدان کار ہے

---

1 Anthony G. McGrew, Global Legal Interaction and Present-Day Patterns of Globalization, Ashgate Dartmouth Publishing Company 1998. P. 327

2 Dr. Nayef R.F. Al-Rodhan, Globalization; A Comprehensive Overview and Proposed Definition, Avenue De La Paix Publisher Geneva 2006, P.5

3 Anthony Gidden, The Consequences of Modernity. P.64

جس کے اثرات سے شاید ہی کوئی ملک محفوظ ہو[1]۔ماہرین نے اس میدان کار کے ضمن میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے ممالک یا اداروں کا ایک بنیادی المیہ یہ ہے کہ ان کی راہ میں کوئی اور نہیں، اُن کا اپنا سسٹم ہی رکاوٹ ہے۔ یا تو انہیں مطلوبہ معیار کی نئی تعلیم اور تربیت نہیں مل پارہی یا پھر نظام ان کے لیے مواقع پیدا کرنے میں ناکام ہے۔ ہر دور میں جو کچھ ہوا ہے، تبدیلی کے ہاتھوں اس دور میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے۔ جہاں کہیں بھی تبدیلی رونما ہو رہی ہے، سیاسی ردعمل سامنے آرہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ لوگ اور علاقے پیچھے رہ گئے ہیں کیونکہ وہ دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے لہذا وہ ایک سمت میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں حالانکہ دنیا کے رویے اورانضمام سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جو عالمگیریت کا ایک میدان تھا[2]۔

میادین کار کے تعین میں اختلافات:

گلوبلائزیشن یا عالمگیریت کے میادین کار میں جو اختلاف واقع ہوا ہے، اس کی بنیاد تعریف کرنے والے مفکرین کے وابستگی کی بنیاد پر ہے۔ کسی نے ثقافت کے میدانوں کسی ملک کی برتری کی بنیاد اس ملک کی استعماریت کو عالمگیریت کا نام دیا۔ کسی نے عالمگیریت کو صرف اخلاقیات کی حد تک مقید کر دیا۔ بعض نے عالمگیریت سے مراد کسی ملک کی معاشی برتری کو لیا اور کسی نے کسی ملک کی سیاسی برتری کو اس کی عالمگیریت سے تعبیر کیا۔ کسی نے دنیا میں کہا کہ دنیا جدید ٹیکنالوجی کی بدولت دنیا سکڑ کر ایک گلوبل ویلیج کی سی شکل اختیار کر چکی ہے جس کی وجہ سے ان کا ثقافت، سیاست، اخلاقیات اور معیشت میں ہم آہنگ ہو جانا کوئی بڑی عجیب بات نہیں ہے۔ گویا کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح عالمگیریت کی تعریفات میں فکری اختلاف واقع ہوا ہے اسی اس کے میادین کار میں اختلاف موجود ہے۔

اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ماہرین نے اپنے علم و فن کے اعتبار سے جو دیکھا اسے اس کا میدان کار قرار دیا۔ڈاکٹر احمد مختار حمیدی نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ معلومات عامہ، اثاثہ جات، سرمائے، ٹیکنالوجی، ثقافت اور خود انسان جو دنیا کے مختلف کونوں میں رہتے ہیں، کا اس طرح ہو جانا گویا وہ ایک ہی جگہ ہیں یا ایک چھوٹی بستی میں رہتے ہیں[3]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام دنیا کا معلومات، معاشیات، سیاسیات، سرمائے اورانسانوں کے میل جول کے اعتبار سے ایک بستی کا سا روپ اختیار کر جانا عالمگیریت کے میدان کار کہلاتے ہیں۔ اس طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ فی الواقع عالمگیریت کے مختلف میادین کار ہیں۔ عالمگیریت کے میادین کار کے حوالے سے اگر ماہرین کے ان نظریات پر نظر دوڑائی جائے اور ان کا تجزیہ کیا جائے تو خلاصہ کلام کچھ اس طرح بنتا ہے کہ عالمگیریت ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے مختلف میدان کار ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے معاشی پہلو

---

1 Kenichi Ohmae, The Borderless World: Power and Strategy in the Global Marketplace. P.14

2 Ronald Robertstone, Social Theory and Global Culture. P.8

3 حمیدی، معجم اللغۃ العربیہ المعاصرۃ، ص:2/1579

پر توجہ دی اور اس سے متعلق تحقیق کی۔ پس ان لوگوں نے کہا کہ معیشت ہی اس کا میدان کار ہے۔ ان کے نزدیک عالمگیریت کی وجہ سے دنیا ایک عالمی شاپنگ مال بن چکی ہے جس کی وجہ سے مختلف خیالات اور نظریات کی فراہمی اور بہاؤ ایک ہی وقت ایک ہی جگہ مہیا ہوا ہے[1]۔

عالمگیریت اور ثقافتی پہلو:

جبکہ کچھ لوگوں نے ثقافت کے لحاظ سے دیکھا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مختلف ملکوں کے مابین ثقافت کی جنگ ہی عالمگیریت کا میدان کار ہے اور اس کی عالمگیریت کی وجہ سے ہی دنیا میں بعض قومیں اپنی شناخت کھوتی چلی جارہی ہیں اور اس نے دنیا کے کئی اداروں پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ اس وجہ سے ہی دنیا ایک کالونی بنتی جارہی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ عالمگیریت کا یہ پہلو ہی سب سے بڑا میدان ہے۔ اس وجہ سے بعض ماہرین نے اس میدان کو سو سالہ تحریک اور کوشش کا نام دیا ہے جو پوری دنیا میں طاقتور ممالک کی کالونیاں بنانے کا نام ہے[2]۔ دنیا کے میں کچھ مفکر ایسے ہیں جنہوں نے اس سیاسی پہلو پر توجہ کی اور اسی لحاظ سے اس کا جائزہ بھی لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سیاست ہی عالمگیریت کا سب سے بڑا میدان کار ہے اس کی وجہ سے مختلف ممالک اپنے مقاصد کے لیے دوسرے ممالک پر سیاسی غلبے کے لیے عالمگیریت کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ سیاست ایک ایسا امر ہے جس کی وجہ سے کسی بھی ملک میں لوگوں کی زندگی کے تمام پہلو اثر پذیر ہوتے ہیں۔ لہذا ان ماہرین نے سیاسی اعتبار سے عالمگیریت کے میادین کار میں ان حوالوں کو شامل کیا ہے جو سیاست کے ذیل میں متاثر ہو سکتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاسی حوالوں سے مضبوط ممالک کی معیشت، معاشرت اور دوسرے پہلوہائے زندگی بھی مضبوط ہی رہتے ہیں۔ لہذا جن ماہرین نے اپنی فکر کے نتیجے میں سیاست کو عالمگیریت کا اہم اور سب سے بڑا میدان قرار دیا تھا انہوں نے معاشی، معاشرتی، اخلاقی، رویہ جاتی اقدار اور تہذیبی حوالوں سے ہم آہنگی اور ایک دوسرے سے قربت کا بھی سیاسی میدان کار میں شامل کیا ہے[3]۔ اسی کے ذیل میں ان کا کہنا ہے کہ عالمگیریت کے میادین کار کے اختلاف کی وجہ سے ہی معاشرے، ثقافت، سیاست اور معیشت بعض اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہو کر اکٹھے ہو جاتی ہیں اور یہ انضمام ہی عالمگیریت کا سب سے بڑا میدان ہے[4]۔

ٹیکنالوجی کا میدان:

کچھ لوگوں نے ٹیکنالوجی کے میدان ہونے والی تبدیلیوں کو اس کا میدان کار قرار دیا۔ لیکن جس قدر غور کیا جائے یہ بات اسی قدر واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ عالمگیریت کے میادین کار میں تمام پہلو شامل ہیں اور تمام گوشہ ہائے حیات اس سے متاثر نظر

---

1 Rosabeth Moss Kenter, Thriving Locality in the Global Economy. P.15
2 Martin Khor, The Globalization of the World Politics, An Introduction to International Relation. P.15
3 Hans Henrik and George Sorensen, Whose Orders? Uneven Globalization and End of the Cold War. P.1
4 Ray Kiely and Phil marfleet, Globalization and the Third World. P.3

آتے ہیں۔یہ اصطلاح مغرب سے آئی ہے اورایک لحاظ سے یہ مغربی تہذیب، سیاست، معاشرت اور معیشت کے غلبہ کا نام ہے ۔یہی وجہ ہے کہ مغرب ان تمام جہتوں سے پوری دنیا کو بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر کررہاہے۔بعض مفکرین کے مطابق عالمگیریت استعمار (Colonialism)اور استشراق (Orientalism) کی دو تحریکوں کے مجموعے کا نام ہے، جس کے ذریعے مغربی اور صہیونی طاقتوں کے مالی تحفظ کو یقینی بنانے کے ساتھ ان کے مذہبی عقائد، اخلاقی اقدار اور معاشرتی ثقافت کو عالمی جامہ پہنا کر پوری دنیامیں رائج کیاجائے۔

عالمگیریت کے مقاصد:

عالمگیریت کی حقیقت اس کا پانچ بڑے مقاصد میں منحصر ہوناہے۔اول؛دنیاپر سیاسی برتری کا حصول۔دوم؛دنیاپر اقتصادی برتری کا حصول ۔سوم؛دنیا پر مغربی معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کا تسلط۔ چہارم؛ پوری دنیا میں مغربی زبان و ادب کی ترویج اور پنجم؛عالمی عدالت اور سلامتی کونسل کے ذریعے پوری دنیاپر مغربی حکمرانی کا قیام۔

عالمگیریت کے میادین کار کاانہی پانچ مقاصد میں منحصر ہونے کی طرف مختلف مفکرین نے اپنے اپنے اعتبار سے اشارہ کیاہے اوراس کے سدباب کے اقدامات بھی بتائے ہیں۔لیکن کسی نے صرف معاشی پہلو کی، کسی نے سیاسی پہلو، کسی ثقافتی پہلواور کسی معاشرتی پہلو کی نشاندہی کی اور کسی نے اسے مطلقاًعالمی منڈی کانام دیالیکن جارج موڈسکی نے ان مذکورہ پانچ مقاصد کی طرف کچھ یوں اشارہ کیاہے اورانہی مقاصد کے مجموعے کو عالمگیریت کانام دیا۔وہ کہتاہے؛

“Globalization is a process along four dimensions: economic globalization, formation of world opinion, democratization, and political globalization. This was rounded off with the assertion that changes along one of these dimension elicited changes among the other dimensions” [1]

"عالمگیریت ایک ایسا عمل ہے جس کے چارپہلو ہیں؛معاشی عالمگیریت،رائے عامہ کی دنیا،جمہوریت سازی اور سیاسی عالمگیریت۔اس ایک ایسے حق ملکیت کے طور پر جاناگیاہے جو پہلوؤں کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کو بھی تبدیل کردیاہے"۔

مذہب کے لئے خطرہ:

لیکن یہ بات طے ہے کہ عالمگیریت کی حتمی حقیقت طے نہیں ہوسکی اور ہر کسی نے اس کو اپنے مخصوص تناظر میں دیکھا ہے یہاں تک کہ مذہبی حلقوں نے بھی اسے مذہب کے لیے ایک خطرے سے تعبیر کیاہے جیساکہ مشہوراسلامی مفکر عبداللہ ترکی نے بھی امریکی اور مغربی تسلط کا عالمی قراردیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ عالمگیریت داخلی اور خارجی دونوں اعتبار سے بالعموم مغربی

1 George Modelski, Globalization Texts, Concepts and Terms. P.23

اور بالخصوص امریکی تسلط کا نام ہے[1]۔ بعض نے اسے استعمار ہی کا نام دیا ہے جو ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ممتاز مذہبی سکالر علامہ یوسف قرضاوی عالمگیریت کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں؛

"العولمة فی حقیقتهاو اهدافها وطرقهااليوم انماهی الاستعمار بلون جدید"

"موجودہ دور میں متعارف کرائی جانے عالمگیریت اپنی حقیقت، اپنے ہدف اور طریقہ کے لحاظ سے استعمار ہی ہے جسے ایک نئے رنگ میں پیش کیا جارہا ہے"

عالمگیریت کے میادین کار کے بارے میں یہ اختلاف اس قدر رہے کہ اس کے بانیاں کے مابین بھی اس پر اتفاق واقع نہیں ہوسکا۔ مشہور مغربی مفکر Aart Scholte لکھتا ہے؛

“Globalization is a term in heavy current usage but one whose meaning remain obscure of among those who invoke it. Actually it is result of large public spread across the world as one of the defining terms of late twentieth century social consciousness”[2]

"عالمگیریت بیسویں صدی میں کثیر تعداد میں ہونے والی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں معانی پر خود ان لوگوں کا بھی اتفاق نہیں ہوسکا جنھوں نے اس کو متعارف کرایا تھا۔ اتفاق کے نہ ہونے کی وجہ دراصل اس کا پوری دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیل جانا ہے اور پھر اس صدی میں ہر کسی نے اسے اپنے مخصوص زاویہ فکر سے دیکھا"۔

شعور و آگہی پھیلانا:

لیکن اس ضمن میں متعین کی گئی تمام حقیقتوں میں زیادہ تر عمومی پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اس کا میدان کار یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا میں لوگوں میں حق ملکیت کا شعور اجاگر ہوا ہے اور دنیا میں لوگ دوسرے لوگوں کا یہ حق تسلیم بھی کرنے لگے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے معاشرے میں استحصالی نظام اپنی جڑیں گہری کرچکا تھا۔ اسی وجہ سے بعض ماہرین نے کہا ہے کہ عالمگیریت کے چار میادین کار ہیں؛ معاشی عالمگیریت، رائے عامہ کی دنیا، جمہوریت سازی اور سیاسی عالمگیریت۔ اس اہم میدان کار کو حق ملکیت کے طور پر جانا گیا ہے جو پہلوؤں کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کو بھی تبدیل کردیا ہے[3]۔ اسی کے ذیل میں مشہور مفکر اور سماجی ماہر میک گیرو کہتے ہیں؛

---

1 الترکی، الحوار المبتغی فی ظل العولمیہ، مجلۃ الرابطہ، العدد 123، ص:12

2 Jan Aart Scholte, Globalization and Modernity. P. 15

3 George Modelski, Globalization Texts, Concepts and Terms. P.23

> "Multiplicity of linkages and interconnections that transcend the nation state which make up the modern world system define a process through which events, decisions and activities in one part of the world can come to have a significant consequence for individuals and communities in quit distant part of the globe"(1)

"رابطوں اور مداخلتوں کی کثرت سے جس ملک کی ریاست کو جدید بناتا ہے جس کو جدید دنیا کے نظام کو مرتب کیا جاتا ہے اس عمل کی وضاحت کرتا ہے جس کے ذریعہ دنیا کے ایک حصے میں واقعات، فیصلے اور سرگرمیاں افراد اور کمیونٹیوں کے لئے ایک اہم نتیجہ ہو سکتے ہیں."

معاشرتی تبدیلیاں عالمگیریت کا ہدف:

یہاں عالمگیریت میں عالمگیریت کے دو ملکوں کے مابین نفوذ پانے والے پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے ایک ملک کے دوسرے ملک پر معاشرتی اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض ماہرین نے معاشرتی تبدیلیوں کو عالمگیریت کا ایک ہدف قرار دیتے ہوئے اسے اس کا سب سے مؤثر میدان قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ان کا ماننا ہے کہ قطع نظر مذہبی، نظریاتی، جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی سرحدوں کے، اس کی وجہ سے لوگ ایک معاشرے میں ڈھل رہے ہیں اور یہ عالمگیریت کا سب سے اثر انداز میدان ہے(2)۔ جبکہ بعض نے مفکرین نے صرف اس کے معاشی پہلو کو دیکھا ہے جیسا کہ فلپ کارنی کہتا ہے؛

> "Globalization is defined here as a set of economic and political structure and processes deriving from the changing character of the goods and assets that comprise the base of international political economy"(3)

"گلوبلائزیشن کو معیشت اور سیاسی ساخت کی وضاحت کی گئی ہے اور سامان کے بدلنے والے کردار سے حاصل کرنے والے عملوں سے متعلق عمل اور معاہدے پر بین الاقوامی سیاسی معیشت کی بنیاد پر مشتمل ہے"

بعض ماہرین نے انضمام معاشرت کے پہلو سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بات کی ہے کہ عالمگیریت ایک ایسا ناگہانی تصور ہے جو از خود پیدا کیا گیا تا کہ سماجی رویوں کے تیز ترین انضمام کے حامل خصوصیات کے لوگوں کے تجربات کو ایک دوسرے پر منعکس کیا جائے اور یہ پہلو ریاستوں کے مابین بھی ہو اور قوموں کے درمیان بھی(4)۔ امریکی مفکر فرانسس نے اس کے ذیل میں جدید ایجادات کو بھی شامل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عالمگیر کے میادین کار میں یت جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے پیدا ہونے والے

---

1 James Rosenanu, The Dynamics of Globalization Towards an Formulation. P.18
2 Martin Albrow, Globalization, Knowledge and Society. P.8
3 Anthony McGrew, A Global Society. P.56
4 Richard Kilminister, Globalization as an Emergent Concept in Alan Scott- P.272

سرمائے کی کثرت اوراس کی وجہ سے جنم لینے والی انسانی ضروریات اور خواہشات بھی شامل ہیں۔یہی وہ امر ہے جس نے تمام انسانوں نے کو آپس میں یکجا کیاہے اس کا کہناہے کہ؛

"Technology makes possible the limitless accumulation of wealth and thus the satisfaction of an ever-expending set of human desire. This process guarantees an increasing homogenization of all human societies, regardless of their historical origins or cultural inheritances" (1)

"ٹیکنالوجی دولت کے لامحدود حصول کو ممکن بناتی ہے اور اس طرح بڑھتی ہوئی انسانی خواہشات کو تسکین مہیا کرتی ہے . یہ عمل ان کی تاریخی اصل یا ثقافتی وراثت کے بغیر، تمام انسانی معاشروں کی بڑھتی ہوئی homogenization کی ضمانت دیتاہے"

مثبت اثرات اور تجارتی میدان:

اگرچہ اس میں اختلاف رہاہے کہ عالمگیریت کا بنیادی مقصد کیاہے اور زندگی کے کس شعبے میں یہ سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تجارت کے پہلو میں اس کی اہمیت سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔اگر مثبت اثرات کی بات کی جائے تو بھی اس کا تجارتی میدان کار نمایاں ہے اور اگر منفی اثرات کی بات کی جائے تب بھی اس کا یہ پہلو سب سے جداگانہ ہے۔تجارت ہی کے ذریعے کوئی بھی ادارہ یاملک اپنے اثاثہ جات میں اضافہ کرکے خود کو مضبوط بناتاہے۔اس لحاظ سے معیشت سے تعلق رکھنے والے ماہرین نے اس کو عالمگیریت کا سب سے بنیادی اور اہم میدان کار بتایاہے اوراس جانب اشارہ کیاہے کہ یہ قومی، علاقائی، سیاسی حدود میں مختلف سرگرمیوں کی ترقی کانام ہے۔اس سے تجارت اور سرمایہ کاری کے ذریعہ ملکیت، حق، بشمول منتقلی، اطمینان اور غیر معمولی سامان اور خدمات کی بڑھتی ہوئی تحریک میں اظہار ممکن ہے(2)۔آکسفورڈڈکشنری میں عالمگیریت کے انہی پہلوؤں اور میادین کار کے بارے میں وضاحت کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ؛

"Globalization is "the act of globalizing"; from the noun "global" meaning "pertaining to or involving the whole world", "worldwide"; "universal" (3)

"گلوبلائزیشن ایک ایسا عمل ہے جس میں گلوبلائزنگ کا عمل پایاجائے۔یہ گلوبل سے ماخوذ ایک اسم ہے جو ایک ایسا عمل ہے جو پوری دنیا کو شامل ہو"

الغرض عالمگیریت کے میادین کار کے بارے میں جتنی بھی بیان شدہ حقیقتیں اس وقت مہیاہیں ان سب میں پوری دنیا کو شامل ہونے کا معنی ضرور شامل ہے۔یعنی کسی بھی ایسے عمل کو عالمگیر کی حقیقت نہیں کہاجاسکتا جس میں پوری دنیا شامل نہ ہو یا اس

1 Francis Fukuyama, The End of History and The Last Man. P. 14.15
2 Charles Oman, The Policy Challenges of Globalization and Regionalization. P.5
3 Oxford English Dictionary, Available from: http://www.oed.com

عمل میں پوری دنیا کے شامل ہونے کی خواہش نہ کی گئی ہو اسی وجہ سے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عالمگیریت کے میادین کار کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ یہ ایک ذہنی اختراع، ایک نمائشی نظریے، ایک استعارے اور آخری طور پر ایک پیچیدہ سوچ کا انداز ہے [1]۔ عالمگیریت کا بین الاقوامی فورم اس کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے؛

"Globalization is the present worldwide drive toward a globalized economic system dominated by supranational corporate trade and banking institutions that are not accountable to democratic processes or national governments" [2]

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے برائے غربت اور ڈیولپمنٹ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے؛

"اگرچہ گلوبلائزیشن کی تعریف تجزیہ کے تناظر کے ساتھ مختلف ہوتی ہے، یہ عام طور پر قومی حدود میں بڑھتی ہوئی بات چیت سے متعلق ہے جو زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتی ہے: اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی. اس مطالعہ کے تناظر میں، مناسب حد کے اندر تجزیہ رکھنے کے لئے، توجہ صرف آئی آئی ٹی [معلومات اور مواصلات ٹیکنالوجی] کے کردار پر خاص زور کے ساتھ، اقتصادی پہلوؤں پر ہے. اس طرح، گلوبلائزیشن محدود طور پر دنیا بھر میں ممالک کی بڑھتی ہوئی اقتصادی منسلکات سے متعلق ہے. اس میں ایف بی آئی [غیر ملکی کی بنیاد پر سرمایہ کاری] کے بین الاقوامی بہاؤوں کی سوزش کی وجہ سے مزدوری کے بین الاقوامی ڈویژن میں اضافہ بھی شامل ہے، جس میں مال اور خدمات میں کراس سرحد کے ٹرانزیکشنز کی بڑھتی ہوئی حجم اور مختلف قسم کے، بین الاقوامی سرمایہ کاری کے بہاؤ، بین الاقوامی منتقلی اور زیادہ تیز رفتار اور ٹیکنالوجی کی وسیع پیمانے پر پھیلاؤ. یہ اس بات کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس سماجی، ثقافتی اور گلوبلائزیشن کے دیگر شکلیں غیر معمولی ہیں، صرف یہ کہ وہ اقتصادی سلامتی اور ترقی کے بارے میں بات چیت میں زیادہ متعلق نہیں ہیں" [3]

اس تعریف میں اس بات کا اقرار ہے کہ عالمگیریت کی حقیقت میں اختلاف ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا اقرار بھی ہے کہ اس کی تعریف میں ایسا عنصر ضرور شامل حال رہتا ہے جس میں پوری دنیا کسی نہ کسی طریقے سے شریک یا متاثر ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بات بین الاقوامی ادارہ برائے صحت کی تعریف میں بھی ملتی ہے بلکہ وہاں اسے باہمی اشتراک عمل کا نام ہی دیا گیا ہے۔

1 Robert Spich, Globalization folk fore: Problem of Myth and Ideology in the Discourse on Globalization, Vol.8 , No.4, 1995, PP.10-11

2 International Forum on Globalization. Available on: http://www.ifg.org/analysis.htm

3 United Nations Poverty and Development Division. Available from: http://www.unescap.org/drpad/publication/survey1999/svy4a.htm

"گلوبلائزیشن، یالوگوں، ممالک کی بڑھتی ہوئی منسلک اور انحصار، عام طور پر دوباہمی عناصر کو شامل کرنے کے بارے میں سمجھا جاتا ہے: سرحدوں کے افتتاحی سامان، خدمات، فنانس، عوام اور بین الاقوامی سرحدوں کے بارے میں خیالات کے تیزی سے بہاؤ؛ اور بین الاقوامی اور قومی سطحوں پر ادارہ اور پالیسی کے نظام میں تبدیلیوں جو اس طرح کے بہاؤ کو سہولت یا فروغ دینے میں مدد ملتی ہے. یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گلوبلائزیشن میں ترقی پر مثبت اور منفی اثرات موجود ہیں "[1]

خلاصہ باب:

عالمگیریت کی تعریفات اور ماہرین کی آراء سے ظاہر ہوا کہ عالمگیریت کی اصطلاح اگرچہ پرانی ہے لیکن دور جدید میں اس کی اٹھان کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ یہ بالکل ایک نئی اور جداگانہ طرز میں دنیا کے سامنے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ آج کل اس کا ایک معنی یہ ہے کہ طاقتور ممالک دنیا پر اپنا سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی غلبہ چاہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے بعض ماہرین نے عالمگیریت سے مراد سیاسی عالمگیریت، بعض نے معاشی عالمگیریت، بعض نے معاشرتی عالمگیریت اور بعض نے اخلاقی عالمگیریت مراد لی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ ماہرین کا مختلف طرز ہائے زندگی اور مختلف شعبہ جات سے تعلق ہونا ہے۔ مسلم ممالک میں یہ اس حوالے سے یہ بات بالعموم پائی ہے کہ عالمگیریت ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے مغرب مسلم ممالک کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا ہے۔ وہ مسلم معاشرے میں اپنے اثر ورسوخ کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔

دنیا میں مختلف قومیں آباد تھیں جو ایک دوسرے سے دور تھیں۔ ذرائع ابلاغ اور ذرائع آمدورفت نہ ہونے ان کا ایک دوسرے کے قریب جانا اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ ممکن نہیں تھا۔ بلکہ بعض علاقے تو ایک دوسرے کے وجود تک سے ناواقف تھے اور بہت بعد میں دریافت ہوئے۔ جوں جوں دنیا میں ٹیکنالوجی ترقی کرتی گئی، ایک دوسرے سے دور ممالک اور اقوام ایک دوسرے سے قریب ہوئیں اور ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوئیں۔ یہیں سے عالمگیریت کا آغاز ہوا لیکن اکیسویں صدی میں پاکستان میں بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے عام ہونے کے بعد عالمگیریت کی لہر تیزی سے پھیلی اور یورپی ثقافت کے پھیلاؤ میں میڈیا نے اہم کردار ادا کیا۔ ڈراموں فلموں میں جس معاشرے کی عکاسی کی جاتی ہے بظاہر اس کا تعلق پاکستانی معاشرے سے نہیں لگتا۔ نوجوان نسل امریکی ثقافت کو اپنانے میں فخر محسوس کر رہی ہے۔ مقامی ملبوسات، ماکولات کی جگہ پر یورپی ملبوسات اور ماکولات عام ہو گئی ہیں۔ نئی نسل مقامی ثقافت سے دن بدن کٹ رہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کے بعد سوشل میڈیا نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے عالمگیریت کی لہر نے اکیسویں صدی میں پاکستانی معاشرے کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

---

1 World Health Organization [homepage on the Internet]. Geneva, Switzerland: The World Health Organization; 2006. Available at ; http://www.who.int/trade/glossary/story043/en/index.html

عالمگیریت کے میادین کار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیریت کے میادین کار کے بارے میں اگرچہ اختلاف واقع ہوا ہے لیکن ان سے یکسر انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اختلاف کی وجہ ماہرین کا فکری اختلاف ہے۔ یعنی جس ماہر کا تعلق معیشت سے تھا اس نے معیشت کو عالمگیریت کا میدان کار قرار دیا لیکن اگر کسی مفکر کا تعلق سیاست سے تھا تو اس نے عالمگیریت کو ایک ایسا ہتھیار بتایا جس کا واحد مقصد اور اکلوتا میدان سیاست ہی تھا۔ اس میں عمرانیات کے ماہر نے معاشرے کو عالمگیریت کا میدان بتایا تو کسی مذہب سے لگاؤ رکھنے والے نے یہ کہہ دیا ہے کہ دوسرے مذاہب کو نقصان پہنچانا اور اپنے مذہب کی ترویج ہی عالمگیریت کا میدان ہے۔ لیکن ان تمام تر اختلافات کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ عالمگیریت نے پوری دنیا پر بالعموم اور اسلامی دنیا پر بالخصوص اپنے اثرات مرتب کیے ہیں اور اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ جب سے دنیا ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہونا شروع ہوئی ہے تب سے مسلمانوں کا اپنے مذہب سے لگاؤ کم ہی ہوا ہے اور ان کے رہن سہن میں مغربی ثقافت کی جھلک دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ اس ضمن میں لوگ یہ کہتے پائے جاتے ہیں کہ عالمگیریت ایک ایسا عفریت ہے جس کے پنجے سے کسی طور بچنا ممکن نہیں ہے۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی یہ سوال بہر حال موجود ہے کہ اگر اس سے بچاؤ ناگزیر ہی ہے تو اس سے مثبت اثرات کیوں نہیں لیے جاسکے۔ میڈیا اور انٹرنیٹ کی وجہ سے اگر عالمگیریت سے بچنا ناممکن تھا تو چاہیے تھا کہ ایسی پالیسیاں وضع کی جاتیں اور اس طرح کا انتظام کیا جاتا کہ عالمگیریت "مسلم عالمگیریت" میں تبدیل ہو کر رہ جاتی اور یوں اگر عالمگیریت کا ہدف صرف مسلم دنیا تھی تو اس ہتھیار کو الٹا جا سکتا تھا۔ یعنی عالمگیریت کی حقیقت کو تسلیم کر کے اس کا مقابلہ کرنا زیادہ مفید ہوتا۔ جب کہ مسلم ممالک میں اس کے منفی اثرات کو ہدف بنا کر اس کی حقیقت سے ہی انکار کر دیا گیا حالانکہ اس کی مثبت اثرات سے فائدہ اٹھایا جاتا اور منفی اثرات کو اجاگر کیا جاتا تاکہ مسلم ممالک اس کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے۔

باب سوم

جدید مسلم خاندان پر عالمگیریت کے اثرات کا جائزہ

فصل اول: مسلم خاندانی نظام کے لئے اسوہ حسنہ سے ماخوذ عالمگیر اصول

فصل دوم: مسلم خاندانی نظام میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور عالمگیر اسلامی تعلیمات

فصل سوم: عالمگیریت کے مسلم خاندان کے باہمی حقوق و فرائض پر اثرات

فصل چہارم: اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادے کے اصول

فصل اول

مسلم خاندانی نظام کے لئے اسوہ حسنہ سے ماخوذ عالمگیر اصول

فصل اوّل:

مسلم خاندانی نظام کے لیے اسوہ حسنہ سے ماخوذ عالمگیر اصول

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام نے رہنمائی نہ کی ہو۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے اس لئے یہ اپنے ماننے والوں کو ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے بلکہ اسے آخرت کی ازلی سعادتیں بھی نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام نے سب سے زیادہ عزت انسان کو عطا کی ہے۔ اسلام کی جتنی بھی ہدایات ہیں ان میں انسان کی عزت نفس ایک بنیادی نقطہ ہے اور اس کی اصلاح سے اسلام نے معاشرے کی اصلاح کی طرف سفر کا آغاز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ خاندان معاشرے کی اکائی ہے۔ اسلام نے جہاں دوسرے امور کی طرف رہنمائی کی ہے وہیں ایک اچھے اور مثالی خاندان کی خصوصیات بھی واضح کی ہیں جو پیغمبر اسلام کی زندگی سے آشکار ہیں۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا؛

((أَلاَ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ، إِلاَّ أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً، أَلاَ إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلاَ يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ، وَلاَ يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ))[1]

" سنو! عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ اس لیے کہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔ تم اس) ہمبستری اور اپنی عصمت اور اپنے مال کی امانت وغیرہ (کے علاوہ اور کچھ اختیار نہیں رکھتے) اور جب وہ اپنا فرض ادا کرتی ہوں تو پھر ان کے ساتھ بدسلوکی کا جواز کیا ہے (ہاں اگر وہ کسی کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں) تو پھر تمہیں انہیں سزا دینے کا ہے (پس اگر وہ ایسا کریں تو انہیں بستروں سے علیحدہ چھوڑ دو اور انہیں مارو لیکن اذیت ناک مار نہ ہو، اس کے بعد اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو پھر انہیں سزا دینے کا کوئی اور بہانہ نہ تلاش کرو، سنو! جس طرح تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اسی طرح تم پر تمہاری بیویوں کا بھی حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ایسے لوگوں کو نہ روندنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھا نہیں سمجھتے۔ سنو! اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس اور پہنے میں اچھا سلوک کرو"

---

1 ترمذی، السنن، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث:1163

عورت اور مرد کے ملاپ سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے اوراس میں مرکزی کردار بایں معنی عورت کا ہی ہوتا ہے کہ وہ مستقبل کے خاندانوں اور معاشرے کی آنے والی نسل کی تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبے میں اس امر کی جانب اشارہ کیا کہ عورت کو اس وقت سزا کی اجازت نہیں ہے جب تک وہ کسی کھلی بدکاری کی مرتکب نہ ہوجائیں اور مردوں پر یہ واضح کر دیا گیا کہ دونوں ایک دوسرے کی عزت کریں کیونکہ دونوں کے ایک دوسرے پر فرائض ہیں اوراسی طرح ایک دوسرے کے ضمن میں وہ حقوق بھی رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی عائلی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایک مثالی سلوک روا رکھا جو آنے والے تمام ادوار کے لیے ایک روشن مثال ہے اوراس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے خاندان کو ایک فلاحی اور مطمئن خاندان بنا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ایک مسلم خاندان مندرجہ خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔

بیوی پر خرچ کرنا:

اسلام نے مرد کو بیوی پر خرچ کرنے کی جانب راغب کیا اورایسا کرنے والے کے عمل کو اس کے لیے باعث ثواب قرار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں بیوی کو بوجھ کے طور پر نہیں لیا جاتا بلکہ اس پر خرچ ہونے والے ایک لقمے کو اللہ تعالی کی رضا کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ))[1]

"حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب آدمی ثواب کی نیت سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے پس وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے"

عدل وانصاف:

اسلام میں عدل وانصاف کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ خاندان میں بھی اس کو یقینی بنانے کی ترغیب بلکہ ترہیب کا درس دیتا ہے۔ بسا اوقات انسان کسی بھی مجبوری یا کسی اور وجہ سے دوسری شادی کر لیتا ہے اور یہ کوئی نازیبا حرکت بھی نہیں ہے کیونکہ اسلام نے اس کی اجازت بھی دی ہے۔ اجازت کو اس بات کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کیا جائے۔ اگر انسان ان میں عدل نہ کر سکے تو اسلام ایک ہی بیوی رکھنے کو بہتر قرار دیتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک مثالی خاندان کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اگر اس میں خاوند کی ایک سے زائد سے بیویاں ہوں تو اسے ان میں انصاف کرنا چاہیے۔ ارشاد نبوی ہے؛

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ القِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ))[2]

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ ولکل امرئ مانویٰ، حدیث:55

2 ترمذی، السنن، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، حدیث:1141

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ `نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :جب کسی شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور ان کے درمیان انصاف سے کام نہ لے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہو گا"

نیک اور صالح بیوی:

اسوہ حسنہ سے نبی کریم ﷺ کا ایک اور فرمان اس ضمن میں ملتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں عورت کو کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ایک مثالی خاندان میں عورت پاکباز، عبادت گزار اوراپنے خاوند کی عزت کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہے۔ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے جنت جانا ہے تا کہ اس کی آنے والی اولاد بھی اس کے نقش قدم پر چلے اوراس طرح ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ))[1]

"جو عورت پانچ نمازیں ادا کرتی ہو اور ماہ رمضان کے روزے بھی رکھتی ہے اوراپنی عزت کی حفاظت بھی کرتی ہے اوراپنے شوہر کی اطاعت بھی کرتی ہے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گی جنت میں داخل ہو گی"

باعث اطمینان:

ایک مسلم خاندان کو اطمینان کا حامل ہونا چاہیے۔ اسلام نے مرد کو گھر کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مرد سارا دن اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لیے مارامارا پھرتا ہے اور سخت محنت کی کوفت سے دوچار ہوتا ہے۔ شام کو وہ گھر کی راہ لیتا ہے ں آپ ﷺ نے اس عورت کو مثالی خاندان کا اثاثہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ عورت بہترین ہے جسے اس کا شوہر دیکھے اوراس کی سارے دن کی تھکن دور ہو جائے۔ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرنے والی ہو اوراس کی پسند ناپسند کا خیال بھی رکھنے والی ہو۔ ارشاد سرکار دوعالم ہے؛

((قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ: الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))[2]

"آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا گیا کہ کون سی بیوی سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا وہ بیوی سب سے بہتر ہے جو اپنے شوہر کو خوش کرے جب وہ اس کی طرف دیکھے، اس کی اطاعت کرے جب وہ اسے کسی کام کا کہے اور خود اپنے متعلق اوراپنے مال کے بارے میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے شوہر کو ناپسند ہو"۔

---

1 طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر الشامی، المعجم الاوسط، تحقیق: طارق بن عوض، عبدالمحسن بن ابراہیم الحسینی، دارالحرمین قاہرہ، باب المیم، من اسمہ مطلب، حدیث: 8805

2 نسائی، السنن، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر، حدیث: 3231

ضروریات زندگی:

اسوہ حسنہ سے اس بات کی تعلیم بھی ملتی ہے کہ اس مثالی مسلم خاندان میں اہل وعیال کی ضروریات زندگی کا خیال رکھا جائے۔ دنیا کی قدیم تہذیبوں کی طرح عورت کو ایک بوجھ نہ سمجھا جائے بلکہ مرد جو چیز کھانے اور پینے کے سلسلے میں اپنے لیے پسند کرے وہی چیز اپنے اہل وعیال کے بھی پسند کرے۔ اس بات کی طرف بھی رہنمائی فرمائی کہ عورت کو غصے کی صورت میں اسے برا بھلا کہنا اور کسی وجہ سے اس کے چہرے کو نشانہ بنانا کسی صورت مستحسن نہیں ہے۔ کسی ناراضگی کی وجہ سے اسے گھر سے نکالنا بھی نہیں چاہیے بلکہ اگر جدائی ناگزیر ہو جائے تو گھر میں ہی یہ صورت اپنائی جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((یا رسول الله ، ما حق زوجة احدنا علیه ؟ قال : " ان تطعمها إذا طعمت ، وتكسوها إذا اكتسيت او اكتسبت ، ولا تضرب الوجه ، ولا تقبح ولا تهجر إلا في البيت))[1]

" معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ` میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے اوپر ہماری بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : یہ کہ جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب پہنو یا کماؤ تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، برا بھلا نہ کہو، اور گھر کے علاوہ اس سے جدائی اختیار نہ کرو"

بیزاری سے بچاؤ:

آپ ﷺ نے مسلم خاندان کے لیے ایسی بنیادیں فراہم کرنے کا اہتمام کیا کہ مرد اور عورت میں کسی قسم کی بیزاری کا سامان پیدا نہ ہونے پائے۔ خوبصورتی انسان کی فطرت میں داخل ہے اور وہ الجھی ہوئی پریشان صورتوں اور پراگندہ شخصیات کی طرف اس قدر تیزی سے مائل نہیں ہوتا جس قدر وہ حسن وجمال کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اسلام نے اس سے بچنے کا اتنا اہتمام کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی جنگی سفر سے واپس آرہے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سواری کو جلدی بھگانا شروع کیا تو آپ ﷺ نے اس منع فرمایا تاکہ سب صحابہ کی بیویوں کو خبر ہو جائے اور وہ اپنے شوہروں کے لیے اچھی طرح بن سنور لیں۔ حضرت جابر فرماتے ہیں؛

((فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ: " أَمْهِلُوا، حَتَّى تَدْخُلُوا لَيْلًا - أَيْ عِشَاءً - لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ))[2]

" جابر نے بیان کیا کہ پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے چاہا کہ شہر میں داخل ہو جائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ رات ہو جائے پھر داخل ہونا تاکہ تمہاری بیویاں جو پراگندہ بال ہیں وہ کنگھی چوٹی کر لیں"

---

1 ابو داؤد، السنن، کتاب النکاح، باب فی حق المراۃ علی زوجھا، حدیث:2142

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب طلب الولد، حدیث:5245

مار کٹائی سے اجتناب:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((اتقوا الله في النساء فإنكم اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله وإن لكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فإن فعلن فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف))[1]

"اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ اپنے قبضہ میں لیا ہے، اور تم نے اللہ کے حکم سے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر اس شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اب اگر وہ ایسا کریں تو انہیں بس اس قدر مارو کہ ہڈی نہ ٹوٹنے پائے، اور انہیں تم سے دستور کے مطابق کھانا لینے اور کپڑا لینے کا حق ہے"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں عورت کو کسی تشدد کا نشانہ بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ نکاح کے بعد انہیں زر خرید لونڈیوں کی سی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ ان کے حقوق ان کے مردوں پر لاگو کیے گئے تاکہ انہیں محسوس ہو کہ وہ ان کی لونڈیاں یا محض خدمت گار نہیں ہیں بلکہ ان کے حقوق کی فراہمی بھی مردوں پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے نان نفقے کی مکمل ذمہ داری مرد ہی عائد ہوتی ہے۔

نرم کلامی:

اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ مار کٹائی یا غصہ کسی بھی چیز کا علاج نہیں ہے۔ خاندان میں تمام افراد کو آپس میں پیار محبت سے رہنا چاہیے اور ان کی آپس میں گفتگو کو بھی پیار کا نمونہ ہونا چاہیے۔ اسوہ حسنہ سے اس جانب بھی رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مسلم خاندان میں ترش اور سخت زبان نہیں بولی جاتی اور نہ ہی نازیبا قسم کی گفتگو کی جاتی ہے بلکہ ایک مسلم خاندان میں اچھی اور شائستہ زبان بولی جاتی ہے اور میاں بیوی میں سے اگر کوئی ترش روئی یا سخت کلامی کا مرتکب ہو تو دوسرا اسے یہ احساس دلاتا ہے کہ ایسا کلام کرنے کی بجائے مناسب تھا کہ کوئی اچھی گفتگو کی جاتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں؛

((استاذن رهط من اليهود على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: السام عليكم، فقالت عائشة: بل عليكم السام واللعنة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا عائشة: " إن الله يحب الرفق في الامر كله))[2]

"یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ (آپ ﷺ نے اجازت دی وہ آئے اور) انہوں نے کہا السَّامُ عَلَيْكُمْ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا کہ تمہارے اوپر سام ہو اور لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے"۔

---

1 ابو داؤد، السنن، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبی، حدیث: 1905

2 ترمذی، السنن، کتاب الاستیذان والآداب عن رسول اللہ، باب ماجاء فی التسلیم علی اہل الذمہ، حدیث: 2701

یعنی غصہ کی کیفیت میں بھی نرم کلامی کو اپنے اخلاق کا حصہ بنانا اسلام کی تعلیم ہے خود نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات رضوان اللہ علیھن اجمعین میں سے کسی کے ساتھ سخت کلام نہیں فرمایا۔

مثبت سرگرمیاں:

اسلام میں کسی بھی مثبت سرگرمی سے منع نہیں کیا۔ مرد سارادن گھر کے نان نفقے کے سلسلے میں مصروف رہتا ہے اور عورت گھر کے کام کاج میں جتی رہتی ہے۔ اس صورت میں انسانی فطرت کسی بھی پیچیدگی کا شکار ہو کسی بدمزگی کا سبب بن سکتی ہے۔ خصوصاً آج کل کے ایک شہری اور گنجان آباد معاشرے اس ضمن میں ایک مثال ہیں جہاں کسی بھی سیر تفریح کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسلام نے ایک خاندان کے سلسلے میں اس جانب بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ خاندان کو مثبت سرگرمیوں کا حصہ بنناچاہیے تاکہ ان کی ذہنی تروتازگی کا سامان بنا رہے۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان باعث طمانیت ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فرماتی ہیں؛

((دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ: وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَمَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا))[1]

"ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کی جنگ کے موقع پر کہے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ گانے والیاں نہیں تھیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطانی باجے اور یہ عید کا دن تھا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو بکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج یہ ہماری عید ہے"

غلط فہمی کا ازالہ:

خاندان میں غلط فہمی کا ہونا کسی بھی بڑے جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے اس لیے اسلام نے غلط فہمی ہونے کی صورت میں اس کے فوری ازالے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتی ہیں؛

((لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله عليه وسلم فيها عندي، انقلب فوضع رداءه، وخلع نعليه فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزاره على فراشه، فاضطجع فلم يلبث إلا ريثما ظن ان قد رقدت، فاخذ رداءه رويدا وانتعل رويدا، وفتح الباب فخرج ثم اجافه رويدا ---- وإنا إن شاء الله بكم للاحقون))[2]

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، ابواب العیدین، باب سنۃ العیدین لاھل الاسلام، حدیث:952

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبر والدعاء لاھلھا، رقم الحدیث:974

"ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کروٹ لی اور اپنی چادر لی اور جوتے نکال کر اپنے پاؤں کے آگے رکھے اور چادر کا کنارہ اپنے بچھونے پر بچھایا، لیٹ رہے اور تھوڑی دیر اس خیال سے ٹھہرے رہے کہ گمان کر لیا کہ میں سو گئی۔ پھر آہستہ سے اپنی چادر لی اور آہستہ سے جوتے پہنے اور آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے نکلے اور پھر آہستہ سے اس کو بند کر دیا۔ اور میں نے بھی اپنی چادر لی اور سر پر اوڑھی اور گھونگٹ مارا تہبند پہنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع پہنچے اور دیر تک کھڑے رہے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھائے تین بار۔ پھر لوٹے اور میں بھی لوٹی اور جلدی چلے اور میں بھی جلدی چلی۔ اور دوڑے اور میں بھی دوڑی۔ اور گھر آ گئے اور میں بھی گھر آ گئی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آئی اور گھر میں آتے ہی لیٹ رہی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں آئے تو فرمایا" :اے عائشہ! کیا ہوا تم کو کہ سانس پھول رہا ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے؟ "میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : کہ تم بتا دو، نہیں تو وہ باریک بین خبر دار) یعنی اللہ تعالیٰ (مجھ کو خبر کر دے گا۔ "میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :جو کالا کالا میرے آگے نظر آتا تھا وہ تم ہی تھیں؟ "میں نے کہا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر گھونسا مارا (یہ محبت سے تھا) کہ مجھے درد ہوا اور فرمایا" :تو نے خیال کیا کہ اللہ اور اس کا رسول تیرا حق دبا لے گا۔) یعنی تمھاری باری میں اور کسی بی بی کے پاس چلا جاؤں گا (تب میں نے کہا: جب لوگ کوئی چیز چھپاتے تو ہاں اللہ اس کو جانتا ہے) یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کسی بی بی کے پاس جاتے بھی تو بھی اللہ دیکھتا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے۔ جب تو نے دیکھا انہوں نے مجھے پکارا اور تم سے چھپایا تو میں نے بھی چاہا تم سے چھپاؤں۔ اور وہ تمہارے پاس نہیں آتے تھے کہ تم نے اپنا کپڑا اتار دیا تھا اور میں سمجھا کہ تم سو گئیں۔ تو میں نے برا جانا کہ تم کو جگاؤں اور یہ بھی خوف کیا کہ تم گھبراؤ گی کہ کہاں چلے گئے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ تمہارا پروردگار حکم فرماتا ہے کہ تم بقیع کو جاؤ اور ان کے لئے مغفرت مانگو۔ "میں نے عرض کیا کہ میں کیونکر کہوں اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : کہو سلام ہے ایماندار گھر والوں پر، اور مسلمانوں پر اللہ رحمت کرے ہم سے آگے جانے والوں پر اور پیچھے جانے والوں پر اور ہم، اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں"

آپ ﷺ کا قیام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کے ہاں تھا لیکن آپ ﷺ اچانک اٹھ کر کسی طرف چل دیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کے دل میں خیال آیا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کی طرف چل دیے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ آپ ﷺ کے پیچھے چل دیں۔ آپ قبرستان تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کے دل میں آنے والی اس غلط فہمی کو بھی دور فرمایا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے اسوہ مبارکہ سے یہ واضح کیا کہ اگر بیوی کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو اسے تشدد کا نشانہ بنانے کی بجائے اس کی غلط فہمی دور کرنا ہی ایک مسلم مثالی خاندان کا وطیرہ ہے۔

بیوی بچوں سے محبت:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ `نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع 10ھ کے موقع پر میری مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے۔ اس مرض میں میرے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مرض کی شدت آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں، میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی وارث ہے تو کیا میں اپنے دو تہائی مال کا صدقہ کر دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا پھر آدھے کا کر دوں؟ فرمایا کہ سعد! بس ایک تہائی کا کر دو، یہ بھی بہت ہے۔ مزید ارشاد فرمایا؛

((إنك ان تذر ذريتك اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس , ولست بنافق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا آجرك الله بها , حتى اللقمة تجعلها في في امراتك))[1]

"تو اگر اپنی اولاد کو مالدار چھوڑ کر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ احمد بن یونس نے بیان کیا، ان سے ابراہیم بن سعد نے کہ تم اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو کچھ بھی خرچ کروگے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا ثواب دے گا، اللہ تمہیں اس لقمہ پر بھی ثواب دے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے"

اس حدیث سے آپ ﷺ نے مسلم خاندان کی دو خصوصیات کی طرف اشارہ فرمایا۔ ایک؛ اپنے بیوی بچیوں کے مستقبل کی خاطر کچھ نہ کچھ انتظام کر کے جانا۔ دوم؛ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا۔ یعنی اس کو کھانا کھلانا بھی ایک ایسا امر ممدوح ہے جس سے ایک مسلم خاندان کی بنیادیں مضبوط ہو سکتی ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی ایک ہی بیٹی ہے اور اتنا سارا مال، لہٰذا انہیں اپنا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دینا چاہیے لیکن آپ نے ﷺ اس جانب رہنمائی فرمائی کہ تمہارا خاندان تو باقی ہے۔ اس حدیث میں یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ پہلے اپنے خاندان کی ضروریات پوری کرنی چاہیے اور بعد میں صدقہ خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر خاندان کی قربانی کی صورت میں اللہ کی راہ میں مال دیا جاتا ہے تو یہ کسی صورت بھی امر ممدوح نہیں ہے۔

مسکراہٹوں کا تبادلہ:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((تبسمك في وجه اخيك لك صدقة ، وامرك بالمعروف ونهيك عن المنكر صدقة ، وإرشادك الرجل في ارض الضلال لك صدقة ، وبصرك للرجل الرديء البصر

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باقول النبی "اللھم امض لاصحابی ہجرتھم" ومرثیۃ لمن مات بمکہ، حدیث:3936

لك صدقة ، وإماطتك الحجر والشوكة والعظم عن الطريق لك صدقة ، وإفراغك من دلوك في دلو اخيك لك صدقة))[1]

"اپنے بھائی کے سامنے تمہارا مسکرانا تمہارے لیے صدقہ ہے، تمہارا بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، بھٹک جانے والی جگہ میں کسی آدمی کو تمہارا راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، نابینا اور کم دیکھنے والے آدمی کو راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے، پتھر، کانٹا اور ہڈی کو راستے سے ہٹانا تمہارے لیے صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں تمہارا پانی ڈالنا تمہارے لیے صدقہ ہے"

اس حدیث میں ایک اچھے معاشرے کی طرف عبارۃ اور ایک اچھے خاندان کی طرف اشارۃ رہنمائی ملتی ہے۔ اگر یہاں بھائی سے مراد حقیقی بھائی مراد ہو تب بھی وہ ایک خاندان کا حصہ ہے اور اگر مراد مجازی بھائی یعنی اسلامی بھائی مراد ہو تو اس صورت میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اگر کسی انسان کی مسکراہٹ کا حقدار کوئی مسلمان بھائی ہے تو یقیناً اس کی بیوی اور اس کے بچے اس مسکراہٹ کے زیادہ حقدار ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسکراہٹ کو صدقہ قرار دیا کیونکہ اس سے دل کی کدورتیں دور ہوتی ہیں ۔راستے صاف کرنے کی جانب رہنمائی فرمائی کیونکہ راستے صاف کرنے سے تعلقات کے راستے بھی سہل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اگر باہر کسی کی مدد کرنا ایک باعث مدحت کام ہے تو یقیناً گھر میں یہ سارے امور بجالانا بھی ایک امر مستحسن ہے اور جس خاندان میں یہ امور بجالائے جاتے ہوں وہ ایک صحتمند افراد کا حامل خاندان ہوتا ہے۔

کھانے پینے میں باہمی محبت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتی ہیں؛

((كنت اشرب وانا حائض، ثم اناوله النبي صلى الله عليه وسلم، فيضع فاه على موضع في، فيشربواتعرق العرق، وانا حائض، ثم اناوله النبي صلى الله عليه وسلم، فيضع فاه على موضع في))[2]

"ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں پانی پیتی تھی، پھر پی کر برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ منہ رکھتے جہاں میں نے رکھ کر پیا تھا اور پانی پیتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی اور میں ہڈی نوچتی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ منہ لگاتے جہاں میں نے لگایا تھا"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں میاں بیوی میں محبت کیوں اہم اور ناگزیر ہوتی ہے؟ اسلام اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ عورتوں کو چھوت سمجھا جائے اور ان کے کھانے پینے کے برتن الگ ہوں یا عورت کے جوٹھے کو

1 ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی صنائع المعروف، حدیث:1956

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض راس زوجھا وترجیلہ وطھارۃ سؤرھا والاتکاء فی حجرھا وقراۃ القرآن فیہ، حدیث:300

مرد کے لیے کھانا یا اس کی عورت کے جوٹھے کسی مشروب کو کسی مرد کے لیے پینا باعث عار ہے۔ ایک ہی برتن سے کھانا پینا یا کسی روٹی یا بوٹی کا آدھے حصوں میں تقسیم کر لینا یا کھا کر بعد مرد کو دینا اور مرد کا آدھا کھا کر باقی آدھا عورت کو دے دینا ایک ایسا امر ہے جو سنت ہے اور اس سے میاں بیوی کے درمیان محبت بڑھتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک مسلم مثالی خاندان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں بیوی کا جوٹھا کھانا باعث عار نہیں سمجھا جاتا بلکہ میاں بیوی الگ الگ کھانے کی بجائے اکٹھا اور مل جل کر کھاتے ہیں۔ اس سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ وہ مجھ سے بڑھیا کھاتا ہے یا میری عدم موجودگی میں مجھ سے بہتر کھا لیتی ہے۔ جب دونوں مل کر کھانا کھائیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ کھانے کا تبادلہ بھی کریں گے تو اس سے دونوں میں محبت کا جذبہ پروان چڑھے گا اور ایک دوسرے کے خلاف جانے والی غلط فہمیاں بھی دور ہوں گی۔ اس بات میں کیا شک ہے کہ غلط فہمیوں کا دور ہونا کئی پریشانیوں سے نجات دیتا ہے کیونکہ غلط فہمی ایک ایسا گھن ہے جو رشتوں کو اندر اندر سے ہی کھوکھلا کر دیتا ہے اور جب معلوم ہوتا ہے تو پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے اور واپسی کے راستے ممکنہ حد تک بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

باہمی ہنسی مذاق:

آپ ﷺ کی تعلیمات سے اس طرف بھی واضح رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مسلم خاندان کسی جمود یا مایوسی کی سی کیفیت کا شکار نہیں ہوتا جہاں ہر وقت تناؤ جاری رہتا ہو یا سنجیدگی نے ہی ڈیرے ڈالے ہوئے ہوں۔ بلکہ اس کی بجائے یہ تعلیم ملتی ہے کہ مسلم خاندان میں ماحول خوشگوار ہوتا ہے جہاں میاں بیوی کی دلچسپی اور بیوی میاں کی دلچسپی کا سامان کیے رکھتی ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اسلام ایسے قہقہوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جس سے عورت کا آواز گلی محلوں میں گونجتی پھرے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ ایسا مذاق کرنے سے بھی منع نہیں کرتا جو شریعت کی حد میں ہو اور کسی کی دل آزاری کا باعث نہ بنے یا حیا کے تقاضوں کو پامال نہ کرے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں؛

((هلك ابي وترك سبع ، او تسع بنات ، فتزوجت امراة ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم : " تزوجت يا جابر " ، قلت : نعم ، قال : " بكرا ام ثيبا " ، قلت : ثيبا ، قال : " هلا جارية تلاعبها وتلاعبك ، او تضاحكها وتضاحكك " ، قلت : هلك ابي ، فترك سبع او تسع بنات ، فكرهت ان اجيئهن بمثلهن ، فتزوجت امراة تقوم عليهن ، قال : " فبارك الله عليك "))[1]

"میرے والد شہید ہوئے تو انہوں نے سات یا نو لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ پھر میں نے ایک عورت سے شادی کی تو رسول کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جابر کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا بیاہی سے۔ فرمایا، کسی کنواری لڑکی سے کیوں نہ کی؟ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی یا تم اسے ہنساتے اور وہ تمہیں ہنساتی۔ میں نے عرض کی، میرے والد عبداللہ شہید

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب الدعاء للمتزوج، حدیث: 6387

ہوئے اور سات یا نو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اس لیے میں نے پسند نہیں کیا کہ میں ان کے پاس انہی جیسی لڑکی لاؤں۔ چنانچہ میں نے ایسی عورت سے شادی کی جو ان کی نگرانی کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے"

اس حدیث سے جہاں یہ سبق ملتا ہے کہ مسلم خاندان میں میاں بیوی ایک دوسرے کی فرحت و تازگی کا سامان کرتے ہیں اور ماحول کو خوشگوار بناتے ہیں وہیں اس بات کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے کہ صرف اپنی خواہشات کا ہی اہتمام نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر دیگر افراد کی ذمہ داری سر پر ہو تو ایسا اہتمام کرنا چاہیے کہ یتیم بہن بھائیوں کی تربیت کا بھی اچھا انتظام ہو سکے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کی بجائے اپنے خاندان کا خیال رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برکت کی دعا بھی دی۔ یہ مسلم خاندان کا ایک امتیازی پہلو ہے۔

پیار کے انوکھے انداز:

اسوہ حسنہ ایک مسلم خاندان کے ضمن میں جتنی بھی مثالیں ملتی ہیں چاہے جس نوعیت کی بھی ہوں اور چاہے ان میں کسی بھی پہلو کی وضاحت کی گئی ہو لیکن بنیادی نقطہ ایک اچھے اور صحت مند خاندان کے گرد ہی گھومتا ہے اور تمام تر مقصود یہی ہوتا ہے کہ عائلی زندگی کس طرح خوشگوار بنائی جاسکتی ہے؟ اس ضمن میں اسوہ حسنہ سے جتنے بھی پہلو عیاں ہوتے ہیں ان میں میاں بیوی کے درمیان محبت کو پروان چڑھا کر ان کے باہمی رشتے کو مضبوطی عطا کرنا ایک امتیازی مدار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں عورت یا مرد کسی بھی ایسے امر کو اختیار کر سکتا ہے جس سے خاندانی نظام کو قوت عطا ہو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں؛

((كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اعتكف، يدني إلى راسه، فأرجله، وكان لا يدخل البيت، إلا لحاجة الإنسان))[1]

"ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو اپنا سر میری طرف جھکا دیتے میں اس میں کنگھی کر دیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف نہ لاتے مسجد سے (مگر ضروری حاجت) پیشاب و پاخانہ وغیرہ کے واسطے"

باہمی کھیل کود:

مرد اور عورت دونوں کی ذمہ داریاں الگ ہیں۔ مرد گھر سے باہر رہتا ہے جبکہ گھر کے اندر لہٰذا اسے سیر و تفریح کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام نے خاندان کی مثبت تفریح کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اسوہ حسنہ سے اس بات کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے ساتھ مثبت سرگرمیوں کا اہتمام کیا جن میں اس وقت کے مروجہ کھیل تک شامل ہیں۔ نہ صرف دوڑ کیسے کھیل کا اہتمام کیا بلکہ اپنے خاندان کی جیت کی صورت پیدا کر کے ان کی خوشی کو بھی یقینی بنایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں؛

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض راس زوجھا وترجیلہ وطہارۃ سؤرھا والاتکاء فی حجرہا وقراۃ القرآن فیہ، حدیث:297

((خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأنا خَفِيفَةُ اللَّحْمِ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: «تَقَدَّمُوا» ثُمَّ قَالَ لِي: «تَعَالَيْ حَتَّى أُسَابِقَكِ فَسَابَقَنِي فَسَبَقْتُهُ» ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ فِي سَفَرٍ آخَرَ، وَقَدْ حَمَلْتُ اللَّحْمَ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: «تَقَدَّمُوا» ثُمَّ قَالَ لِي: تَعَالَيْ أُسَابِقُكِ " فَسَابَقَنِي فَسَبَقَنِي فَضَرَبَ بِيَدِهِ كَتِفِي وَقَالَ: هَذِهِ بِتِلْكَ))[1]

"میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھی اوراس وقت میں ہلکی وجود کی حامل تھی۔ہم ایک جگہ رکے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایاتو آگے چلو ہم آتے ہیں۔جب وہ آگے چلے گئے تو مجھ سے ارشاد فرمایا آؤ میرے ساتھ دوڑ لگاؤ۔میں نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی اوران سے آگے نکل گئی۔پھر کسی اور سفر میں ان کے ساتھ گئی تو اس وقت میں بھاری وجود کی حامل تھی۔ایک جگہ رکے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تم لوگ آگے چلو ہم آتے ہیں۔جب وہ آگے چلے گئے تو نے فرمایا آؤآج پھر دوڑ لگاتے ہیں۔میں نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی لیکن اب کی بار وہ آگے نکل گئے۔ میرے کندھے پر ہاتھ مارااور فرمایایہ اس دن کی جیت کا بدلہ ہے"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے خاندان کے لیے تفریح کا اہتمام کرتے تھے اور ان کے ساتھ کھیل میں حصہ لیتے تھے۔حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو آگے روانہ کر دیا۔اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ایک؛اپنے اہل خانہ کو تفریح کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنااوردوم؛کسی بھی ایسی صورتحال سے چھٹکاراپانا جس سے خاندان بے اطمینانی محسوس کرے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوہ نبوی کے مطابق ایک مسلم مثالی خاندان یہ بھی اصولی خصوصیت ہے کہ وہ نہ صرف اپنے خاندان کے لیے تفریح کا اہتمام کرتا ہے بلکہ اس تفریح کے لیے مناسب ماحول بھی فراہم کرتا ہے۔

الفت کے نئے انداز:

میاں اور بیوی میں محبت کا ہونا صرف ان کے لیے ہی نہیں بلکہ ان کے بچوں کے لیے بھی مفید ہے جبکہ نفرت سے افراد خانہ کی نفسیات اور صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنے خاندان کے ساتھ محبت اورالفت کے ایسے انداز بھی ملتے ہیں جو اس سے قبل اور خصوصا اس دور میں مروجہ نہیں تھے۔ایسے اطوار محبت کا ملنا ویسے بھی مشکل تھا کہ جس دور میں عورت کو باعث ندامت سمجھا جاتا ہو،بچیوں کی پیدائش پر شرمندگی کا احساس ہوتا ہو اور بعض صورتوں میں ان کا قتل بھی کیاجاتا ہو اوران کو ایک کاروباری جنس بنادیا گیا ہو ایسے ماحول میں عورت کی توقیر کا سامان مل بھی کیسے سکتا ہے لیکن آپ ﷺ نے اس زمانے میں ایسا کردار متعارف کرایا کہ عورت کو عورت ہونے پر فخر محسوس ہونے لگا۔آپ ﷺ نے خاندان کے ساتھ مثالی سلوک کی ایسی قدریں متعارف کرائیں جو آج کے دور میں بھی نہ صرف قابل و عمل ہیں بلکہ صحت اور ترقی کی ضامن ہیں۔آپ

1 نسائی،السنن الکبریٰ،کتاب عشرۃ النساء،باب مسابقۃ الروجل زوجتہ،حدیث:8894

ﷺ کی خاندان کے ساتھ محبت کا یہ عالم صرف کھیل کی حد تک ہی نہ تھا بلکہ سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکیہ لگاتے اور قرآن پڑھتے اور میں حائضہ ہوتی"[1]

کام کاج میں ہاتھ بٹانا:

آج کے معاشرے میں گھر کی ساری ذمہ داری صرف عورت کے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔ آج کا مسلم خاندان بھی کام کے سلسلے میں صرف عورت پر ہی کلی انحصار کرتا ہے۔ برتن دھونا، کپڑے دھونا، جھاڑو دینا اور دیگر کچھ ایسے کاموں سے متعلق تو زیادہ تر لوگ اس یقین کا شکار ہیں کہ یہ سارے کام بہر صورت عورت کے کرنے کے ہیں۔ لیکن اگر اسوہ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہیں کہ آپ ﷺ نہ صرف گھر کے کاموں میں اپنی ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے بلکہ کئی ایک کام خود بھی انجام دیتے تھے۔ اپنے کپڑوں کو پیوند لگانا، دودھ دوہنا اور اپنی نعلین مقدس کی صفائی کرنا جیسا کہ کسی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا؛

((كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ، وَيَحْلُبُ شَاتَهُ، وَيَخْدُمُ نَفْسَهُ))[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ہی انسان تھے جیسے دوسرے انسان ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کو خود ہی دیکھ لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنی خدمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر لیتے تھے"

صفائی کا خاص اہتمام:

یہ انسان کی فطرت ہے کہ خوشبو اس کے احساس پر ایک اچھا اثر ڈالتی ہے اور اس کے ملنے والوں پر بھی اس کے بارے میں ایک خوشگوار تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس بدبو ایک ایسی حقیقت ہے کہ انسان کے حواس پر برے اثرات مرتب کرتی ہے۔ انسان کسی بھی بدبودار چیز سے ہر ممکن حد تک دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی حقیقت انسان کی ازدواجی زندگی تک کو بھی محیط ہے اور اس کی اثر انگیزی سے انکار بھی ممکن نہیں۔ اگر انسان سے بدبو آرہی ہو تو اس کا شریک حیات تک اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا یا کم از کم اپنے حواس پر جبر کر کے ناخوشگوار احساسات کے ساتھ جی پائے گا۔ آپ ﷺ نے ان معاملات میں بھی مسلم خاندان کے لیے ایسے اصول مرتب کیے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر خاندانی حیات کو خوشگوار بنایا جاسکتا ہے۔ اگر انسان کے منہ یا بدن سے بو آرہی ہو تو اس صورت میں بیوی کا اپنے شوہر یا شوہر کا اپنی بیوی یا بچوں کا اپنے ماں باپ سے اکتانا اور ان سے دور بھاگنا لازمی امر ہو گا جو آپس کی نفرت یا کم از کم اکتاہٹ کو جنم دے گا جس سے خاندان کی اجتماعیت میں دراڑ آئے گی۔ اس لیے آپ

---

1 ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، حدیث:1979

2 ابن حنبل، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، المسند، تحقیق: شعیب الارنووط، عادل معشد وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1421ھ، مسند النساء مسند الصدیقۃ عائشۃ بنت الصدیق، حدیث:26194

ﷺ اس کا بطور خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لانے سے پہلے خوب اچھی طرح مسواک کیا کرتے تھے۔[1]

ڈھارس بندھانا:

نبی کریم ﷺ کے اسوہ طیبہ سے یہ بھی اصول ملتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ اگر کبھی ان کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا تو آپ ان سے دور نہیں ہوتے تھے یا ان کو اس مصیبت کا سامنا کرنے کے لیے تنہا نہیں چھوڑ دیتے تھے بلکہ ان کی ذرا ذرا سی پریشانی کا سامنا کرنے پر ان کا ساتھ دیتے تھے، ان کو دلاسہ دیتے اور ان کے آنسو تک صاف کرتے تھے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ؛

((كَانَتْ صَفِيَّةُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، وَكَانَ ذَلِكَ يَوْمَهَا فَأَبْطَأْتُ فِي الْمَسِيرِ، فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِي وَتَقُولُ: حَمَلْتَنِي عَلَى بَعِيرٍ بَطِيءٍ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ بِيَدَيْهِ عَيْنَيْهَا وَيُسْكِتُهَا))[2]

"ایک سفر میں حضرت صفیہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں اور باری بھی انہی کی تھی۔ وہ سفر میں پیچھے رہ گئیں۔ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں۔ انہوں نے شکوہ کیا کہ آپ نے مجھے ایک سست اونٹ پر سوار کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کرنا شروع کر دیے اور انہیں چپ کرانا شروع کیا"

اسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہونا چاہیے کہ مشکل حالات میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ بیوی اپنے شوہر سے اس قدر بے تکلف ہو اسے اپنی شکایات آسانی سے بتا سکے اور شوہر کو بھی اس طرح ہونا چاہیے کہ ان شکایات کو سن کر اسے ڈانٹ پلانے کی بجائے اس کے آنسوؤں کے روکنے کا سامان میسر کرے۔

تلخ کلامی سے گریز:

مرد ہو یا عورت، انسان کی فطرت ہے کہ اگر اس سے پیار سے بات کی جائے تو اس کا ردعمل بھی مثبت اور محبت پر مشتمل ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں نفرت سے بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اسلام میں خاندان میں بھی تلخ کلامی سے بنے کی ہدایت دیتا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم فرماتے ہیں؛

((وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الأَنْصَارِ إِذَا قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ، فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَأْخُذْنَ مِنْ أَدَبِ نِسَاءِ الأَنْصَارِ، فَصَخِبْتُ عَلَى امْرَأَتِي فَرَاجَعَتْنِي، فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِي،

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الطہارۃ، باب السواک، حدیث:253

2 نسائی، السنن الکبریٰ، کتاب عشرۃ النساء، باب کم تہجر، حدیث:9117

قَالَتْ: وَلِمَ تُنْكِرُ أَنْ أُرَاجِعَكَ؟ فَوَاللَّهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُرَاجِعْنَهُ، وَإِنَّ إِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ اليَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ))[1]

"ہم قریشی لوگ اپنی عورتوں پر غالب تھے لیکن جب ہم مدینہ تشریف لائے تو یہ لوگ ایسے تھے کہ عورتوں سے مغلوب تھے، ہماری عورتوں نے بھی انصار کی عورتوں کا طریقہ سیکھنا شروع کر دیا۔ ایک دن میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی میرا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ میں نے اس کے اس طرح جواب دینے پر ناگواری کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ میرا جواب دینا تمہیں برا کیوں لگتا ہے، اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ان کو جوابات دے دیتی ہیں اور بعض تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن رات تک الگ رہتی ہیں"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں مرد کو عورت سے تلخ کلامی نہیں کرنی چاہیے اور اگر وہ اس کا مرتکب ہو بھی جاتا ہے تو جوابی صورت میں عورت پر غصہ کرنے کی بجائے اپنے طرز عمل کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ اگر مرد عورت پر غصہ کرتا رہے گا یا اس کو جلی کٹی سناتا رہے گا تو وہ بھی ایک انسان ہے اس کے اعصاب بھی کسی وقت جواب دے سکتے ہیں۔ اگر ایسی صورت پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی جواب میں خاوند کو کھری کھری سنا دیتی ہے تو مرد کو غصہ کرنے کی بجائے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور یہ غور کرنا چاہیے کہ جو ہمارے اوپر بیت رہی ہے وہ اس کے اعصاب پر بھی بیتتی ہو گی۔ اس طرح کا طرز عمل ایک مثبت اور حقیقی سوچ کا جنم دے گا جو ایک مسلم خاندان کا خاصہ ہونا چاہیے۔

کھانے پینے میں ستائش:

گھر میں کھانا پکانے کی مکمل ذمہ داری عورت کے سر ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اس کی کئی ایک گھریلو ذمہ داریاں ہیں۔ ان ذمہ داری یا کسی بھی وجہ سے اگر کھانا وقت پر تیار نہ ہو سکے یا اس میں کسی قسم کی کمی رہ جائے تو اس صورت میں اسوہ حسنہ کا مطالعہ یہ رہنمائی کرتا ہے کہ اس کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور کھانے میں کیڑے نکالنے کی بجائے حقیقت حال کا ادراک کرنا چاہیے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں؛

((مَا عَابَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ))[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کھانے پر کبھی عیب نہیں نکالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی چاہتا تو کھا لیتے نہیں تو چھوڑ دیتے"

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا، حدیث: 5191

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاشربہ، باب لایعیب الطعام، حدیث: 2064

خاندان کے متعلقین کا خیال:

ایک مسلم خاندان میں جتنی وقعت مرد کے رشتہ داروں کو دی جاتی ہے اتنی ہی وقعت عورت کے رشتہ داروں کو بھی دینی چاہیے۔ خاندان کے بگاڑ میں ایک سبب یہ بھی ہے عورت کے گھر والوں کو اتنی عزت سے نہیں نوازا جاتا جس قدر شوہر کے گھر والے اور رشتہ داروں کو عزت دی جاتی ہے۔ حیات طیبہ کی روشنی میں مسلم خاندان کا طرز عمل اس طرح ہونا چاہیے کہ اس میں عورت کے ماں باپ بہن بھائیوں، رشتہ داروں بلکہ اس کی سہیلیوں تک کی بھی عزت افزائی ہونا چاہیے۔ اس طرح کا سلوک خاندان کی بنیادیں مضبوط کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا طرز عمل ایسا ہی تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں؛

((ما غرت على احد من ازواج النبي صلى الله عليه وسلم ما غرت على خديجة وما بي ان اكون ادركتها ، وما ذاك إلا لكثرة ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم لها ، وإن كان ليذبح الشاة فيتتبع بها صدائق خديجة فيهديها لهن))[1]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی پر میں اس طرح غیرت نہیں کھاتی تھی جس طرح خدیجہ پر غیرت کھاتی تھی جب کہ میں نے ان کا زمانہ بھی نہیں پایا تھا، اس غیرت کی کوئی وجہ نہیں تھی سوائے اس کے کہ آپ ان کو بہت یاد کرتے تھے، اور اگر آپ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کو ڈھونڈتے اور گوشت ہدیہ بھیجتے تھے"

طلاق کا ڈر:

اسوہ حسنہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں ایسی صورتحال نہیں ہونی چاہیے کہ بات بات پر عورت کو طلاق کی دھمکی دی جاتی ہو۔ بلکہ وہاں طلاق دینے کی بجائے طلاق نہ دینے کی یقین دہانی کرائی جانی چاہیے اور ہو سکے تو اس طرح کی فضا ہونی چاہیے کہ عورت کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آنا چاہیے کہ اسے اس صورتحال سے گزرنا ہوگا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک بار آپ ﷺ کے سامنے اس عورت کا تذکرہ کیا گیا جس کا خاوند اس کا بڑا خیال رکھتا تھا، اسے ہر طرح کی آسائش دی، اس کے کھانے پینے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آنے دی، اس کی ساس بھی بڑی مہربان تھی، اس عورت کے ذمہ کام کاج بھی نہیں تھے۔ یعنی اس عورت کے خاوند کا نام ابوزرع تھا وہ ایک مثالی خاوند تھا جس نے اپنی بیوی کو ایک مثالی ماحول دیا لیکن ایک دن اس نے کسی دوسری عورت کو دیکھا تو اس کے دام عشق میں گرفتار ہو گیا اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر اس سے شادی کر لی۔ آپ ﷺ نے یہ ساری بات سنی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ میں تمہارے لیے ایسا ہی ہوں جیسے ابوزرع اپنی بیوی کے لئے تھا لیکن ایک فرق ہے کہ تجھے طلاق نہیں دوں گا[2]۔

---

1 ترمذی، السنن، کتاب البر والصلہ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی حسن العہد، حدیث:2017

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابہ، باب ذکر حدیث ام زرع، حدیث:2448

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ نے خود کو ابو زرع کی بیوی سے تشبیہ دی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے گھر میں بہت خوش تھیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم خاندان میں عورت کو سکھی اور خوش رہنے کا اہتمام بہر صورت ہونا چاہیے۔لیکن اس روایت میں بہر حال یہ بات بھی موجود ہے کہ ابو زرع نے اپنی بیوی کو اگرچہ بہت ہی خوش رکھا لیکن انجام کار طلاق ہی ہوئی اور یہ بات سیدہ عائشہ کے دل میں تھی یا نہیں لیکن روایت میں بہر حال موجود تھی۔ آپ ﷺ نے اس بات کو محسوس کیا اور فوراً اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ اللہ کا رسول سلوک کے سلسلے میں ابو زرع ہی کی طرح ہے لیکن اس معاملے میں اس سے بالکل جدا ہے اور وہ طلاق کا معاملہ ہے کہ اس نے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی لیکن یہاں کسی کو طلاق نہیں ملنی چاہیے۔اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ بسا اوقات عورت کسی بھی وجہ سے کوئی بات اشارے کنائے یا تشبیہ کی زبان میں بیان کر دیتی ہے۔اس صورت میں مرد کو نہ صرف اس کی بات سمجھنی چاہیے بلکہ تلافی بھی کرنی چاہیے۔

مشکل وقت میں ساتھ:

اسوہ طیبہ کی روشنی میں مسلم خاندان کا ایک اصول یہ بھی ہونا چاہیے کہ اس میں عورت کو کسی غیر یقینی کیفیت کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت کسی جسمانی یا ذہنی تکلیف یا اذیت کا شکار ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں اس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ایسی صورتحال میں نبی کریم ﷺ کا اسوہ مبارک یہ بتاتا ہے کہ عورت کا ساتھ دیا جائے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب بد چلنی کا الزام لگا تو آپ ﷺ نے ان سے کنارہ کرنے کی بجائے ان کی ساتھ دیا اور ان کی خیریت پوچھنا کسی صورت ترک نہ کیا۔ آپ ﷺ فرماتی ہیں کہ پھر ہم مدینہ پہنچ گئے اور وہاں پہنچتے ہی میں بیمار ہو گئی تو ایک مہینے تک بیمار ہی رہی۔اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی افواہوں کا بڑا چرچا رہا لیکن میں ایک بات بھی نہیں سمجھ رہی تھی البتہ اپنے مرض کے دوران ایک چیز سے مجھے بڑا شبہ ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ محبت و عنایت میں نہیں محسوس کرتی تھی جس کو پہلے جب بھی بیمار ہوتی میں دیکھ چکی تھی۔ آپ میرے پاس تشریف لاتے ' سلام کرتے اور دریافت فرماتے کیسی طبیعت ہے؟))[1]

دینی ماحول کا اہتمام:

اسلام جس طرح کی زندگی کسی بھی مسلم خاندان کو عطا کرنا چاہتا ہے اس کی بنیادیں عزت و احترام اور پاکیزگی پر استوار ہیں جن کا حصول صرف دینی ماحول کے التزام سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے؛

((رحم الله رجلا قام من الليل فصلى وايقظ امراته فإن ابت نضح في وجهها الماء رحم الله امراة قامت من الليل فصلت وايقظت زوجها فإن ابى نضحت في وجهه الماء))[2]

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب حدیث الافک، حدیث:4141

2 ابی داؤد، السنن، کتاب قیام اللیل، باب قیام اللیل، حدیث:1308

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھے اور نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی جگائے، اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم خاندان کو دینی امور میں بجاطور پر خیال رکھنا چاہیے اور اگر ان امور کو بجالانے میں ایک طرف سے غفلت کا مظاہرہ کیا جارہا ہو یا غفلت ہو جائے تو دوسرے کو اسے اس طرف متوجہ کرنا چاہیے لیکن اس میں بھی پیار کا عنصر ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

خلاصہ بحث:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام نے رہنمائی نہ کی ہو۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے اس لئے یہ اپنے ماننے والوں کو ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے بلکہ اسے آخرت کی ازلی سعادتیں بھی نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام نے سب سے زیادہ عزت انسان کو عطا کی ہے۔ اسلام کی جتنی بھی ہدایات ہیں ان میں انسان کی عزت نفس ایک بنیادی نقطہ ہے اور اس کی اصلاح سے اسلام نے معاشرے کی اصلاح کی طرف سفر کا آغاز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ خاندان معاشرے کی اکائی ہے۔ اسلام نے جہاں دوسرے امور کی طرف رہنمائی کی ہے وہیں ایک اچھے اور مثالی خاندان کی خصوصیات بھی واضح کی ہیں جو پیغمبر اسلام کی زندگی سے آشکار ہیں۔ اسوہ نبویہ کے سلسلے میں ایک مسلم خاندان کے اصول اور خصوصیات کے ضمن میں وارد احادیث اور روایت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثالی مسلم خاندان میں؛

1۔ میاں بیوی اپنے اپنے حقوق و فرائض بخوبی ادا کرتے ہیں۔
2۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔
3۔ مثبت سرگرمیوں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔
4۔ میاں اور بیوی باہمی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔
5۔ میاں کسی صورت میں بھی بیوی کو تشدد کا نشانہ نہیں بناتا۔
6۔ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں۔
7۔ کسی بھی ناگہانی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔
8۔ بات بات پر طلاق کی دھمکیاں نہیں دی جاتیں۔
9۔ گھر کے اندر یا باہر باہمی تفریح کا سامان کیا جاتا ہے۔
10۔ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی عزت کا خیال کرتے ہیں۔

11۔ بیوی کسی صورت بھی خاوند کی اطاعت میں کمی نہیں آنے دیتی۔

12۔ خاوند گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ خود بھی اپنے کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔

13۔ میاں بیوی اپنے رازوں میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے۔

14۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے کاموں میں کیڑے نکالنے کی بجائے ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

المختصر اگر مسلمان خاندان اسوہ حسنہ سے ماخوذ اصول اپنا لے تو اس کی ازدواجی زندگی امن و سکون اور خوشحالی کا منبع بن جائے گی اور آنے والی مسلم نسلوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے سے ہی ایک مثالی خاندان جو کہ اسلام کا مطلوب بھی ہے تشکیل پا سکتا ہے۔

فصل دوم

مسلم خاندانی نظام میں بچوں کی تعلیم وتربیت اور عالمگیر اسلامی تعلیمات

فصل دوم:

مسلم خاندانی نظام میں بچوں کی تعلیم وتربیت اور عالمگیر اسلامی تعلیمات

بچے کی تربیت میں خاندان کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔اسلام نے جہاں ایک مسلم خاندان کے بنیادی خدوخال وضع کیے وہیں یہ بھی واضح کیا ہے کہ ایک خاندان کو بچے کی تعلیم وتربیت کس نہج پر کرنی چاہیے۔ایک بچہ خاندان میں ہی آنکھ کھولتا اور اس کا سب سے اولین اور سب سے زیادہ رابطہ اوّلاً اپنی ماں اور ثانیاً اپنے والد سے ہوتا ہے۔یہی اس کے لیے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ بچے کی تعلیم وتربیت میں اسلام کی ساری تعلیم پہلے نقطے پر والدین اور دوسرے مدار میں اساتذہ کے ارد گرد گھومتی ہے۔ماں باپ کا اخلاق ایک بچے کی تربیت میں بنیادی کردارادا کرتا ہے۔ایک خاندان ہی بچے کی تعلیم میں اپنا اولین اور بنیادی کردار ادا کر کے اس کو صحیح معنوں میں ایک کامل انسان بنا سکتا ہے۔اگر اس معاملے میں کوئی بھول چوک ہو جائے اور اس کا مداوا بھی نہ کیا جائے تو یہ بچے کی تعلیم اور اس کی شخصیت میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔صاحب علم اولاد اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے بلکہ قرآن اور فرشتوں کی بولی ایک خوشخبری ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے جب حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور انہیں اولاد کی نعمت حاصل ہونے کی خبر دینی چاہی تو وہ یوں گویا ہوئے؛

﴿قَالُوا لا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلامٍ عَلِيمٍ﴾[1]

"انہوں نے کہا مت ڈریں کیونکہ ہم تو آپ کو ایک علم والے بچے کی خوشخبری دیتے ہیں"

کسی بھی مسلم خاندان میں تعلیم کا اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے علم حاصل کرنے کو فرض کا درجہ دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ))[2]،"علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد عورت) پر فرض ہے۔اس حدیث میں صرف مسلمان کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ "کل" کو بطور حصر کے ذکر کیا گیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کی اہمیت اور اس کا کردار کس قدر ناگزیر ہے۔جب لفظ مسلمان بولا جاتا ہے تو بطور جنس کے بولا جاتا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ بچا ہو یا بچی۔اس وجہ سے نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ اپنے علم میں اضافے کی دعا مانگا کریں۔قرآن مجید میں ہے؛

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْماً﴾[3]

"اور اے نبی! آپ کہہ دیں اے میرے پالنے والے میرے علم میں اضافہ فرما"

---

1 الحجر:53/15

2 ابن ماجہ، السنن، القدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث:224

3 طٰہٰ: 114/20

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو کسی بھی اور چیز کے سوال یا اس میں اضافے کی بجائے علم کے سوال کی جانب راغب کیا اور اس میں اضافے کی دعا کرنے کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اہمیت آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو علم کی منسوب کیا اور ایک معلم یعنی استاذ کے حیثیت سے خود کو متعارف کرایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ((وَ إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))[1]، "بے شک مجھے ایک معلم کی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے"

اس حدیث کو ابن مبارک المروزی[2] اور ابو اسامہ[3] نے بھی روایت کیا ہے۔ بلکہ ایک اور جگہ آپ ﷺ نے خود کو اخلاق کی تکمیل اور ان کی اصلاح کے حوالے متعارف کرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛

((وَ إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ))[4]

"اور بے شک مجھے مبعوث کیا گیا تا کہ میں اخلاق کی اصلاح کا کام مکمل کر سکوں"

یہاں بچوں کی تعلیم اور تربیت کے حوالے سے ایک لطیف نشاندہی کی گئی ہے جو ایک والد، ایک معلم اور ایک متعلم کے کردار اور اس کی دلچسپیوں کی سمت واضح کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو علم میں اضافے کی دعا کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا تا کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کر سکوں۔ دونوں احادیث میں مبعوث کا لفظ مشترک ہے لیکن دونوں کی لام تعلیل کے بعد فرض منصبی میں اختلاف ہے۔ ایک میں صرف استاذ یعنی معلم کا ذکر ہوا اور دوسری حدیث میں اخلاق کی اصلاح کا بیان ہے۔ ان دونوں احادیث کو ملانے کے بعد نتیجہ منطقی یہ نکلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت ایک معلم کی سی حیثیت سے ہے اور آپ اخلاق کی اصلاح کے لیے تشریف لائے یعنی ایک استاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں اعلیٰ اخلاق پیدا کرے۔ اس معاملے میں اساتذہ کے ساتھ والدین بھی برابر کے ذمہ دار ہیں کیونکہ گھر میں ان کی نگرانی کا فریضہ والدین ہی پورا کرتے ہیں اور وہی اس کے ذمہ دار بھی ہیں۔ اسی لیے ایک جگہ آپ ﷺ نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا؛((إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ))[5]

---

1 طیالسی، ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود البصری، المسند، تحقیق: الدکتور محمد بن عبد المحسن الترکی، دار ہجر مصر 1419ھ، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حدیث: 2365

2 مروزی، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن المبارک المروزی، الزہد والرقائق، تحقیق: حبیب الرحمن الاعظمی، دار الکتب العلمیہ بیروت، باب فضل ذکر اللہ، حدیث: 1388

3 ابو اسامہ، ابو الحسن نور الدین الحارث بن محمد بن داہر البغدادی، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، تحقیق: حسین احمد صالح الباکری، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویہ مدینہ 1413ھ، کتاب العلم، باب فضل العلماء، حدیث: 40

4 ابن وہب، ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم المصری، الجامع فی الحدیث، تحقیق: الدکتور مصطفیٰ حسن حسین محمد ابو الخیر، دار ابن الجوزی 1416ھ، باب العزلہ، حدیث: 483

5 ابو داؤد، السنن، کتاب الطہارۃ، باب کراہیۃ استقبال القبلہ عند قضاء الحاجہ، حدیث: 8

"میں تمہارے لیے ایک باپ کی سی حیثیت رکھتاہوں جو تمہیں تعلیم دیتا ہے"

اس حدیث میں آپ ﷺ نے خود ایک والد سے تشبیہ دی۔اس تشبیہ میں وجہ شبہ "علم" ہے۔یعنی بچے کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والدین اور پھر استاذ کی ہے۔اس حدیث کی تشریح میں امام بغوی کہتے ہیں؛

((كَلامُ بَسْطٍ وَتَأْنِيسٍ لِلْمُخَاطَبِينَ لِئَلا يَحْتَشِمُوهُ، وَلا يَسْتَحْيُوا عَنْ مَسْأَلَتِهِ فِيمَا يَعْرِضُ لَهُمْ مِنْ أَمْرِ دِينِهِمْ، كَمَا لَا يَسْتَحْيِي الْوَلَدُ عَنْ مَسْأَلَةِ الْوَالِدِ فِيمَا عَنَّ وَعَرَضَ لَهُ، وَفِي هَذَا بَيَانُ وُجُوبِ طَاعَةِ الآبَاءِ، وَأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِمْ تَأْدِيبُ أَوْلادِهِمْ، وَتَعْلِيمُهُمْ مَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ))[1]

"اس فرمان مبارک میں بسیط کلام اور مخاطب کے لیے محبت کا پیغام موجود ہے تاکہ مخاطب (متعلم) کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے اور نہ ہی امور دینیہ میں درپیش مسائل کے پوچھنے میں کوئی عار محسوس کرے جیساکہ کوئی بچہ اپنے والد سے حیا محسوس نہیں کرتا اس چیز کے مانگنے میں جس کی اسے ضرورت ہو۔اس حدیث میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ وہ اپنے باپ کی اطاعت کریں اوراسی ایک باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ادب سکھائے اورانہیں ان امور دینیہ کی تعلیم دے جن کی انہیں ضرورت ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کو اپنے اولاد کی دیگر ضروریات کی طرح تعلیمی ضروریات کا بھی خیال رکھنا چاہیے اوراس کی فراہمی کو بھی یقینی بنانا چاہیے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے خود کو ایک والد سے تشبیہ دی اور علم کو ایک مشترکہ زمرہ داری کے طور پر بیان کیا۔جس کا مطلب ہے کہ والد اوراستاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے متعلم کو علم کی دولت سے نوازیں۔اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں؛

((والصبيان أَمَانَةٌ عِنْدَ وَالِدَيْهِ وَقَلْبُهُ الطَّاهِرُ جَوْهَرَةٌ نَفِيسَةٌ سَاذَجَةٌ خَالِيَةٌ عَنْ كُلِّ نَقْشٍ وَصُورَةٍ وَهُوَ قَابِلٌ لِكُلِّ مَا نُقِشَ وَمَائِلٌ إِلَى كُلِّ مَا يُمَالُ بِهِ إِلَيْهِ فَإِنْ عُوِّدَ الْخَيْرَ وَعُلِّمَهُ نَشَأَ عَلَيْهِ وَسَعِدَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وشاركه في ثوابه أبوه وَكُلُّ مُعَلِّمٍ لَهُ وَمُؤَدِّبٍ وَإِنْ عُوِّدَ الشَّرَّ وَأُهْمِلَ إِهْمَالَ الْبَهَائِمِ شَقِيَ وَهَلَكَ وَكَانَ الْوِزْرُ فِي رقبة القيم عليه والوالي له وقد قال الله عز وجل ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً﴾[2]وَمَهْمَا كَانَ الْأَبُ يَصُونُهُ عَنْ نَارِ الدُّنْيَا فَبِأَنْ يَصُونَهُ عَنْ نَارِ الْآخِرَةِ أَوْلَى وَصِيَانَتُهُ بِأَنْ يُؤَدِّبَهُ وَيُهَذِّبَهُ وَيُعَلِّمَهُ مَحَاسِنَ الْأَخْلَاقِ وَيَحْفَظَهُ من القرناء السُّوء))[3]

---

1 بغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد الشافعی، شرح السنہ، تحقیق: شعیب الارنووط و محمد زہیر الشاویش، المکتب الاسلامی بیروت 1403ھ، ص:1/357

2 التحریم:66/6

3 غزالی، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، دار المعرفۃ بیروت، ص:3/72

"بچی والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہوتا ہے اور اس کا دل ایک عمدہ صاف اور سادہ آئینے کی طرح ہوتا ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش و نگار سے خالی ہے کسی بھی قسم کے رنگ کو قبول رکنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ جس چیز کی طرف بھی چاہا جائے اسے مائل کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس میں اچھی عادات پیدا کی جائیں اور اسے بہترین علم کی تعلیم دی جائے تو وہ دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کر پائے گا اور یہ ایک ایسا کام ہے جس میں اس بچے کے والدین، اس کے اساتذہ اور اس کی تربیت کرنے والے سبھی لوگ حصہ دار ہیں۔ اسی طرح اگر اس کی بری عادات سے کنارہ کشی کی جائے اور حیوانات کی مانند کھلا چھوڑ دیا جائے تو وہ بد اخلاق ہو، وہ تباہ و برباد ہو جائے گا اور اس کی ذمہ داری اس کے والدین اور سرپرست پر ہی عائد ہو گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح کر دیا ہے کہ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اگر ایک والد اپنے اولاد کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو اس کا اسے جہنم کی آگ سے بچانا زیادہ معنی خیز ہے۔ پس ایک والد کو چاہیے کہ وہ اپنے بچے کو ادب سکھائے، اسے تہذیب کا پابند بنائے اور اسے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے اور اسے برے دوستوں کی صحبت سے بچائے"

ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایمان والوں کو ایک دوسرے کو ایسی تعلیم دینی چاہیے جو انہیں جہنم کی آگے سے بچائے۔ ابن جریر طبری اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کو تعلیم دو اور انہیں مہذب بناؤ[1]۔ ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل و عیال کو نفس یعنی گھر کے سربراہ کی طرف مضاف کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام کرو اور اس مقصد کے لیے انہیں اوامر و نواہی کی تعلیم دو[2]۔ یعنی اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام کرنا گھرانے کے سربراہ کی ذمہ داری ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق اسے مراد یہ ہے کہ انہیں علم نافع کی تعلیم دی جائے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اس راستے کے راہی بن سکیں جو جہنم سے دور ہے اور جنت کی طرف جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا کہ مسلم خاندان کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ بچوں کی تعلیم کے حوالے مسلم خاندان کا ویسے بھی یہ طرہ امتیاز ہے کہ یہاں بچے کو صرف دنیاوی مقاصد کے لیے تیار نہیں کیا جارہا بلکہ اسے دین اور دنیا دونوں کے لیے تیار کرنے کا حکم ہے۔ یعنی مسلم خاندان کو اپنے اولاد کی صرف تعلیم ہی کا نہیں بلکہ تربیت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے اور اسے ایسی تعلیم سے بہرہ ور کرنا چاہیے کہ وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب رہے بلکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

---

1 طبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ص:23/491

2 مکی، ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ الحارثی، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ووصف طریق المرید الی مقام التوحید، تحقیق: عاصم ابراہیم الکیالی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ، 2:/415

کامیاب ٹھہرے۔ مسلم خاندان میں بچے کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے مختلف امور وارد ہیں؛ کچھ ترغیبی ہیں اور کچھ ترہیبی جبکہ کچھ میں عملی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور کچھ میں صرف بیانیہ انداز اپنایا گیا جن کا مقصود یہ ہے کہ موقع کے مطابق کسی بھی ایسے امر کو اپنایا جاسکتا ہے جو نافع ہو۔

علم بہترین تحفہ:

یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان تحفے دینے اور لینے کو ایک مثبت اقدام کی نظر سے دیکھتے آئے ہیں۔ نبی کریم نے اسی فطرت کی سمجھتے ہوئے اس جانب رہنمائی فرمائی کہ تحائف میں سب سے بہترین تحفہ علم ہے اور یہی تحفہ ہے جو کوئی والد اپنی اولاد کو دے سکتا ہے بلکہ یہ سب سے بہترین تحفہ ہے۔اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے نہ صرف علم کی تحصیل پر زور دیا بلکہ اسے سب سے بہترین تحفہ بھی قرار دیا۔ اس میں آپ ﷺ کے تمام ماننے والوں کے لیے بطور خاص سبق موجود ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

((مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ))[1]

"باپ اپنی اولاد کو جو دے سکتا ہے وہ اس کی بہترین تعلیم وتربیت ہے"

نماز کی تعلیم دینا:

بچے کی تعلیم میں اسلام نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ جب اس کی عمر سات سال کے قریب پہنچے تو اسے نماز کا حکم دینا چاہیے۔ اگر وہ اس بات کو سنجیدہ نہ لے تو اس پر سختی بھی کرنی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ اس جانب بھی اشارہ کیا کہ ان کے بستر الگ کر دینے چاہیے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((مروا اولادكم بالصلاة وهم ابناء سبع سنين ، واضربوهم عليها وهم ابناء عشر سنين ، وفرقوا بينهم في المضاجع))[2]

"جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے تو تم ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں اس پر (یعنی نماز نہ پڑھنے پر) مارو اور ان کے سونے کے بستر الگ کر دو"

اس حدیث میں بچے کی تعلیم کی طرف ہی اشارہ کیا جارہا ہے کہ اور اس ضمن میں اس کی عمر کا بھی تعین کیا جارہا ہے۔ جہاں ایک طرف فریضے کی ادائیگی کا حکم دیا وہیں یہ وضاحت بھی کی ان کی بستر تک الگ کر دو۔ اس بات میں ایک لطیف سا اشارہ موجو دہے کہ بلوغت کے بعد ان کو الگ کرنا چاہیے تا کہ وہ میاں بیوی کے آپس کے معاملات سے بے خبر رہیں اور اس طرح بہن بھائی خود بھی ایک دوسرے کے قریب نہ آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچے کو اوائل عمری میں ہی خیر خواہی کی تعلیم دینی چاہیے اور ایسے

---

1 ترمذی، السنن، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی ادب الولد، حدیث:1952

2 ابوداؤد، السنن، کتاب الصلاۃ، باب متی یومر الغلام بالصلاۃ، حدیث:495

اقدامات اٹھانے چاہیں تاکہ وہ کسی برائی سے آشنا نہ ہونے پائے۔ اسلام نے اس بچے کی تعلیم کے حوالے سے گویا ایک اصول طے کیا جس پہ عمل کرنے سے بچے کامیاب انسان بن سکتے ہیں۔

علم نافع کا اہتمام:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے؛

(إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة، إلا من صدقة جارية، او علم ينتفع به، او ولد صالح يدعو له))[1]

"جب مر جاتا ہے آدمی تو اس کا عمل موقوف ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ کا۔ دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ تیسرے نیک بخت بچے کا جو دعا کرے اس کے لیے"

معلوم ہوا کہ بچے کو ایسی تعلیم کی جانب راغب کیا جائے جو نافع ہو۔ لوگوں کو اس سے فائدہ ہو اور خود سیکھنے اور سکھانے والے کو بھی فائدہ پہنچے۔ اسی حدیث میں اس بات کی جانب بھی اشارہ کیا گیا کہ ایسے علم کی فائدہ مرنے کے بعد بھی ہوتا ہے اور مرنے کے بعد فائدہ اٹھانے کو لوگوں کے فائدے کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ اس طرح گویا اس جانب اشارہ کیا گیا کہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دو جس سے انہیں نہ صرف اس دنیا میں فائدہ ہو بلکہ مرنے کے بعد وہ خود بھی نفع حاصل کریں اور دنیا بھی فائدہ اٹھائے۔ ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلام بچوں کی تعلیم کے حوالے یہ واضح کرتا ہے کہ بچوں کو ایسی تعلیم نہیں دینی چاہیے جو خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے تباہی کا سبب بنے، دنیا میں فساد یا شر کا باعث بنے یا لوگوں کو اخلاقی یا جسمانی طور پر بر بار کرے۔

بہترین اخلاق کی تعلیم:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا آدَابَهُمْ))[2]

"تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور انہیں بہترین ادب سکھاؤ"

اس حدیث میں دو باتوں کا بیان ہے۔ ایک؛ اپنی اولاد کی عزت کرو یا ان سے حسن اخلاق سے پیش آؤ۔ حسن اخلاق سے پیش آنا ہی حقیقتاً عزت کرنا ہوتا ہے۔ اس سے اس جانب رہنمائی ملتی ہے کہ اپنی اولاد کی عزت کرنی چاہیے۔ یہاں گویا والد کو ایک نمونے کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ یعنی اپنے بچے کی تعلیم میں ان کے سامنے خود کو ایک نمونے کے طور متعارف کراؤ اور ان کی عزت کرو تاکہ انہیں یہ تعلیم ملے کہ معاشرے میں دوسرے لوگوں کی عزت کرنی ہے اور ان سے حسن اخلاق سے پیش آنا ہے۔ دوم؛ اس بات کا بیان کیا گیا ہے کہ انہیں بہترین ادب سکھاؤ۔ ادب کا بھی تعلیم سے گہرا تعلق ہے اور آداب میں وہ ساری چیزیں آجاتی ہیں جو ایک خوشگوار زندگی بتانے کے لیے ضروری ہیں اور انہیں معاشرے میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ابن قیم کے

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، حدیث: 1631

2 ابن ماجہ، السنن، کتاب الادب، باب بر الوالدین والاحسان الی البنات، حدیث: 3671

مطابق تمام بھلائی کی عادات کا جمع کرلینا ادب کہلاتا ہے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ ایسی تعلیم کا اہتمام ہونا چاہیے کہ انسان تمام بھلائیاں خود میں جمع کرلے۔ علامہ جرجانی کا کہنا ہے کہ ادب ایک ایسی صلاحیت کا نام ہے جس سے ہر قسم کی خطا کی پہچان حاصل کی جاسکتی ہے[2]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بچے کی تعلیم کے حوالے سے یہ رہنمائی کرتا ہے کہ اس میں ہر برائی کی نہ صرف پہچان آجائے بلکہ وہ ان برائیوں سے بچنے کی بھی سعی کرے۔ تاج العارفین کے مطابق نفس کی ریاضت اور محاسن اخلاق کو ادب کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق ہر اچھی خوبی پر ہوتا ہے جسے انسان میں باعث شرف سمجھا جاتا ہے[3]۔ ابو البقاء حنفی کہتے ہیں؛

((الْأَدَب: كل رياضة محمودة يتَخَرَّج بهَا الْإِنْسَان فِي فَضِيلَة من الْفَضَائِل فَإِنَّهَا يَقع عَلَيْهَا الْأَدَب))[4]

"ہر ایسی پسندیدہ ریاضت جس سے انسان کسی بھی فضیلت کو حاصل کرسکے اس پر ادب کا اطلاق ہوتا ہے"

ان تعریفات سے اس حدیث کی معنوی اہمیت اور بھی دوچند ہو جاتی ہے کیونکہ اس حدیث میں جہاں ایک طرف اولاد کی عزت کرنے کی تعلیم دے کر انہیں معاشرے میں کا مفید شہری بنانے کی طرف رہنمائی کی گئی وہیں اسلام میں بچے کی تعلیم کا دوسرا رخ بھی بیان کیا گیا کہ انہیں ادب سکھاؤ۔ اس ایک لفظ میں نبی کریم ﷺ نے بچے کی تعلیم کا سارا فلسفہ بیان کردیا اور بتایا کہ ایک مسلم گھرانے میں بچے کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو محاسن اخلاق کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس سے بچوں کو اعلیٰ اخلاق قدروں سے مزین کیا جاتا ہے اور اس میں برائی اور بھلائی اور خیر وشر کی تمیز پیدا کی جاتی ہے تاکہ وہ اس تعلیم کی مدد سے گناہوں سے محفوظ رہ سکے۔ معلوم ہوا کہ اسلام نے بچے کی تعلیم کے حوالے سے ایک معیار یہ مقرر کیا ہے اور یہ ترغیب دی ہے کہ بچے کو ایسی تعلیم دی جائے جس سے اس میں اخلاق پیدا ہوں اور وہ برائیوں سے محفوظ رہ سکے کیونکہ یہ شعور پیدا کرنا ہی علم کا بنیادی مقصد ہے۔

عملی ذمہ داریاں قرآن کی روشنی میں:

بچے کی تعلیم کے سلسلے میں اسلام اس جانب بھی رہنمائی کرتا ہے کہ اس کی تعلیم کا سلسلہ ایسا ہونا چاہیے جو اس میں نبی اکرم ﷺ کی محبت پیدا کرے تاکہ وہ آپ ﷺ کو ایک نمونہ تسلیم کرتے ہوئے آپ کی اطاعت کرے اور ہر حوالے سے

---

1 ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی ،دارالکتاب العربی بیروت 1416ھ، ص:2/355

2 جرجانی، علی بن محمد بن علی الزین الشریف، کتاب التعریفات، تحقیق: جماعۃ من العماء تحت اشراف الناشر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1403ھ ،ص:15

3 الحدادی، زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین المناوی، التوقیف علی مہمات التعاریف، عالم الکتب قاہرہ، 1410ھ، ص:42

4 حنفی، ابو البقاء ایوب بن موسیٰ الحسینی، تحقیق: عدنان درویش ومحمد المصری، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ص:65

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیمات کو ہی کافی سمجھے اور زندگی کے ہر شعبے میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اسوہ حسنہ سے رہنمائی حاصل کرے۔ اسے قرآن مجید کی تعلیم دے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے اور جب بالغ ہو تو اس کی شادی کرے۔ ارشاد نبوی ہے؛

((حق الولد على والده أن يحسن اسمهويزوجه إذا أدرك ويعلمه الكتاب))[1]

"ایک بچے کا اپنے والد پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے اور جب بالغ ہو تو اس کی شادی کرے اور اسے کتاب (قرآن مجید) کی تعلیم دے"

اس حدیث مبارکہ میں بچے کی تعلیم کا حسین سلسلہ بیان کیا جارہا ہے۔ ایک والد کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام اچھا رکھے، اس کی شادی کرے اور قرآن مجید سکھائے۔ یہ ایک فطرتی امر ہے کہ بچہ اپنے والدین سے سیکھتا ہے اور جب امر وقعہ ایسا ہی ہے تو جب ایک بچہ دیکھے گا کہ اس کے سلسلے میں اس کے والدین نے کیا کیا ذمہ داریاں پوری کی تھیں تو وہ بھی اس جانب میلان رکھے گا اور اس طرح تعلیم کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ایک بچے کی تعلیم کے حوالے سے اسلام کا یہ حسین پہلو ہے جس میں ایک بچے کو عملی لحاظ سے مستقبل کے حوالوں سے تیار کیا جارہا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا؛

((عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَهَالِيَكُمْ وَخَدَمَكُمْ أَسْمَاءَ الْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ ذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ حَتَّى يُؤْمِنُوا بِهِمْ، وَيُصَدِّقُوا بِمَا جَاءُوا بِهِ))[2]

"اپنی اولاد، گھر والوں اور اپنے کاموں کو ان انبیاء کے ناموں کی تعلیم دو جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے تاکہ وہ ان پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں جو تعلیمات وہ ساتھ لے کر آئے تھے"

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا؛

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَهَالِيكُمُ الْقُرْآنَ))[3]

"اے لوگو اپنی اولاد کو اور گھر والوں کو قرآن مجید کی تعلیم دو!"

انسان کو اپنی اولاد کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے۔ انہیں قرآن مجید کی تعلیم دینی چاہیے، انہیں انبیاء کرام کے نام اور ان کی تعلیمات کا بھی بتانا چاہیے تاکہ انہیں ان مبارک ہستیوں کی آمد کی غرض وغایت اور ان کے کارہائے نمایاں سے شناسائی ہو۔ قرآن مجید کی تعلیم سے یہی مراد ہے کہ اس تعلیمات انہیں بتانی چاہییے۔ اسلام ایک بچے کی تعلیم

---

1 ہندی، علاء الدین علی بن حسام الدین الشاذلی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، تحقیق: بکری حیانی وصفوۃ النساء، مؤسسۃ الرسالہ بیروت 141ھ، حرف النون، الباب السابع، الفصل الاول فی الاسماء والکنیٰ، حدیث: 45191

2 جوزجانی، ابوعثمان سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی، التفسیر من سنن سعید بن منصور، تحقیق: سعد بن عبد اللہ بن عبد العزیز آل حمید، دار الصمیعی للنشر والتوزیع قاہرہ 1417ھ، ص: 2/617، حدیث: 221

3 ابن شیبہ، الکتاب المصنف فی الاحادیث والاثار، کتاب فضائل القرآن، باب من قال لصاحب القرآن: اقرا وارقہ، حدیث: 30059

کے حوالے سے بہت محتاط ہے اوران راہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر بچہ اسلام کی قریب ہو۔اسے تمام بنیادی عقائد، عبادات اوراسلامی احکام کا علم ہونا چاہیے تاکہ وہ کسی بھی گمراہی سے محفوظ رہ سکے، صحیح طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکے اوراسلامی احکامات سے روشناس ہو سکے۔اس معنی میں گویا اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک مکمل مؤمن کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے اورانہیں ان احکامات پر پابند دیکھنے کا متمنی ہے جو اسلام کی بنیادی اساس ہیں۔

کلمہ توحید کی تعلیم:

بچے کی تعلیم کے حوالے سے ہی اسلام نے اس جانب بھی رہنمائی کی ہے کہ بچے کو سب سے پہلے کلمہ توحید کا درس دینا چاہیے۔اسے یہ کلمہ سب سے پہلے سکھانا چاہیے تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا اسے بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کی جانب راغب کیا جائے تاکہ زمانے میں کوئی اس کا عقیدہ خراب نہ کرسکے اوراللہ تعالیٰ پر اس ایمان اس قدر کامل ہو جائے کہ وہ ایک مثالی مسلمان بن جائے۔آپ ﷺ نے اس جانب یوں رہنمائی کی؛

((إِذَا أَفْصَحَ أَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ثُمَّ لَا تُبَالُوا مَتَى مَاتُوا))[1]

"جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو انہیں کلمہ سکھاؤ اور پھر مرنے تک ان کی فکر مت کرو"

اس حدیث میں جہاں ایک طرف سب سے پہلے سکھائے جانے والے کلمات کی جانب اشارہ کیا گیا وہیں موت کی طرف اشارہ کرکے گویا اس بات کی بھی تعلیم دی گئی کہ ایک بچے کی تعلیم کے حوالے سے والدین کو صرف دنیاوی تعلیم ہی کی فکر نہیں کرنی چاہیے بلکہ بچے کو ایسی تعلیم سے مزین کرنا چاہیے جس سے وہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی کامیاب ہو سکے اوراس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔((ثُمَّ لَا تُبَالُوا مَتَى مَاتُوا))سے اسی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔لہٰذا بچے کی تعلیم کے سلسلے میں اسلام کا ایک اصول یہ بھی طے ہوا کہ اسے ایسی تعلیم دینی چاہیے جس سے وہ آخرت میں بھی کامیاب ہو سکے۔

عملی تعلیم:

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں؛

((أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ قَالَ: دَعَانِي أَبِي عَلِيٌّ بِوَضُوءٍ، فَقَرَّبْتُهُ لَهُ فَبَدَأَ))[2]

"امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے مجھے کہا کہ میرے وضو کا پانی لاؤ۔پس میں (وضو کا پانی لایا اور)ان کے قریب ہو کر بیٹھ گیا اورآپ نے وضو کرنا شروع کردیا"

---

1 ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری، عمل الیوم واللیلۃ سلوک النبی مع ربّہ ومعاشرتہ مع العباد، تحقیق: کوثر البرنی، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، باب ما یلقن الصبی اذا افصح بالکلام، حدیث:423

2 نسائی، السنن، کتاب الطہارۃ، باب صفۃ الوضوء، حدیث:95

اس بات میں دو حکمتیں ہیں۔ایک؛ بچے کو متعلقہ سرگرمی آسانی سے یاد ہو جائے۔دوم؛اس میں اس سرگرمی کی جانب رغبت پیدا ہو جیسا کہ حضرت علی خود بھی وضو کر سکتے تھے لیکن آپ ﷺ اپنے بیٹے کی تعلیم کی خاطر انہیں کہا کہ میرے لیے وضو کا پانی لاؤ۔اس سے ان کے دل میں وضو کی قدر قیمت کا احساس پیدا ہوا اور یہ شعور بھی کہ نماز کے لیے وضو ضروری ہے۔جب وہ پانی لے کر آئے تو ان کے سامنے وضو کیا تا کہ انہیں وضو کا طریقہ ازبر ہو جائے اور اس کیطرف رغبت بھی پیدا ہوا۔

کھانے پینے کے آداب کی تعلیم:

بچے کی تعلیم کے حوالے سے اسلام اس جانب بھی رہنمائی کرتا ہے کہ بچے جہاں عقائد اور عبادات کی تعلیم دینی ہیں وہیں انہیں عملی زندگی کے دوسرے آداب بھی سکھانے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ))[1]

"جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی پانی پیے تو بھی دائیں ہاتھ سے ہی پیے کیونکہ بائیں سے کھانا کھانا یا پانی پینا شیطان کا کام ہے"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا؛

((سَمِّ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَوَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ))[2] اور ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا))[3]

"اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کر اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا" اور "نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو پانی پینے سے منع کیا"

اسی طرح آپ ﷺ نے پانی پینے کی جانب بھی رہنمائی فرمائی؛

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ ثَلَاثًا))[4]،

"نبی کریم ﷺ تین سانسوں میں پانی پیا کرتے تھے"

ان تمام احادیث سے ایک بچے کی تعلیم کے واضح خدوخال طے ہیں۔کسی حدیث میں آپ ﷺ نے کسی کو خود کہہ کر فرمایا کہ اس طرح کھانا کھاؤ اور اس طرح بیانیہ طریقہ اختیار کر کے صحیح سمت کی جانب اشارہ کیا اور کھانے کا درست طریقہ سمجھایا۔

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاشربہ، باب آداب الطعام والشراب واحکامھا، حدیث:2020

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاطعمہ، باب التسمیہ علی الطعام والاکل بالیمین، حدیث:5376

3 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الاشربہ، باب کراھیۃ الشرب قائما، حدیث:2024

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاشربہ، باب الشرب بنفسین او ثلاثۃ ایام، حدیث:5631

کسی حدیث میں یہ بیان ہے کہ آپ ﷺ اس طرح پانی پیا کرتے تھے اوریوں آپ ﷺ نے ان کے سامنے عملی طریقے کا اظہار کیا۔ کسی حدیث میں اللہ کا نام لینے کی تلقین کر کے برکت کی جانب رغبت دلائی اور کسی حدیث میں بائیں ہاتھ کھانے پینے کو شیطانی عمل کہہ کر ترہیب کا طریقہ اپنایا جو کسی بھی معلم کے لیے مشعل راہ ہے۔ لیکن ان تمام طریقوں کا مقصود یہی تھا کہ لوگوں کو کھانے پینے کے طریقہ سکھایا جاسکے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ والدین اوراساتذہ کو بچے کی تربیت کے حوالے سے صرف علم تک ہی محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ انہیں زندگی کے دوسرے آداب جیسے کھانا پینا وغیرہ کے آداب بھی سکھانے ضروری ہیں۔

چھینک کے آداب کی تعلیم:

آپ ﷺ نے آداب کے ضمن میں صرف عقائد، عبادات، احکامات اور کھانے پینے کی حد تک ہی رہنمائی نہیں فرمائی بلکہ دوسرے آداب کی جانب بھی توجہ دی تاکہ آنے والے لوگوں کے لیے ایک بچے کی تعلیم کے حوالے سے وافر سامان مہیا ہو سکے۔ آپ ﷺ نے چھینک جو ایک انسانی کمزوری ہے، کے آداب سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

((إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَلْيَقُلِ الَّذِي يَرُدُّ عَلَيْهِ، يَرْحَمُكَ اللَّهُ، وَلْيَقُلْ هُوَ: يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ))[1]

"جب تم سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمد للہ کہنا چاہیے اور سننے والے کو کہنا چاہیے کہ اللہ تم پر رحم کرے اوراسے پھر کہنا چاہیے کہ اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے کام سنوارے"۔ گویا اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر لمحہ ہر معاملے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

سونے کے آداب کی تعلیم:

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اور جس طرح اسلام نے زندگی کے دیگر شعبہ ہائے میں انسان کی رہنمائی کی بالکل اسی اسلام ایک بچے کی تعلیم کے حوالے سے اتنا محتاط ہے کہ اسے سونے کے آداب بھی سکھائے تاکہ ایک بچے کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ نیند کس قدر بڑی نعمت ہے اوراس نعمت سے فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ، وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ، ثُمَّ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا» وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: الحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِالنُّشُورُ))[2]

"نبی کریم ﷺ رات کو سونے کے لئے بستر پر جاتے تھے تو دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے تھے اور یہ دعا مانگتے تھے "اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ سوتا ہوں اوراٹھتا ہوں" اوراسی طرح جب نیند سے

---

1 ترمذی، السنن، ابواب الادب، باب ماجاء کیف یشمت العاطس، حدیث: 2741

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب وضع الید الیمنیٰ تحت الخد الایمن، حدیث: 6314

بیدار ہوتے تھے تو یہ دعامانگا کرتے تھے "تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں سونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور اسی کی جانب لوٹ کر جانا ہے"

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ بیان کی گئی ہے۔ یعنی یہ قول کی بجائے فعل کا بیان کرنا اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ یہاں اپنے ماننے والوں کو عملی تربیت مراد ہے اور سونے کا پورا نقشہ بیان کرنا مقصود ہے۔ دعا میں واحد کا صیغہ لانے کی بجائے جمع کا صیغہ لانا بھی اسی امر کی جانب رہنمائی کر رہا ہے کہ اس امر میں سب لوگ شریک ہیں۔ اس سے مراد دوسرے لوگوں کی تعلیم ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام اس ضمن میں اپنے ماننے والوں کو اس جانب توجہ دلا رہا ہے کہ بچوں کو زندگی گزارنے کے تمام آداب کی تعلیم بھی دینی چاہیے۔

مجلس کے آداب:

انسان ایک معاشرے کی صورت میں رہتا ہے اور اسلام خود ایک اچھے معاشرے کے قیام کی جانب کوشش کرتا ہے۔ ایک معاشرے میں بہت سے انسان کسی وقتی ضرورت کے تحت ایک جگہ کچھ وقت کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں اور اس طرح ایک محفل کا مجلس کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ جمعہ، عیدین اور حج کے موقع پر تو بہت بڑی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ اسلام نے جہاں ان عبادات کی تعلیم دی وہیں ان کے آداب بھی سکھائے۔ مجلس کے تمام آداب بھی بتائے تاکہ خوشگواریت کے احساس کو بخوبی قائم رکھا جا سکے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اگر کسی مجلس میں جائے تو اسے چاہیے کہ مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جانا چاہیے[1]۔

کسی خاص جگہ بیٹھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے تاکہ مجلس کا نظم و ضبط اور آداب برقرار رہیں۔ انسان کو یہ کوشش ہرگز نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کسی کے درمیان بیٹھ جائے بلکہ اسے چاہیے کہ دو آدمیوں کے درمیان میں ان کی اجازت کے بغیر نہیں بیٹھنا چاہیے[2]۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی اور اچانک اسی مجلس سے کوئی بندہ کسی وقتی ضرورت یا کسی بھی عارضے کی وجہ سے اٹھ جاتا ہے تو جو انسان کھڑا ہوتا ہے وہ اس کی جگہ جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اسلام نے اس جانب بھی رہنمائی کی کہ ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ کسی مجلس میں کوئی انسان کسی حاجت کی وجہ سے وقتی طور پر اٹھ کر جائے اور بندہ اس کی جگہ پر قبضہ جما لے[3]۔ نبی کریم ﷺ کے یہ آداب بتانے اور صحابہ کرام کو سکھانے کا مقصود یہی تھا کہ اس طرح وہ اپنے بچوں کو سکھائیں گے اور یوں بھی یہ تمام آداب قیامت تک کے لیے ہیں اور ان کا اس وقت تک کے لیے ہونا اس جانب مضاف ہے کہ مسلمانوں کو یہ آداب اپنے بچوں کو بھی سکھانے چاہییں۔

---

1 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی التحلق، حدیث: 4825

2 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر اذنھما، حدیث: 4844

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاستیذان، باب اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس، حدیث: 6270

کردار کی پختگی کی تعلیم:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((مَنْ قَالَ لِصَبِيٍّ: تَعَالَ هَاكَ، ثُمَّ لَمْ يُعْطِهِ فَهِيَ كَذْبَةٌ))[1]

"جس کسی نے کسی بچے سے کہا کہ ادھر آؤ میں تمہیں یہ چیز دیتا ہوں اور پھر کچھ نہ دیا تو یہ جھوٹ ہے"

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ عبد اللہ بن عامر کہتے ہیں؛

((دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا، فَقَالَتْ: هَا تَعَالَ أُعْطِيكَ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيهِ؟ قَالَتْ: أُعْطِيهِ تَمْرًا، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ : أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ))[2]

"ایک دن میری ماں نے مجھے بلایا اور رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر بیٹھے ہوئے تھے، وہ بولیں: سنو یہاں آؤ، میں تمہیں کچھ دوں گی۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم نے اسے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟ وہ بولیں، میں اسے کھجور دوں گی تو آپ ﷺ فرمایا: سنو، اگر تم اسے کوئی چیز نہیں دیتی، تو تم پر ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا"

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بچے کی تعلیم کے سلسلے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے سامنے کسی جھوٹے اور دھوکے پر مبنی رویے کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ بچے کو بھی اس طرح جھوٹے کردار کی عادت نہ پڑے اور نہ ہی اس کا کردار اس طرح کی عادات کا شکار بنے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے خود کہہ کر بھی اس جانب رہنمائی کی اور پھر ایک موقعے پر عملی نمونہ بھی ثابت کیا کہ ایک بچے کی ماں پر یہ واضح کیا کہ بچے کے سامنے جھوٹا نہیں پڑنا چاہیے۔

ورزش اور کھیل کی تعلیم:

بچے کی تعلیم کے حوالے سے اسلام صرف مکتب تک محدود کردار ہی کی رہنمائی نہیں کرتا بلکہ اسلام نے مکتب سے ہٹ کر دوسری سرگرمیوں کی بھی تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ؛

((كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ يَصْطَرِعَانِ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: هَيَّ حَسَنُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ تَقُولُ: هَيَّ حَسَنُ ؟ فَقَالَ: " إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: هَيَّ حُسَيْنُ))[3]

---

1 ابن حنبل، المسند، مسند المکثرین من الصحابہ، مسند ابی ہریرہ، حدیث:9836

2 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب، حدیث:4991

3 موصلی، ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ التمیمی، المعجم، تحقیق: ارشاد الحق الاثری، ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد 1407ھ، ص: 1/171، حدیث:196

"امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کشتی لڑا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے "حسن بیٹا سنبھل کے!"۔ یہ سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا" آپ صرف امام حسن ہی کی بات کیوں کرتے ہیں؟"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس لیے کیونکہ "حسین تگڑے رہنا" کا نعرہ حضرت جبرائیل لگا رہے ہوتے ہیں"

امام غزالی بچے کی تعلیم کے ساتھ اس کی دوسری سرگرمیوں کی افادیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں؛

((وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ بَعْدَ الِانْصِرَافِ مِنِ الْكُتَّابِ أَنْ يَلْعَبَ لَعِبًا جَمِيلًا يَسْتَرِيحُ إِلَيْهِ من تعب المكتب بحيث لا يتعب في اللعب فَإِنَّ مَنْعَ الصَّبِيِّ مِنَ اللَّعِبِ وَإِرْهَاقَهُ إِلَى التَّعَلُّمِ دَائِمًا يُمِيتُ قَلْبَهُ وَيُبْطِلُ ذَكَاءَهُ وَيُنَغِّصُ عَلَيْهِ الْعَيْشَ حَتَّى يَطْلُبَ الْحِيلَةَ فِي الْخَلَاصِ مِنْهُ رَأْسًا))[1]

"بچے کو سکول اور مدرسے سے واپس آنے کے بعد ایسے کھیل کود کی اجازت ہونی چاہیے جس کے ذریعے اس کی مدرسے اور سکول کی تھکان اتر جائے لیکن اس اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کھیل میں اس قدر مشغول نہ ہو کہ اس میں مزید تھکن کا شکار ہو جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کیونکہ بچے کو کھیل سے روکنا اور اسے ہر وقت تعلیم میں مصروف رکھنا بچے کے دل کو مردہ اور اس کی ذہانت کو کند کر دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ تعلیم سے ہی چھٹکارا پانے کی تگ و دو میں لگ جاتا ہے"

فن حرب کی تعلیم:

اسلامی تعلیمات کے مطابق بچے کو صرف تعلیم تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ اسے وقت کے اعتبار سے مختلف فنون حرب کی تعلیم بھی دینی چاہیے تا کہ وہ مادر وطن کے دفاع کے لیے تیار ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

((كُلُّ شَيْءٍ لَيْسَ مِنْ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَهُوَ لَهُوٌ أَوْ سَهْوٌ إِلَّا أَرْبَعَ خِصَالٍ: مَشْيُ الرَّجُلِ بَيْنَ الْغَرَضَيْنِ، وَتَأْدِيبُهُ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَةُ أَهْلِهِ، وَتَعَلُّمُ السِّبَاحَةِ))[2]

"ہر وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں ہے وہ لغو اور باعث غفلت ہے سوائے ان چار کاموں کے: آدمی کا دو نشانوں کے درمیان چلنا، گھڑ سواری کی تربیت، اہل خانہ کے ساتھ کھیلنا اور تیراکی سیکھنا"

ایک اور روایت میں ہے کہ؛

((مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ، فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا ارْمُوا، وَأَنَا مَعَ بَنِي

---

1 غزالی، احیاء علوم الدین، ص:3/73

2 طبرانی، المعجم الکبیر، باب الجیم: جابر بن عمیر الانصاری، حدیث:1785

فُلاَنٍ قَالَ: فَأَمْسَكَ أَحَدُ الفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَكُمْ لاَ تَرْمُونَ؟ قَالُوا: كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ارْمُوا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ))[1]

"نبی کریم ﷺ کا قبیلہ بنو اسلم کے چند لوگوں پر گزر ہوا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسماعیل علیہ السلام کے بیٹو! تیر اندازی کرو کہ تمہارے بزرگ دادا اسماعیل علیہ السلام بھی تیر انداز تھے۔ ہاں! تیر اندازی کرو۔ میں بنی فلاں (ابن الاورع رضی اللہ عنہ) کی طرف ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فریق کے ساتھ ہو گئے (تو مقابلے میں حصہ لینے والے) دوسرے ایک فریق نے ہاتھ روک لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات پیش آئی، تم لوگوں نے تیر اندازی بند کیوں کر دی؟ دوسرے فریق نے عرض کیا جب آپ ﷺ ایک فریق کے ساتھ ہو گئے تو بھلا ہم کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اچھا تیر اندازی جاری رکھو میں تم سب کے ساتھ ہوں"

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمُ الْعَوْمَ وَالرِّمَايَةَ وَنِعْمَ لَهْوُ الْمَرْأَةِ الْمِغْزَلُ))[2]

"اپنی اولاد کو تیراکی اور تیر اندازی جیسے عملی فنون سکھایا کرو"

ایک اور مقام یوں مذکور ہے کہ؛

((كَانَ رَسُولُ اللهِ يَصُفُّ عَبْدَ اللهِ، وَعُبَيْدَ اللهِ، وَكُثَيِّرًا بَنِي الْعَبَّاسِ ثُمَّ يَقُولُ: " مَنْ سَبَقَ إِلَيَّ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا "))[3]

"نبی اکرم ﷺ حضرت عبد اللہ اور حضرت عبید اللہ اور حضرت کثیر بن العباس کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور ارشاد فرماتے تھے کہ تم میں سے جو سب سے پہلے میرے پاس پہنچے گا اسے فلاں چیز ملے گی"

حضور ﷺ کی اس ترغیب کا نتیجہ بہت ہی مثبت نکلتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھتے اور آپ ﷺ کی کمر مبارک اور سینہ اقدس پر گر پڑتے ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں کی تعلیم کے حوالے سے یہ بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ انہیں تعلیم کے ساتھ کھیل اور اس کے ساتھ ساتھ وقت کے حساب کے فنون حرب کی تعلیم بھی دینی چاہیے۔

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب التحریض علی الرمی، حدیث:2899

2 ابی الدنیا، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بنعبید الاموی، العیال، تحقیق: الدکتور نجم عبد الرحمن خلف، دار ابن قیم الدمام سعودیہ 1410ھ، ص:2/579، حدیث:398

3 ابن حنبل، المسند، مسند بنی ہاشم، حدیث تمام بن العباس بن عبد المطلب عن النبی، حدیث:1836

غلطی کی صورت میں سمجھانے کا انداز:

معاویہ بن حکم فرماتے ہیں؛

((بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَرْحَمُكَ اللهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ، فَقُلْتُ: وَاثُكْلَ أُمِّيَاهْ، مَا شَأْنُكُمْ؟ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ، فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لَكِنِّي سَكَتُّ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ، فَوَاللهِ، مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي، قَالَ: «إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ))[1]

"معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اتنے میں ہم لوگوں میں سے ایک شخص چھینکا۔ میں نے کہا» : یَرْحَمُکَ اللہُ۔ تو لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کاش مجھ پر میری ماں رو چکتی (یعنی میں مر جاتا) تم کیوں مجھ کو گھورتے ہو۔ یہ سن کر وہ لوگ اپنے ہاتھ رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھ کو چپ کرانا چاہتے ہیں تو میں چپ ہو رہا۔ جب رسول اکرم ﷺ نماز پڑھ چکے، تو قربان ہوں آپ ﷺ پر میرے ماں باپ کہ میں نے آپ سے پہلے نہ آپ کے بعد کوئی آپ ﷺ سے بہتر سکھانے والا دیکھا۔ اللہ کی قسم !نہ آپ ﷺ نے مجھ کو جھڑکا، نہ مارا، نہ گالی دی۔ یوں فرمایا کہ " نماز میں دنیا کی باتیں کرنا درست نہیں وہ تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن مجید پڑھنا ہے"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کی تعلیم اور اس کی تربیت میں مناسب انداز اپنانا چاہیے تاکہ بچہ باغی نہ ہو جائے اور اس کی شخصیت بھی نہ بکھرے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں کے گھورنے کی وجہ سے ان کے دل میں موت کا خیال آیا لیکن جب آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا تو ان کے دل میں آپ ﷺ کی محبت پیدا ہوئی اور بات بھی اچھی طرح سمجھ آ گئی۔

پردے کی تعلیم:

پردہ اسلام میں بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے بلکہ معاشرے میں بے حیائی اور فتنہ وفساد روکنے کا بنیادی ذریعہ بھی ہے۔ اس لیے اسلام میں اولاد کی تعلیم کے سلسلے میں بچوں کو پردے کی تعلیم بھی دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؛

((يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَحِيماً))[2]

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ما کان من باحتہ، حدیث:537

2 الاحزاب:59/33

"اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں، یہ اس بات کے قریب تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں ہیں) پھر انہیں (آوارہ باندیاں سمجھ کر غلطی سے) ایذاء نہ دی جائے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے"

عدل وانصاف کی تعلیم:

اسلام نے بچے کی تعلیم کے حوالے سے یہ رخ بھی واضح کیا ہے کہ ان کے سامنے عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے اوران میں کسی قسم کی تفریق نہیں کرنی چاہیے تا کہ ایک تو انہیں عدل وانصاف کی تعلیم ملے اور دوسرے ان کی شخصیت کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ جیسا کہ نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا ایک غلام اپنے اس بیٹے کو بطور ہدیہ دیا ہے۔ یہ سن آپ ﷺ نے فرمایا کیا باقی اولاد کو بھی غلام تحفے میں دیے ہیں؟ میرے والد نے عرض کیا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلاَدِكُمْ))[1]

"یعنی اللہ سے ڈرواور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو"۔

براہ راست نصیحت:

اسلام نے بچے کی اعلیٰ تعلیم اوراس کی بہترین تربیت کے لیے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو اس پر آنکھیں بند نہیں کر لینی چاہیے بلکہ اسے براہ راست مخاطب کرنا چاہیے اور مناسب انداز میں سمجھانا چاہیے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اس طرح نصیحت فرمائی؛

((إني اعلمك كلمات: احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك إذا سالت فاسال الله وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على ان يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك، رفعت الاقلام وجفت الصحف))[2]

"اے لڑکے! بیشک میں تمہیں چند اہم باتیں بتلا رہا ہوں: تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، تو اللہ کے حقوق کا خیال رکھو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے مانگو،

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الہبہ وفضلہا والتحریض علیہا، باب الاشہاد فی الہبہ، حدیث:2587

2 ترمذی، السنن، ابواب صفۃ القیامہ والرقائق والورع، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث:2516

جب تو مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو، اور یہ بات جان لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے"

اس حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو سکھانے کی غرض سے انہیں براہ راست مخاطب کیا اور "اے بچے" کہہ کر شفقت کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور تقدیر اور بھروسے وغیرہ سے متعلق باتوں کی تعلیم دی۔ یہ حدیث ایک بچے کی تعلیم کے حوالے واضح تعین کرتی ہے۔

بد دعا نہ کرنے کی تعلیم:

اسلام اس جانب بھی رہنمائی کرتا ہے کہ نہ تو اپنے لیے بد دعا کرو اور نہ ہی اپنی اولاد کے لیے تاکہ انہیں یہ تعلیم ملے کہ نہ تو اپنے لیے بد دعا کرنی ہے اور نہ ہی کسی اور کے لیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا تدعوا على انفسكم، ولا تدعوا على اولادكم ولا تدعوا على اموالكم لا توافقوا من الله ساعة، يسال فيها عطاء، فيستجيب لكم))[1]

" اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے یا اپنے مال کے کبھی بد دعا نہ کرو کیونکہ ایک گھڑی قبولیت کی ہوتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بد دعا قبول ہو جائے"

بچوں کی تعلیم ہی کے ضمن میں اس جانب بھی رہنمائی کی گئی ہے کہ حسد اور بغض جیسی بیماریوں سے انہیں بچانا ہے کیونکہ پہلی قوموں کی تباہی کا سبب یہی تھا اور اس سے بچنے کے لیے اسلام نے سلام اور تحفوں کی جانب دھیان دلایا ہے تاکہ معاشرے میں ان چیزوں کی ترویج ہو اور اس طرح بچوں کے سامنے امن و سلامتی اور تحفے تحائف کے ذریعے پھیلنے والی محبت کا عملی پرچار کیا جا سکے اور یوں انہیں معاشرتی رویوں کی عملی تربیت دی جا سکے۔ الغرض اسلام ایسی تعلیم و تربیت فراہم کرتا ہے جس سے بچے اس دنیا میں بھی اور اس دنیا کے بعد آخرت میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

اسلام بچوں کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قولاً اور فعلاً ہر دو اعتبار سے اس جانب رہنمائی فرمائی کیونکہ بچے ہی کسی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ آج کے بچے کل کے نوجوان بنیں گے۔ ان کی مثال پنیری کی کی مانند ہوتی ہے۔ جتنی اچھی پنیری ہوتی ہے اتنی ہی اچھی فصل ہوا کرتی ہے۔ حقوق و فرائض سے لے کر عملی زندگی کے ایک ایک قدم تک اسلام نے

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزہد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصۃ ابی الیسر، حدیث:3009

اس جانب رہنمائی کی ہے۔ محفل، سفر، حضر، طعام، کلام، میل میلاپ، لین دین، تعلیم و تعلم، تجارت، خریداری، اٹھنے بیٹھنے الغرض ہر شعبہ زندگی سے متعلق سیرت رسول میں ایک وافر موجود ہے تاکہ مسلمان اپنے بچوں کی تربیت ان خطوط پر کر سکیں جو مقصود ہیں اور انہیں معاشرے کا ایک مفید شہری بانے کا واحد یہی راستہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت کو سامنے رکھ ایک مسلمان کو اپن بچوں کو یہ سکھانا چاہیے کہ چھوٹوں سے کسی طرح پیش آنا ہے؟ بڑوں کا ادب کس طرح کرنا ہے؟ اپنے اساتذہ سے کس طرح کا سلوک روار کھنا ہے؟ معاشرے میں چال چلن کیسا ہونا چاہیے؟ ہمسائے سے طرز عمل کیسا ہونا چاہیے؟ چھینک کے آداب کیا ہیں؟ وطن کیا ہے اور اس کی محبت کے تقاضے کیا ہیں؟ ترغیب اور ترہیب کے پہلو کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور بچوں کو تبلیغ کرتے ہوئے ان دونوں پہلوؤں کو بقدرِ ضرورت استعمال کرنا چاہیے؟ کھانا کھانے کے آداب اور راستے کے آداب تک انہیں سکھانا چاہیے اور سیرت رسول ﷺ سے رہنمائی لینی چاہیے خصوصاً جبکہ عالمگیریت ہر طرف اپنے پنجے پھیلائے انہیں دبوچنے کو تیار ہو۔ بچے کی تربیت میں خاندان کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اسلام نے جہاں ایک مسلم خاندان کے بنیادی خدوخال وضع کیے وہیں یہ بھی واضح کیا ہے کہ ایک خاندان کو بچے کی تعلیم و تربیت کس نہج پر کرنی چاہیے۔ بچے کی تعلیم و تربیت میں اسلام کی ساری تعلیم پہلے نقطے پر والدین اور دوسرے مدار میں اساتذہ کے ارد گرد گھومتی ہے۔ ماں باپ کا اخلاق ایک بچے کی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ایک خاندان ہی بچے کی تعلیم میں اپنا اولین اور بنیادی کردار ادا کر کے اس کو صحیح معنوں میں ایک کامل انسان بنا سکتا ہے۔ اگر اس معاملے میں کوئی بھول چوک ہو جائے اور اس کا مداوا بھی نہ کیا جائے تو یہ بچے کی تعلیم اور اس کی شخصیت میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

فصل سوم

عالمگیریت کے مسلم خاندان کے باہمی حقوق و فرائض پر اثرات

فصل سوم:

عالمگیریت کے مسلم خاندان کے باہمی حقوق وفرائض پر اثرات

عالمگیریت نے جہاں سیاسی، ثقافتی اور معاشی حالات میں کئی ملکوں کو متاثر کیا ہے وہیں مختلف ادارے اورافراد بھی اس کی لپیٹ میں آئے ہیں۔ انسانی معاشرے میں خاندان کا ادارہ اس لحاظ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ افراد کی بنیادی تربیت گاہ اوراس کے تحفظ کا ذریعہ تو ہے ہی سہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مستقبل کے افراد کے باوقار فراہمی کا بھی واحد وسیلہ ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے اس ادارے میں بھی شکست وریخت کا عمل جاری ہے۔ یہ ادارہ بھی بہت سی تبدیلیوں سے گزر رہا ہے جو اس کے بنیادی ڈھانچے پر بھی اثرانداز ہورہی ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ اس کے افراد پر بھی ان کا واضح اثر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ معاشرے کی اکائی انسان ہے اورانسان کے لیے خاندان بہت ہی ضروری ہے۔ مشہور عرب مفکر سید احمد فرج کہتے ہیں کہ خاندان کا وجود انسانی حیات کی نمو اوراس کے تسلسل کا نام ہے۔ انسانی بقا اسی ادارے کے ساتھ وابستہ ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہر انسان فطری طور پر بیوی، بچے اورایک گھر کا متمنی رہتا ہے۔ خاندان کے ادارے کو دقت نظر سے دیکھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان کی عزت کی بات ہو اس کی وقت کی، دونوں کا سرچشمہ خاندان ہی ہے اورانسان کی بقااوراس کی حفاظت کا بہترین قلعہ بھی خاندان ہی کہلاتا ہے[1]۔

خاندان کی اہمیت:

خاندان کی اہمیت سے اس لیے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ معاشرے کی واحد جماعت ہے جو قدیمی بھی ہے اوراساسی بھی اور معاشرتی نظام اور معاشرتی اداروں کے سربراہ کا نام بھی خاندان ہی ہے۔ اسے معاشرے کا وجود کہنا ٹھیک ہے لیکن بہتر یہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ معاشرے کا مصدر ہے اوراخلاق انسانی کی پہلا مکتب بھی اور مستقبل کے لحاظ سے اس کے رویے کی تشکیل کا پہلا ذریعہ بھی یہی ادارہ ہے جہاں سے انسان عملی زندگی کے حقوق وفرائض کا سبق حاصل کرتا ہے[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں حقوق وفرائض کی ادائیگی اورذمہ داریوں کا احساس اور تعلیم اسی ادارے سے دی جاتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ادارے نے اسی معاشرے میں وجود برقراررکھنا ہے۔ اس لحاظ سے اس بات کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اگر خاندان متاثر ہوگا تو معاشرہ بھی متاثر ہوگا جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر معاشرہ متاثر ہوگا تو یہ ادارہ یعنی خاندان بھی متاثر ہوگا۔

عالمگیریت نے جب معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا تو خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آیا اور جیسا کہ معلوم ہوا کہ حقوق وفرائض کے ضمن میں خاندان ہی بنیادی ادارہ تھا اس لیے اس کی وجہ سے معاشرے میں بھی حقوق وفرائض کی ادائیگی تغیر پذیر ہوئی کیونکہ خاندان ایک اساسی اور فطری ادارہ تھا جو ایک مرد اور عورت کے ملاپ سے شروع ہوا اور پھر اس میں نمو اور بڑھوتری کا

---

1 الفرج، الدکتور السید احمد الفرج، الأسرۃ في ضوء الکتاب والسنہ، طبعۃ دار الوفاء مصر 1407ھ، ص:6.

2 صلاح بن ردود الحارثي، دور التربیۃ الإسلامیۃ في مواجھۃ التحدیات الثقافیۃ للعولمۃ، جدۃ، مکتبۃ السوادي، 1424، ص250.

عمل شروع ہوا جو اب ایک وسیع دنیا کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ ادارہ معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قیام کے لیے بصورت مرد اور عورت کا ملاپ کے لیے قانونی یا شرعی اجازت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ اجازت در حقیقت حقوق و فرائض کی ادائیگی، قانون کی پاسداری اور اخلاقیات سیکھنے کی طرف پہلا زینہ بھی ہے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے بھی خاندان میں بگاڑ شروع ہوا تو اس سے حقوق و فرائض کی ادائیگی، اخلاقیات اور قانون کی پاسداری پر بھی فرق پڑے گا۔

خاندان کا متاثر ہونا:

عالمگیریت کی وجہ سے جہاں معاشرے متاثر ہوئے وہیں خاندان بھی متاثر ہوئے اور ان کے متاثر ہونے کی وجہ سے افراد خانہ کے آپسی تعلقات بھی خراب ہوئے یا ان میں اخلاص کی دولت میں کمی آئی ہے اور اس کی بنیادی وجہ وہ معاشرتی تبدیلیاں ہیں جو عالمگیریت کی وجہ سے معاشرے میں در آئی ہیں۔ عالمگیریت کی وجہ سے خاندان کا متاثر ہونا ایک یقینی امر ہے۔ کیونکہ عالمگیریت ایک ایسی وسیع اصطلاح ہے جس کا دائرہ کار معاشیات، سیاسیات اور اخلاقیات تک وسیع ہے بلکہ یہ پورے معاشرے کو شامل ہے۔ اس لحاظ سے اس میں وہ تمام سرگرمیاں اور وہ تمام ادارے میں شامل ہیں جو اس معاشرے میں کسی بھی سطح پر اپنا وجود رکھتے ہیں۔ اسی لیے عالمگیریت کسی سرحد کی پابند نہیں ہوتی اور یہ مختلف ممالک، اداروں اور افراد سے ہوتی ہوئی کسی بھی ملک ، ادارے یا کسی بھی فرد کو متاثر کرتی ہے اور فرد کی صورت میں ایک خاندان یا خاندان کی صورت میں افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لیے یہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی ملک میں لوگ مہاجرت کی سی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور کسی دوسرے ملک میں مہاجرین اس ملک کے سے باشندوں کی طرح نظر آتے ہیں اور یہ سفر ایک خاندان سے شروع ہوتا ہے جس میں وہ تبدیلیاں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں جو عالمگیریت کی مرہون منت ہیں[2]۔

میڈیا عالمگیریت کے پھیلاؤ کا ذریعہ:

عالمگیریت نے ایک خاندان کو کس طرح متاثر کیا؟ اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ سرحد پار کسی بھی دوسرے ملک میں جاکر وہاں خاندان کو اس طرح متاثر کریں کہ افراد میں باہمی عدم توازن پیدا ہو جائے اور اخلاص کی بنیاد پر کھڑا ایک رشتہ حقوق و فرائض سے اس قدر عاری ہو جائے کہ اس ادارے کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے یا کسی صورت میں سربراہ کے ذہن میں یہ خیال آجائے کہ وہ اس ادارے کو ایک بوجھ کے طور پر تسلیم کرنے لگے اور اس سے جان چھڑانے کا متمنی ہو جائے؟ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آج اگرچہ ایک خاندان ایک گھر تک محدود ہے لیکن عالمگیریت کو ایسے وسائل میسر ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی گھر کے اندر تک پہنچنے اور افراد کا ذہن متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور ان میں سب سے مؤثر اور تیز ترین ذریعہ انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع

---

1 ابن عبد، فواد بن عبد الکریم، الاسرۃ والعولمہ، مجلہ البیان 1427ھ، ص: 363

2 شومان، نعیمہ شومان، بینالنظمالتکنولوجیۃالحدیثہ، مؤسسۃالرسالہ، بیروت 1418ھ، ص:40

ابلاغ ہیں جن کی مدد سے ان خاص نکات کو اجاگر کیا جاتا ہے جن کے حوالے سے کسی بھی قوم میں کوئی احساس محرومی پایا جاتا ہو۔ ان نکات کو ابھار کر اس قوم کے حق میں مسیحا بن کر اس کی مظلومیت کا ساتھ دیا جاتا ہے اور یوں ان نکات کے متبادل ایسے نکات پیش کیے جاتے ہیں جنہیں اس قوم کا مداوہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مسلم خاندان اور تہذیب خصوصی نشانہ رہی ہے کیونکہ مضبوط شرعی اور عقلی بنیادیں ہونے کی وجہ سے یہ عالمگیریت کا سب سے مضبوط حریف رہے ہیں۔ اگرچہ یہ ادارہ اب تک قائم ہے لیکن اس میں افراد کے باہمی حقوق و فرائض کے حوالے کچھ جدید رجحانات دیکھنے کو مل سکتے ہیں اگرچہ ان کی شرح کم ہی ہے[1]۔

عالمگیریت بطور اصطلاح:

عالمگیریت کے انہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ بعض لوگوں نے اسے ایک ایسی اصطلاح قرار دیا جس کا واحد مقصد یہی ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے مختلف ملکوں، اداروں اور افراد میں پایا جانے اخلاقیات، سیاسیات، معاشیات اور معاشرت کا اپنا احساس ختم ہو جائے اور صرف اسی کا دیا گیا نقطہ ء نظر باقی رہ جائے جو طاقتور ہو اور باقی تمام ادارے یا لوگ صرف اس کے باجگزار بن کر رہ جائیں اور ان کے مابین صرف یہی تعلق رہ جائے یا اس کی اسی تعلق کی شکل دے دی جائے جو ایک مالک اور نوکر کے درمیان ہوتا ہے[2]۔ اسی احساس کا یہ نتیجہ تھا کہ آج مسلم دنیا میں یہ مظاہرے دیکھنے کو مل جاتے ہیں کہ اولاد اپنے والدین یا والدین اپنے اولاد کے سلسلے میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت کے مرتکب ہیں۔

اسلام کی اس ضمن میں یہ تعلیم تھی ماں باپ کی خدمت جنت اور اللہ کی رضا کا باعث ہے لیکن اب عالمگیریت کی وجہ سے یہ رشتے کسی معاہدے کی سی شکل اختیار کر گئے ہیں اور اب مغربی دنیا میں اس ذمہ داری ایک بوجھ تصور کر لیا گیا ہے جس سے چھٹکارے کے لیے اولڈ ایج ہومز کا تصور بلکہ ان کی عملی شکل بھی دیکھنے کو مل سکتی ہے۔ ایسا ہونے میں تعجب بھی نہیں کیونکہ عالمگیریت کا مختلف افراد اور ممالک کے درمیان سے پردے ہٹا دینے کا نام ہے۔ اس ی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی عادات، رسم و رواج اور ثقافت اور رہن سہن سے متعارف ہوتے ہیں اور بسا اوقات فطرت کی وجہ سے انہیں کو یہ بھی چیز پسند آجاتی ہے اور یوں وہ چیز جب کسی دوسری ثقافت یا خاندان میں رائج ہوتی ہے تو اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اپنانے والا دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے عادات کے ساتھ رہن سہن اور رویوں میں تبدیلی آتی ہے جو حقوق اور فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ یا تاخیر کا باعث بنتی ہے اور بعض اوقات کسی مخصوص تناظر میں اسے ایک بوجھ سے بھی تعبیر کیا جانے لگتا ہے۔ یہ سب عالمگیریت کے متاثر ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ایک بین الاقوامی قسم کی ثقافت اور ماحول کو پروان چڑھانے کی کوشش کا نام ہے جس میں مسلم ثقافت کی بجائے صرف مغربی ثقافت ہی کی چھاپ نظر آتی ہے[3]۔

---

1 ابوزعرور، محمد سعید، العولمہ، دار البیارق عمان، 1418ھ، ص: 14

2 عمر، احمد مصطفیٰ عمر، علام العولمہو تاثیر ھفیا لمستھلک، المستقبل العربي حزیران 1998ء، ص:72

3 حجازی، الدکتور احمد مجدي حجازي، العولمہ وآلیات التھمیش في الثقافة العربیة، جامعةفیلادلفیافي الأردن في مایو 1998ء، ص:3

مغربی تہذیب کی نفوذیت:

عالمگیریت نے مسلمان خاندانوں پر کئی ایک اثرات مرتب کیے ہیں کیونکہ عالمگیریت جہاں معاشی اور سیاسی لحاظ سے مغرب کی اثری نفوذیت کا نام ہے وہیں معاشرتی اعتبار سے اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں اپنی ثقافت متعارف کرادی جائے تاکہ انہیں غیر محسوس طریقے سے اپنے ایجنڈے کے قریب لایا جائے کیونکہ کسی قوم کی ثقافت اوراس کا رہن سہن، اس کا طرز بودوباش اوراس کی زبان اس قوم کے ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ اگر یہ سب میسر نہ ہو رنگت اور خون چاہے کوئی سا بھی ہو سوچ اور رسم ورواج مغربیت زدہ ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمگیریت نے آج تک صرف مغرب کی ثقافت، اس کے معیشت، اس کی سیاست اوراس کے فکر کو تو عام کیا ہے لیکن مسلمان اوراسلام اس دنیا میں ایک گالی بن کر رہ گیا ہے کیونکہ عالمگیریت ان کی سیاسی ، معاشی اور معاشرتی غلبے کا نام ہے تاکہ وہ دنیا پر اپنے سیاسی، معاشی، اخلاقی اور دوسرے طرز حیات کو نافذ کر سکیں۔ ان کی اس کوشش سے جہاں اورادارے متاثر ہوئے ہیں وہیں مسلم خاندان بھی محفوظ نہیں ہے[1]۔

اگرچہ اس کا بنیادی مقصد صرف سیاسی اوراقتصادی غلبہ ہی تھا لیکن کسی سیاست اور معیشت کے مغلوب ہو جانے کی وجہ سے ثقافت خود بخود مغلوب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں اس کا دائرہ وسیع ہو تا گیا اور ممالک کے علاوہ مختلف ادارے، نجی کمپنیاں اورافراد بھی اس کی لپیٹ میں آتے گئے اور یوں اس کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ممالک سے ہوتا ہوا افراد اور وہاں خاندان تک آن پہنچا اور اب اس کا واحد مقصد سیاست اور معیشت کے ساتھ ساتھ دنیا کو ایک ایسے نظام سے بھی متعارف کرانا ہے جس میں ٹیکنالوجی، معلومات ، کاروبار ، سیاست ، لائحہ عمل، سوچ، نظام حیات اور مختلف روایات پر بھی مغرب کا غلبہ ہو اورافراد انہی کی طرز بودوباش اختیار کریں تاکہ جہاں ان کی ثقافت کو وسعت ملے وہیں ضروریات زندگی میں ان کی مصنوعات کی مانگ کی وجہ سے ان کی معیشت بھی مضبوط ہو[2]۔

ماں اور بچے پر اثرات:

عالمگیریت کا مسلم خاندانوں پر حقوق اور فرائض کے حوالے جو اثر پڑا ہے اس کا ایک پہلو عورت اور بچے کے حوالے سے بھی ہے۔ بچے کی آزادی اور عورت کے حقوق کا نام لے کر کچھ ایسی ہمدردی کا اظہار کیا گیا جس کا مقصد دوا سے زیادہ خرابی تھا تاکہ اس رشتے کو کمزور کیا جاسکے، مستقبل کے فرد کو اخلاقی حوالے سے تہی دامن کیا جائے اور عورت کو جنسی حوالے سے اتنا بااختیار کیا جائے کہ وہ حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھے۔ اس کی مدد سے معاشرے میں بے حیائی پھیلائی جائے اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو مسلم خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اس مقصد کے لیے عورت کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور بدلے میں عورت کی تشہیر کی جاتی

---

1 المبروک، محمد ابراہیم، الإسلام والعولمہ، الدار القومیۃ العربیۃ، القاھرۃ 1999ء، ص: 101،99

2 التوجیری، الدکتور عبد العزیز بن عثمان، العولمۃ والحیاۃ الثقافیۃ فی العالم الإسلامی، المنظمۃ الإسلامیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ الریاض، ص:17،14

ہے، اس کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے، اس کی نس بندی کی جاتی ہے اور اس طرح مسلم دنیا میں شرح افزائش کو قابو کیا جاتا ہے کیونکہ مغرب مسلمانوں کی افرادی قوت سے خوفزدہ ہے۔ اسی مقصد کے لیے وہ عورت کو تشہیر کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے تاکہ خاندان کی یہ مضبوط بنیاد اکھڑ جائے اور اس مقصد کے لیے حقوق، تعلیم، آزادی، فیصلہ سازی اور خود مختاری کے نام پر اسے ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ معاشرتی ذمہ داریوں کے جھنجھٹ سے آزاد ہو، کسی کی رائے کو اہمیت دینے کی بجائے خود فیصلہ کرو اور خاندان کا بوجھ اٹھانے کی بجائے ایک خوش کن زندگی اپناؤ اور کسی ایک شخص سے بندھ کر اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ یوں بظاہر ایسے تمام نعروں کا بنیادی ہدف خاندان ہی نظر آتا ہے[1]۔

زوجین کے لفظ کا متبادل:

اس مقصد کے لیے کہاں تک کوشش کی جاتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مختلف کاغذات میں میاں بیوی کے لفظ "زوجین" کی بجائے ایک نیا لفظ "قرینین" "friends" متعارف کرایا گیا ہے جس کا مطب بھی جوڑا ہی ہے لیکن لفظ زوجین سے مراد ایک ایسا جوڑا ہے جو قانونی اور شرعی حق رکھتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے لیکن قرینین میں دو افراد کو ان پابندیوں کا سامنا نہیں ہے۔ اس قسم کی لفظی تبدیلیاں بھی غیر محسوس طریقے سے ذہن بدلنے اور ایک خاص قسم کی سوچ پروان چڑھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ زوجین سے خاندان کا تصور ذہن میں آتا ہے جو حقوق و فرائض کی مضبوط ڈور سے بندھا ہوا ہے جبکہ قرینین میں خاندان کا معنیٰ نہیں پایا جاتا ہے بلکہ اس کی بجائے جنسی اشتہا اور اس سے نجات کا ایک ذریعہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عالمگیریت کے میدان میں زبان کا تاثر بھی خاندانی اقدار بدلنے کا رجحانات کا حامل ہے[2]۔

مساوات مرد و زن کا نعرہ:

عالمگیریت نے جن حوالوں سے خاندان کے باہمی حقوق و فرائض اور اس کے ڈھانچے کو متاثر کیا ہے ان میں سے ایک سبب مرد اور عورت کی مساوات کا نعرہ بھی ہے۔ یہ نعرہ لگا کر عورت کو گھر سے باہر رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر اس نعرے کا مقصد گھریلو کام کاج میں عورت کا ہاتھ بٹانا ہو، اسے مختلف تفریحی سرگرمیوں میں ساتھ لے کر جانا ہو تاکہ اس کی طبیعت خوشگوار ہو سکے، اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا یا ان بنیادی ضروریات کا پورا کرنا ہو تا تو اس ضمن میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کیونکہ اسلام یہ حقوق عورت کو بہت پہلے عطا کر چکا ہے۔ اس میں معاملہ تب خراب ہوتا ہے جب اللہ کی طرف سے متعین حدود کو بھی پامال کر دیا جائے اور ان ذمہ داریوں سے بھی صرف نظر ہو جائے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کو مخصوص کیا اور مرد کو بھی ایک خاص دائرہ کار مہیا کیا۔ عالمگیریت مساوات کا یہ نعرہ لگا کر درحقیقت مسلم خاندانی نظام کے درپے ہے تاکہ افراد خانہ باہم ایک دوسرے کے حقوق

---

1 امین، العولمۃ، ص:38-133

2 الإسلام والعولمۃ، جلال امین، ص:21، 112

پورے نہ کر سکیں اوریوں اس کی وجہ سے بنی ہوئی اہمیت اور خاندانی وقعت خراب ہو جائے جس کے بعد یہ سوچ پنپ جائے کہ خاندان کا وجود اتنا بھی ضروری نہیں[1]۔

اس مقصد کے لیے انہیں حقوق اور باخبر رہنے اور کسی بھی انہونے واقعے سے بچنے کے نام پر جنسی تعلیم دی جاتی ہے جس سے ان میں اس جذبے کی تسکین کی خواہش پیدا کی جاتی ہے، مختلف کارٹون اور فلمیں دکھا کر انہیں تشدد کی طرف مائل کیا جاتا ہے اوراس طرح انہیں ایک قدرتی زندگی سے دور کر دیا جاتا ہے اور انہیں ایک تخیلاتی فضا میں لے جایا جاتا ہے اوراسی وجہ سے عملی زندگی میں بہت سے اخلاقی اور مالی مسائل کا سامنا کرنے کی بجائے ان سے صرف نظر کرنا معمول بن جاتا ہے کیونکہ ان کو یہ باور کرادیا جاتا ہے کہ زندگی صرف تعیش کا نام ہے اور جب کسی ناگہانی صورت سے سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ انہی تخیلات کی بناپر ایسا فیصلہ کرتے ہیں جس سے خاندان کا ادارہ ٹوٹ جاتا ہے اورانسان دین، اخلاق اوراپنے رویے کو ایک مشقت کے طور پر دیکھنے لگتا ہے[2]۔

میڈیا کے منفی اثرات:

مسلم خاندانی نظام کو برباد کرنے اوراس میں حقوق وفرائض کا عدم توازن پیدا کرنے کے لیے اس بات کا بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ مختلف چینلز جنسی حوالے سے مختلف پروگرام چلاتے ہیں جن میں بظاہر کسی مظلوم لڑکی کو پیش کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں کچھ مخصوص اذہان کو نشانہ بنا کر انہیں ان راہوں کی طرف ترغیب دی جارہی ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلمان روایات سے باغی کسی لڑکی یا لڑکے کو ایک باہمت کردار میں پیش کیا جاتا ہے جس کا مقصد مسلم ثقافت، طرز زندگی اور خاندان ہوتا ہے اوریوں ایک ایسی فضا قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس میں مسلم خاندان کے بکھرنے کا خواب پورا ہو یا کم از کم ان میں معاشی اورافرادی ناہمواری ضرور پیدا ہو جائے۔ ذرائع ابلاغ کی انہی کارستانیوں کا مجموعہ ہے کہ قاہرہ میں منعقد ہونے والی ایک تحقیق کے نتیجے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف قاہرہ میں مسلمان لڑکیوں نے جو فلمیں دیکھیں ان میں سے 85 فیصد فلمیں خالصتاً جنسی تھیں جبکہ 75 فیصد جنسی مناظر پر مشتمل تھیں۔ جنسی تشدد، جنگی اور مار پیٹ کے مناظر پر مبنی فلموں کی تعداد 85 فیصد، خلائی سائنس سے متعلق فلموں کی تعداد 23 فیصد جبکہ باقی عام مسائل سے متعلق فلموں کی شرح 6 فیصد تھی[3]۔

عالمگیریت میں عالم انسانی کی بقا اوراس کے ثمرات کے گن گائے گئے اوراس کو مسلم زبوں حالی کا تریاق بھی بتایا گیا لیکن یہ تمام باتیں اس صورت میں بیکار نظر آئیں کہ عالمگیریت کے بعد جرائم کم ہونے کی بجائے بڑھے ہیں اور مختلف جنسی واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ عالمگیریت کے نعرے اور مسلم دنیا میں عورتوں اور مردوں کو حقوق دینے سے مختلف جرائم کی شرح کم تھی لیکن اس

---

1 الحسینی، جاد، الدکتور سلمان الجاد، وثیقۃ مؤتمر السکان والتنمیہ، رؤیۃ شرعیۃ، مکتبہ الاسلام قاہرہ، ص77،55

2 مسعود ظاہر، الوطنیہ فی عالم بلاھویہ، عالم الکتب قاہرہ، ص85-84

3 امین، العولمہ، ص: 126-128.

کے بعد اضافہ یہ بتاتا ہے کہ اس کا ہدف مسلم خاندان اور ثقافت کی جمعیت کو توڑنا تھااوران آزادانہ راہوں پر گامزن کرنا تھا جن کی منزل تباہی اور بربادی پر منتج ہوتی ہے اوراس پر قانون نافذ کرنے والے اداروں اور عدالتوں کے اعدادوشمار بھی شاہد ہیں[1]۔

امریکہ اور جرائم کے اعدادوشمار:

مسلم دنیا کو تحفظ اور حقوق دینے والے امریکا میں خود یہ حالت ہے کہ وہاں کی صرف ایک ریاست کیلیفورنیا کی یہ حالت ہے کہ وہاں جیلوں کے اخراجات تعلیم کے اخراجات سے زیادہ ہیں اور جتنا ریاست پولیس پر خرچ کررہی ہے اس کے برابر وہاں لوگ اپنے ذاتی محافظوں پر خرچ کررہے ہیں اوراسے عالمگیریت کا مرہون منت نہ کہاجائے تو اور کیا کہاجائے اور حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود مسلم دنیا کے بعض افراد ان کے پیچھے چلنے کو باعث صد افتخار سمجھتے ہیں[2]۔

جرائم میں دن بدن اضافہ:

جب عالمگیریت جدید دور میں اپنی جڑیں پکڑ رہی تھی اوراسے ایک نجات کے راستے کے طور متعارف کرانے کی کوشش کی جارہی تھی تب وہاں 1965ء میں صرف ایک سال میں پانچ ملین جرائم ہوئے جن میں سے سنجیدہ قسم کے جرائم کی مقدار آبادی بڑھنے کی رفتار سے چودہ گنا دوگنی تھی۔ آبادی بڑھنے کی رفتار 13 فیصد تھی لیکن جرائم ہونے کی رفتار 187 فیصد تھی۔ اگر ایک سال میں جرائم کی اس رفتار کو سال کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہر بارہ سیکنڈ میں ایک جرم واقع ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں بے شک مسلم دنیا میں سہولیات کا فقدان ہو گا لیکن جنسی جرائم کی کمی کی وجہ صرف خاندان کے ادارے کا معزز و محترم، مضبوط اور قائم ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمگیریت کی آڑ میں اسے تباہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے[3]۔ جنسی تشدد میں مؤثر کردار ذرائع ابلاغ کا ہوتا ہے کہ اوراسی بات کو محسوس کرتے ہوئے امریکی صدر چارسو کے قریب ہالی وڈ کے پروڈیوسروں سے ملے اورانہیں امریکی معاشرے کی تباہی اور خاندان کے دم توڑتے ادارے کی طرف متوجہ کیااور یہ گزارش بھی کہ ایسی حیاباختہ فلمیں کی پیداوار روکنی ہو گی لیکن شاید عالمگیریت کے معاشی پہلو نے اس طرف توجہ نہیں دی[4]۔

معاشرتی تعلقات میں کمزوری:

عالمگیریت کے مسلم خاندانوں پر ہونے اثرات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے غربت میں اضافے اور بیروزگاری کی شرح میں بڑھوتری کی وجہ سے افراد کے آپس کے تعلقات میں انفرادی اوراجتماعی سطح پر کمزوری آئی ہے۔ اسی طرح مالی لحاظ سے کمزور خاندانوں کے افراد کے درمیان بھی معاشرتی تعقات بہت زیادہ کمزور ہوئے ہیں اور مقامی

---

1 المجلس الوطني للثقافة والفنون والآداب، الكويت، ص367

2 العولمة الحقيقة والأبعاد، مؤتمر كلية الشريعه في جامعه الكويت، المنعقد عام 2000م، ص:23

3 بیگوویچ، الدكتور علی عزت، الإسلام بين الشرق والغرب، مجله النور الكويتية، الطبعة الأولى 1414ھ، ص: 117، 122، 120

4 الحسيني، الدكتور سلمان جاد الحسيني، وثيقه مؤتمر السكان والتنميه: رؤية شرعيه، مكتبه الاعلام قاهره 1417ھ، ص: 71

حکومتوں کی طرف سے بھی ایسے خاندانوں کے لیے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کی جاتی کیونکہ وہ خود عالمگیریت کا شکار ہو چکی ہیں۔ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ عالمگیریت کی وجہ سے آبادی کا پانچواں حصہ تو ترقی کر پائے لیکن باقی چار حصے اس سے بہت پیچھے رہ جائیں کیونکہ دنیا میں ٹیکنالوجی کی جدت کی وجہ سے یہ شرح اس سے نابلد ہے اور یہ چیز انہیں غربت اور بھوک کی طرف لے جائے جس میں مسلم خاندان سب سے زیادہ نشانہ بنے گا اوران میں معاشرتی تعلقات کمزور ہوں گے[1]۔

معاشرتی تعلقات کی کمزوری کا مطلب حقوق اور فرائض کے عدم توازن ہی کا نام ہے۔کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر عالمگیریت کی وجہ سے معاشی اور سیاسی حالات میں بہتری اور ترقی آئی ہے تو اس کا زیادہ تر فائدہ کہاں نظر آتا ہے؟اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس بات کا زیادہ فائدہ مغرب نے اٹھایا ہے اور شاید یہی وجہ ہے جہاں ان ممالک نے معیشت کے میدانوں میں فائدہ اٹھایا اوراپنی تجارت کو چاردانگ عالم میں پھیلایا ہے وہیں پسماندہ ممالک میں غربت میں اور بھی اضافہ ہوا ہے اورافراد کے تعلقات میں بھی دراڑیں آئی ہیں جس کا زیادہ تر غریب ممالک کے مسلم خاندان پر دیکھا جاسکتا ہے[2]۔عالمگیریت کا یہ پہلو سب سے زیادہ مسلم خاندانی زندگی پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ اسلام خاندانی زندگی کے استحکام پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔خاندانی وعائلی زندگی کا استحکام، آپسی رشتوں کے احترام، محبت ومودت، خیر خواہی وہم دردی، باہمی الفت اور حقوق کی ادائیگی سے ہوتا ہے۔خاندانی زندگی میں عورت کا اہم رول ہوتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی پامالی یا انہیں بے لگام کر دینے سے عائلی ڈھانچہ کھوکھلا ہونے لگتا ہے۔گلوبلائزیشن سے خاندانی زندگی پر کاری ضرب پڑتی ہے۔

گلوبلائزیشن اور نیو ورلڈ آرڈر:

گلوبلائزیشن، نیو ورلڈ آرڈر، گلوبل ویلیج اور ”لارج مڈل ایسٹ“ ان تمام اصطلاحات کا ایک مشترک ہدف ہے اور وہ ہے اسلام کی عزت وشوکت کو نابود کرنا اور اسلام کے اس نظام خاندان کو ختم کرنا جو اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔ اہل مغرب باوجود اپنی ترقی یافتہ تہذیب کے ایسا نظام پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسلام کے نظام خاندان میں عورت کو مرکزیت حاصل ہونے کی وجہ سے وہ ان سازشوں کا اوّلین ہدف بنی ہوئی ہے۔ جن کے تانے بانے خفیہ طریقے سے بنے جارہے ہیں، تاکہ اسے اس کے دینی تشخص سے عاری کر دیاجائے اور ثقافتی طور پر گلوبلائزیشن کے تقاضوں کا پابند بنادیاجائے۔اس کے لیے متعدد وسائل کا استعمال کیا جارہا ہے۔ مثلاً عورتوں کی مقامی تنظیموں کے لیے بیرونی دولت فراہم کی جاتی ہے، تاکہ اس کے ذریعہ گلوبلائزیشن کے منصوبوں کو نافذ کیا جاسکے۔ اسی طرح عورتوں سے متعلق بین الاقوامی قرار دادوں اور اقوام متحدہ کی کانفرنسوں کی تجاویز کے نفاذ کے لیے معاشی دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی تجاویز آوارگی کو فروغ دیتی ہیں اور ناجائز تعلقات کے لیے بھی فائدہ کا اعلان کرنے والی ہیں۔ عورتوں کو مارکٹنگ کے لیے وسیلہ کے طور پر استعمال کرکے انہیں سامان تجارت کی حیثیت دی جارہی ہے۔ فحش اور عریاں گانوں کے ذریعہ

---

1 العولمة الحقيقية والأبعاد، مؤتمر كلية الشريعة في جامعة الكويت، ص:17-15

2 الفاوی، الدکتور عبد الفتاح احمد الفاوی، الثقافة العربية في عصر العولمة، الأهرام 22/02/200، ص:23

عورتوں کو بے حیا بنایا جارہا ہے۔ عورتوں سے متعلق ہونے والی اقوام متحدہ کی کانفرنسوں کی دستاویزات میں دینی و اخلاقی تحفظات کو ختم کر دینے پر زور دیا گیا اور یہ باور کرایا گیا ہے کہ مذہب بس ایک موروثی سلسلہ ہے، جسے بے چون وچرا قبول کرنے پر عورت بے چاری مجبور ہے۔ اسی طرح ان قراردادوں میں یہ بھی کہا گیا کہ زوجیت اور امومت عورت پر جبر کے ذرائع ہیں۔ گھریلو کام میں عورت ایسی مشقت میں مبتلا رہتی ہے جس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض مسلم خواتین گلوبلائزیشن کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اساسیاتِ دین پر تنقیدیں کرنے لگی ہیں اور بعض بنیادی تعلیمات، مثلاً وراثت، عورت کی گواہی اور عدت وغیرہ کو منسوخ کرنے تک کا مطالبہ کرنے لگی ہیں[1]۔ مسلم خاندان پر عالمگیریت کے اثرات صاف محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلم خاندان اختلاف و انتشار کا شکار ہو رہے ہیں۔ افراد خاندان میں باہمی مدد کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔ ربط و تعلق کمزور ہو رہا ہے، خود غرضی اور مفاد پرستی بام عروج کو پہنچ چکی ہے۔ ہر فرد کو خاندانی مفاد و استحکام سے زیادہ ذاتی مفاد عزیز ہو رہا ہے۔

والدین کی نافرمانی:

اولاد میں والدین کی نافرمانی تشویش ناک حد تک بڑھتی جارہی ہے۔ اولاد ماں باپ کو پس ماندہ اور پرانے خیالات کا تصور کرنے لگی ہے۔ دوسری جانب خود ماں باپ میں اولاد کے تئیں ذمہ داریوں کا احساس ختم ہوتا جارہا ہے۔ ماں باپ اولاد کو اپنی پر تعیش زندگی کے لیے رکاوٹ سمجھنے لگے ہیں۔ شفقت پدرانہ اور ماں کی ممتا مفقود ہوتی جارہی ہے۔ ایک ہی جگہ اور ایک ہی اپارٹمنٹ میں رہتے ہوئے لوگ پڑوسیوں سے کٹے ہوئے رہتے ہیں۔ لفٹوں اور سیڑھیوں سے چڑھتے اترتے بارہا آمنا سامنا ہوتا ہے، لیکن بات چیت تو دور سلام تک نہیں کرتے۔ پڑوسیوں کا حسن سلوک قصہ پارینہ بنتا جارہا ہے۔ ہر خاندان دوسرے خاندان سے کٹا ہوا زندگی گزار رہا ہے۔ خاندان کے بزرگوں سے نیاز مندانہ روابط اور ان کا ادب و احترام ختم ہوتا جارہا ہے۔ اب گھر کے نوجوان بوڑھوں اور بزرگوں کو بوجھ خیال کرنے لگے ہیں۔ اولڈ ایج ہومز "بیت المعمرین" جدید کلچر کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ گھر کے بوڑھوں سے جان چھڑانے کے لیے انہیں بیت المعمرین میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ خاندانی انتشار اور خود غرضی اور مفاد پرستی کی بڑھتی وبا نے خاندانی جرائم میں خوب اضافہ کیا ہے۔ باپ کا اپنی اولاد کو قتل کر ڈالنا اور اولاد کا باپ کو قتل کرنا، شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو قتل کر دینا اور محرم رشتہ داروں کے ساتھ بدکاری عام ہو رہی ہے۔ مسلم خاندانوں میں افراد کے درمیان حقوق و فرائض کے ضمن میں مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

حقوق زوجین پر اثرات:

عالمگیریت کی وجہ سے میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اپنے رفیق حیات سے خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس خیانت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے علاوہ کسی تیسرے انسان سے جنسی تعلقات میں مشغول ہو گئے ہیں اگرچہ

---

1 مصری، ہناہشام محمد، المجتمع، جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کویت، العدد: مارچ 2077، ص: 14-13

ایسا ہو بھی سکتا ہے لیکن خیانت سے مراد ہر وہ رشتہ ہے اور اس سطح کا تعلق ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمگیریت کی وجہ سے مسلم خاندانوں میں یہ ہو رہا ہے [1]۔

ان تعلقات میں خیانت کی جہاں اور وجوہات ہیں وہیں ایک بڑی اور سب سے مضبوط اور پوشیدہ رہ سکنے والی وجہ انٹرنیٹ بھی ہے جو عالمگیریت کے پھیلاؤ کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ سے میاں بیوی کے حقوق و فرائض میں فرق پڑتا ہے اور یہ انسان کو خیانتِ زوجیت کی طرف لے جاتی ہے۔ کسی بھی چینل، رسالے، میگزین یا فلم کو گھر میں آنے سے روکا جا سکتا ہے لیکن یہ تمام چیزیں اگر بازار میں دستیاب نہ بھی ہوں تو انٹرنیٹ کی وجہ سے آسانی سے مہیا ہو سکتی ہیں جو ایک مسلم خاندان کے لیے تباہ کن ہیں [2]۔

بے حیائی میں اضافہ:

آج اس کی وجہ سے ہر ڈیڑھ منٹ میں مسلم ممالک سے بے حیائی کی ویب سائیٹس کی تلاش کی جاتی ہے۔ اس میں ممالک کی قید ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حدود و قیود لاگو ہوتی ہیں بلکہ انٹرنیٹ کی کسی بھی سرحدی پابندی سے آزاد تلاش کا نام ہے۔ آج مسلم گھرانوں میں بھی اس کی اس قدر لت پڑ چکی ہے کہ مائیں اپنے بچوں سے غافل ہیں اور باپ اپنے فرائض سے بلکہ اسے تفریح کا بہانہ بنا کر یا تھکن اتارنے کا ایک ذریعہ سمجھا جانے لگا اور بسا اوقات یہ بھی سننے آتا ہے کہ سارے دن کی تھکن کے بعد اس کا استعمال ذہنی خوشگواریت کا باعث ہے۔ ہلکی پھلکی تفریح کے نام پر بندہ اس کا اس قدر عادی ہو جاتا ہے کہ پھر اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا ہے [3]۔

تفریح کے جدید ذرائع اور حقوق کی ادائیگی:

عالمگیریت کی وجہ سے تفریح کی کچھ ایسے ذرائع بھی مسلم گھرانوں تک پہنچ چکے ہیں جن کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان بول چال کم ہوتی جا رہی ہے یا میاں بیوی کے درمیان بول اور ایک ساتھ مل بیٹھ کر کھانے پینے یا باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کرنے یا ویسے ہی تفریح کے لیے بات چیت اور مذاق کرنے کے مواقع کم ہو گئے ہیں۔ یہ کمی لفظی اور اشارے کنائے دونوں قسم رابطوں میں ہوئی ہے اور اس کی وجہ عالمگیریت کی آزادانہ میل ملاپ کی وجہ سے ہوئی ہے [4]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج بہت سے اداروں میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل ملاپ اور اختلاط ہوتا ہے۔ کچھ خواتین مجبوری کی وجہ سے ایسے محکموں میں

---

1 النوبي، الدکتور محمد النوبي، إدمان الإنترنت في عصر العولمہ، دار صفاء للنشر والتوزیع 1431ھ، ص 03-102

2 الشریف، الدکتور عابدین محمد الشریف، الإعلام والعولمۃ والھویۃ: المؤثر والمتأثر، دار الکتب الوطنیۃ 2006م، ص:182

3 الحربي، الدکتور ہند الحمیدی الحربي، اثر الاستخدام المفرط للإنترنت علی وظائف الأسرۃ وعلاقاتھا الاجتماعیہ، مکتبۃ الاسلام للنشر والتوزیع سوریا، ص:98

4 السعدی، الدکتور محمد عبد الفتاح السعدی، ظواھر ومشکلات الأسرۃ والطفولۃ المعاصرۃ من منظور الخدمۃ الاجتماعیۃ، المکتب الجامعي الحدیث 2009م، ص:96

ملازمت کرتی ہیں جہاں مرد بھی ملازمت کر رہے ہوتے ہیں۔ وہاں ان کا آزادانہ میل ملاپ ہوتا ہے اور یہ چیز مرد یا عورت کو کسی جانب راغب نہ بھی کرے تو بھی اس کی التفات میں کمی کا باعث ضرور بنتی ہے۔ دونوں جب تھکے ہارے گھر پہنچتے ہیں تو سب سے پہلی ترجیح آرام کرنا ہوتی ہے تاکہ صبح کے لیے پھر تازہ دم ہو کر اٹھ سکیں۔ ان تمام معمولات کا اثر گھریلو زندگی پر پڑتا ہے۔ کیونکہ والدین کا برا اخلاق، ایک دوسرے کے ساتھ عدم توجہی، مختلف شہوات میں ان کی دلچسپی اور دیگر قبیح حرکات میں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مگن ہو جانے کی وجہ سے یہ تمام حرکات بچوں تک وسیع ہو جاتی ہیں اور جہاں ان کی نظر میں والدین کی عزت کم ہوتی ہے وہیں یہ تمام عادات ان میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں عادات کو بہتر اور افضل سمجھنے لگتا ہے۔ اس طرح عالمگیریت کے طفیل ایک بچہ اپنے بچپن میں ہی ان عادات کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کے موجودہ خاندان کے ساتھ ساتھ اس کے مستقبل کے خاندان کے لیے بھی حقوق و فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا سبب بن سکتی ہیں[1]۔ جب تک اس کو بچپن سے ایسے اخلاق فاضلہ سے مزین نہ کیا جائے جو ایک اچھے خاندان اور خوشحال معاشرے کی بنیاد کے لئے اہم حیثیت رکھتے ہیں اس وقت تک اچھے نتائج مہیا نہیں کئے جاسکتے۔

آزادانہ اختلاط مرد و زن:

مسلم خاندان میں حقوق و فرائض کی کوتاہی کی ایک خاص وجہ عالمگیریت کی وجہ سے پیدا ہونے والی وہ خاص کیفیت اور فضا بھی ہے جو مرد اور عورت کے آزادانہ اختلاط کی اجازت دیتی ہے۔ ادارہ جاتی عالمگیریت اور مختلف ممالک کے سرکاری محکموں میں بھی یہی کیفیت ہے جس کی وجہ سے ایک عورت غیر محرم مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کام کرتی ہے اور ان کے ساتھ گفتگو یا اشارے کنائے کی زبان میں مربوط ہو جاتی ہے یا ایک مرد بہت سی عورتوں میں بیٹھ کر کام کرتا ہے جس کی وجہ سے گھر کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے یا اس کی التفات میں کمی آجاتی ہے۔ حالانکہ اگر عالمگیریت کا مطمع نظر عورت کو بیروزگاری سے نجات ہی دلانا تھا تو اس کے لیے ایک پاکیزہ ماحول بھی فراہم کیا جاسکتا تھا[2]۔ اس آزاد اختلاط کا نتیجہ کبھی زنا کی صورت میں بھی نکلتا ہے جو ازخود خاندان کی تباہی ہے۔ یہ کام اس آزاد فضا کی وجہ سے اور بھی آسان ہو جاتا ہے جو عالمگیریت نے پیدا کر رکھا ہے بلکہ اسے روشن خیالی، جدت اور ترقی کی علامت اور ضمانت بھی گردان رکھا ہے۔ لیکن اس کے مقابل یہ کام اور اس طرح کے دوسرے جرائم ایسی فضا میں نہیں ہوسکتے جہاں شرعی حدود و قیود کا خیال رکھا جاتا ہو۔ اس لیے عالمگیریت کا سب سے بڑا ہدف مسلم خاندان ہے جو انسانی حقوق کا سب سے بڑا محافظ ہے[3]۔

---

1 العكايلہ، الدكتور محمد سند العكايلہ، اضطرابات الوسط الأسري وعلاقتها بجنوح الأحداث، مكتبۃ دار الثقافۃ للنشر والتوزيع، 2006م، ص:194

2 الازرقی، إبراهيم بن عبد الله الأزرق، الاختلاط بين الواقع والتشريع، دراسۃ فقهيۃ علميۃ تطبيقيۃ في حكم الاختلاط وآثاره، تقريظ: أ. د. ناصر العمر، مؤسسۃ نور الاسلام 1425ھ، ص:10

3 الباقی، الدكتور محمد عبد الباقي، خطر التبرج والاختلاط، عبد الباقي رمضون، مؤسسۃ الرسالۃ 1400ھ، ص:80

جنسی ہراسانی کے واقعات میں اضافہ:

انہی حالات کی وجہ سے کئی ایک بیویاں جنسی طور پر ہراساں کی جاتی ہیں یا جنسی تشدد کا نشانہ بن جاتی ہیں اوراس میں بنیادی کردار اس ماحول کا ہوتا ہے جو اس طرح کے محکموں اوراداروں میں پیدا کر دایا جاتا ہے تاکہ نہ چاہتے ہوئے بھی انسان اس جانب راغب ہوسکے۔اس کا مقصود جنسی آزادی ہوتی ہے جس کا زیادہ تر نتیجہ آزادانہ تعلقات کی جانب رغبت اور شادی سے بددلی کی صورت میں نکلتا ہے کیونکہ اوائل جوانی میں زیادہ تر تصور یہی ہوتا ہے کہ شادی جنسی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔دونوں صورتوں میں خاندان ہی نشانہ بنتا ہے اوراس طرح میاں بیوی کے مابین ذمہ داریوں کے تعین میں چپقلش واقع ہوتی ہے اوراولاد کے سلسلے میں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے میں ناچاقی بھی واقع ہوسکتی ہے[1]۔

راہ راست سے بھٹک جانے کے ذرائع:

مسلم خاندانوں میں حقوق وفرائض کے حوالے ایک رخ یہ بھی ہے کہ عالمگیریت کی وجہ سے گھر گھر پہنچتی بے حیائی کی وجہ سے میاں بیوی کسی اور کے ساتھ منسلک ہوجاتے ہیں کیونکہ روزگار کی وجہ سے جدائی ایک حقیقت ہے اوران لمحات میں ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ایسا مواد آسانی سے مہیا ہے جس سے جنسی تحریک پیدا ہوتی ہے اورانسان کو ضروری نہیں کہ زنا ہی ہو، کئی طرح کے دیگر جنسی جرائم میں مبتلا کر دیتی ہے اور عملا اس کا نتیجہ حقوق وفرائض کی کوتاہی کی صورت میں ہی نکلتا ہے[2]۔

ایک گھر میں موجود ہونے کے باوجود میاں بیوی ایک دوسرے سے بے پروا کسی بھی دوسری سرگرمی میں مگن ہوتے ہیں جیسے موبائل میں سوشل میڈیا پر مصروف ہیں یا کسی کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہیں جس کا نتیجہ ایک دوسرے سے رغبت میں کمی کی صورت میں نکلتا ہے یا انسان میں یہ احساس اجاگر ہوجاتا ہے کہ انہیں ایک دوسرے کی اتنی زیادہ ضرورت بھی نہیں ہے۔بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی دوسری جانب ملتفت ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلتا ہے۔کیونکہ ان کی دلچسپی کے اموراور ہوجاتے ہیں جو انہیں ایک دوسرے سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔اس کے علاوہ خاندانی منصوبہ بندی، نص بندی، اسقاط حمل اوراس جیسے دوسرے ذرائع بھی میاں بیوی کے حقوق میں کوتاہی کا موجب ہیں کیونکہ ان کی موجودگی میں جنسی بے راہ روی کا پتا نہیں چلتا[3]۔

والدین اوراولاد پر اثرات:

عالمگیریت نے ایک خاندان میں جہاں میاں بیوی کے تعلقات پر اثراندازی کی ہے وہیں اس کا اثر والدین اوراولاد کے باہمی حقوق وفرائض پر بھی پڑا ہے۔عالمگیریت نے نوجوان نسل کے ساتھ ساتھ بچوں کی عادات پر برے اثرات مرتب کیے ہیں

---

1 الدیش، الشیخ محمد الدویش، الباحثات عن السراب، مکتبہ القاہرہ 1417ھ، ص:19

2 الباقی، خطر التبرج والاختلاط، ص:87

3 ابو محمد، الشیخ ندا ابو محمد، خطورۃ الاختلاط، مکتبہ الشیخ للنشر والتوزیع 1419ھ، ص:27

اوران کے سب سے بڑے ذرائع انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن اور کارٹون فلمیں ہیں اور یہ حیرت کی بات ہے کہ بچوں کے لیے بنائی جانے ان فلموں میں بھی کسی نہ کسی حد تک جنسی مواد ضرور شامل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ مختلف گیمیں بھی اس قسم کی قباحت سے خالی نہیں ہیں جن میں تشدد، مار دھاڑ اور قتل وغارتگری کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ سب کام کرنے والے کو ایک ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے علاہ ان گیموں یا ان فلموں میں ہیرو کے پاس ایسا سامان موجود ہوتا ہے جو دیکھنے والے بچوں کے والدین مہیا نہیں کر سکتے لیکن بچوں میں اس سامان کی کشش پیدا ہو جاتی ہے جو بسا اوقات انہیں کسی دکان میں چوری کی جانب راغب کر دیتی ہے۔اسی طرح ایسی فلموں کی وجہ سے بچوں میں ایسی عادات پیدا ہو جاتی ہیں جو انہیں کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی جانب اکساتی ہیں [1]۔

میڈیا سے منفی اثرات لینا:

ایک لحاظ سے ٹیلی ویژن یا اس جیسے دوسرے ذرائع کو ان جرائم کی کا سکول کہنا بے جا بھی نہیں ہے کیونکہ یہاں ایسے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں جن میں جرائم کے باقاعدہ طریقہ کار بتائے جاتے ہیں۔ بلکہ کئی ایک ڈراموں میں مجرم کو باقاعدہ ہیرو کے طور پیش کیا جاتا ہے۔بسا اوقات یہ بھی دکھایا جاتا ہے کہ کسی ایک انسان کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے اور کس طرح وہ اپنا بدلہ لیتا ہے۔یہ تمام باتیں بچوں کے قلوب واذہان پر منفی اثرات مرتب کرتی ہیں۔اس طرح کے پروگرام بھی پیش کیے جاتے ہیں جو بچوں کو اکساتے ہیں کہ وہ بھی ان جیسے بنیں یا ایسی فضا میں زندہ رہیں۔یہی بچے معاشرے میں نکلتے ہیں تو ان جرائم کو قبول کرنے میں انہیں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی کیونکہ وہ ایسے جرائم دیکھ ان سے مانوس ہو چکے ہوتے ہیں بلکہ طریقہ ارتک سیکھ چکے ہوتے ہیں، بلکہ اس طرح کے پروگراموں کو دیکھ کر دیکھ کر ذہنی طور پر ان کے لیے تیار بھی ہوتے ہیں [2] اور ان کے لیے ایسا کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوتی۔

والدین کی غفلت:

بچوں کے حقوق کے سلسلے میں والدین ایک اور غفلت کا شکار بھی ہوئے ہیں اور یہ سوچ ہے کہ ایسی فلمیں اور گیمیں ان کے بچوں کی ضرورت ہیں۔ان کی اس غلطی کی وجہ سے معاشرہ ایک سنگین ناہمواری کی جانب بڑھ رہاہے اورافراد میں معاشرتی اوررویہ جاتی تفاوت پیدا ہو رہا ہے جو تباہی کا نوید ہے۔ایسا اس لیے ہو رہا ہے کہ ایک بچہ تشدد سے بھرپور فلمیں دیکھتے اور گیمیں کھیلتے ہوئے جوان ہوا ہے اور دوسرا بچہ ایسی فضا سے دور جوان ہوا ہے۔یہی دو بچے مختلف رویوں کے حامل ہوں گے۔ایک بچے کی طبیعت میں تشدد کا عنصر ہو گا جبکہ دوسرا بچہ اس سے قطعی لاعلم ہو گا اور یوں معاشرہ دو متضاد کیفیتوں کے حامل افراد کا مجموعہ بن جائے گا اوراس میں ایسا لاتوازن پیدا ہو گا کسی جرائم میں اضافے کا سبب بنے گا [3]۔بچے اسی قسم کی فضا میں پروان چڑھتے رہتے ہیں

---

1 العمری، الدکتور ناصر بن سلیمان العمر، رسالہ المسلم في حقبة العولمہ، مرکز الدراسات الإسلامية بقطر 1424ھ، ص:48

2 الحارثی، الدکتور صلاح الدین عبد اللہ الحارثی، دور التربية الإسلاميہ في مواجهة التحديات الثقافية للعولمہ، مكتبہ السوادي 1424ھ، ص:128

3 اثر برامج التلفاز في تحفيز سلوكيات العنف لدى الأطفال في مرحلة الطفولة المبكرة، ہدی ابراہیم، کتب العالم الاسلامی 2008ء، ص:51

جس کی وجہ سے ان میں تشدد کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں یا ان میں یہ دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے کہ فلموں کی طرح کا ماحول پیدا کریں ۔انہی خواہشات کے ساتھ وہ سکول پہنچ جاتے ہیں اور وہاں انہیں کسی سکول کی سرگرمی میں شرکت یا حصہ دار بننے کا کہا جائے تو دیکھی ہوئی فلموں کی طرح کا ماحول بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ساتھی طلبہ کے ساتھ مار پیٹ یا شرارتوں سے بھی باز نہیں آتے جس کی وجہ بسا اوقات یہ چپقلش سکول سے ہوتے ہوئے گھروں کی تک پہنچ جاتی ہے اور دوسرے بچے بھی خراب ہوتے ہیں[1]۔

انٹرنیٹ کے اثرات:

عالمگیریت کی وجہ سے والدین مختلف ذرائع ابلاغ کی فراہمی یقینی بنانے کو اپنی گھریلو ذمہ داری سمجھتے ہیں لیکن اپنے فرائض سے اس معنی میں غافل ہو جاتے ہیں کہ ان کے نتائج سے باخبر رہیں اور بچوں کے رویوں پر نظر رکھیں۔ان ذرائع ابلاغ کی وجہ سے پیدا ہونے برے اثرات سے بچوں کو بچائیں۔انٹرنیٹ کی سہولت دیتے وقت ایسے اقدامات کو یقینی بنائیں جن کی وجہ سے ان کی اولاد ان راستوں پر نہ چل سکے جو محض ایک کلک کے فاصلے پر موجود ہیں اور بے حیائی، جنسی تشدد، جنسی میلان اور دیگر حیاباختہ مواد کی وافر مقدار لیے ہوئے ہیں[2]۔

یہ والدین کی غفلت ہے کہ وہ محض اپنے آرام وسکون کی خاطر بچوں کو ایسے مواد کی فراہمی کر دیتے ہیں لیکن ان کے نتائج پر غور فکر نہیں کرتے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بڑے بڑے حادثات جنم لیتے ہیں۔یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ طلبہ میں جھگڑا ہوا جو کسی کے قتل پر منتج ہوا حالانکہ وجہ نزاع یقیناً اتنی سنگین نہ تھی کہ اسے قتل کے بنا سلجھایا نہ جا سکتا تھا[3]۔عالمگیریت کی وجہ سے بچے ان خیالات سے متاثر ہوئے ہیں جن کی رو سے ہر انسان آزاد ہے اور کوئی بھی فعل اس کا ذاتی عمل ہے جس کا صرف وہی حقدار ہے کسی دوسرے کو اس پر روک ٹوک کا کوئی حق نہیں ہے۔خود مختاری اور آزادی اس کی جنسی خواہشات کو بھی شامل ہے پس یہ ان کا اپنا ایک ذاتی عمل ہے اور ان کی اپنی پسند ہے کہ وہ کب اور کس کے ساتھ یہ عمل انجام دی سکتے ہیں ۔یہ والدین کی مجرمانہ غفلت اور بچوں کے حقوق میں ان کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ اس وقت وہ بے خبر رہے جب بچہ ان عادات کا شکار ہو رہا تھا اور اس میں اس قسم کے خیالات پنپ رہے تھے۔والدین کو بچوں کی حرکات وسکنات پر نظر رکھنی چاہیے تھی اور جنسی خواہشات کے سلسلے میں انہیں شرعی طریقوں کی جانب راغب کرنا چاہیے تھا۔لیکن عالمگیریت کی وجہ سے وہ بھی اسی سوچ کا شکار ہوئے کہ سہولیات پر

---

1 دراسات في إعلام الطفل، الدكتور محمد معوض، دار الكتاب الحديث 2010ء، ص:115

2 سعيد، الدكتور محمد توهيل عبده سعيد، هذه هي العولمة، المنطلقات والمعطيات والآفاق، مكتبه الفلاح 1422ھ، ص:470

3 العجيله، الدكتور عاصم احمد العجيله، المسلمون وتقليد لأجانب، الانبهار بالغرب وتغريب العرب، مكتبه نهضة مصر 2006ء، ص:198

بچے کا حق ہے لیکن اس حق کے صحیح استعمال پر توجہ نہ دے کر وہ اپنے فرائض سے غافل ہو گئے اور بچہ کو صحیح تربیت اور اعلیٰ اخلاق سے مزین نہ کر سکے جو اس کا حق تھا[1]۔

آبادی کم کرنے کی مہمات:

عالمگیریت کا ہدف مسلم خاندان ہے اور اس کی تباہی کے لیے مختلف قسم کے ترکیبیں مہیا ہیں۔ آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے یا قبل از وقت حمل سے بچنے کے لیے مختلف قسم کی ادویات میسر ہیں لیکن ان اقدامات کو کسی طور یقینی نہیں بنایا گیا کہ ایسی ادویات غیر شادی شدہ افراد کے ہاتھ نہ لگیں۔ ایسی صورتوں میں ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں کہ بعد میں متاثرہ بچی کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا نتیجہ خودکشی یا قتل کی صورت میں نکلتا ہے[2]۔

والدین کی حقوق و فرائض کے ضمن میں انہی غفلتوں، حکومت وقت کے ادویات کے سلسلے میں ناکافی اقدامات اور ایسی ادویات فروخت کرنے والے اداروں کی لاپرواہی کی وجہ سے نوجوان نسل کے لیے اپنی خواہشات کی تکمیل اور پھر ان پر پردہ ڈالے رکھنا آسان ہوتا چلا جا رہا ہے اور مسلم خاندان کو تباہ کرنے کے لیے کئی اداروں میں ایسی شرائط بھی موجود ہیں کہ حاملہ ہوتے ہی اس کی نوکری خطرے میں پڑ جاتی ہے کیونکہ وہ ادارہ نہ تو یہ برداشت کرتا ہے کہ اس کا کوئی ملازم اتنے عرصے کام سے غیر حاضر رہے اور نہ ہی اسے حاضری سے استثنا کی صورت میں معاوضہ دینے کا روادار بنتا ہے۔ اور بچے کی پیدائش کے فوراً بعد عورت کو اگر دوبارہ کام کے سلسلے میں باہر نکلنا پڑے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ والدین اپنے فرائض صحیح طریقے سے پورے نہیں کر پاتے اور بچہ بھی اس توجہ سے محروم رہتا ہے جو اس کا بنیادی حق ہے[3]۔

اپنے وطن سے نفرت:

عالمگیریت کی وجہ والدین کے اپنے فرائض سے غافل ہونے کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ ذرائع ابلاغ کی وجہ سے وہ ایسی فلمیں دیکھتا ہے جن کی وجہ سے اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ مغرب کی زندگی پر تعیش ہے اور وہاں وسائل اور سہولیات زیادہ ہیں اور کمانے کے اتنے زیادہ مواقع ہیں کہ انسان آسانی سے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی سنوار سکتا ہے۔ یہی سوچ جہاں اسے ایک طرف اپنے وطن سے نفرت پر ابھارتی ہے وہیں اسے اپنے وطن سے دور بھی لے جاتی ہے اور اگر وسائل مہیا ہوں تو وہ اپنے کسی بھی من پسند ملک میں چلا جاتا ہے۔ یوں بچہ ماں کی مکمل ذمہ داری بن جاتا ہے اور اس کی شخصیت میں کئی طرح کی خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ماں گھر کے اندر تو نظر رکھ سکتی ہے لیکن باہر کے حالات سے وہ بے خبر رہتی ہے کیونکہ ہر وقت اور خصوصاً وہ بھی اپنے لڑکوں

---

1 المصری، الدکتور اکرام عبداللہ المصری، عولمۃ المرأۃ المسلمۃ، الآلیات وطرق المواجھۃ، مرکز باحثات لدراسات المرأۃ 2010ء، ص:63

2 امامی، البرفیسر الدکتور زکریا بشیر الامام، مواجھۃ العولمۃ، مرکز قاسم للمعلومات الخرطوم 2000ء، ص:215

3 الکریم، الدکتور فواد العبد الکریم، العدوان علی المرأۃ فی المؤتمرات الدولیۃ، منشورات مکتبہ الاسلام دمشق، ص:259

کے ساتھ باہر رہنااوران کے معمولات پر نظر رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔اس طرح عالمگیریت کا شکارا ہو والد باہر چلاجاتا ہے اوراپنے فرائض پوری نہ کرسکنے کی وجہ بچہ مختلف قباحتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے[1]۔

اولاد کوبوجھ سمجھنا:

عالمگیریت کی وجہ سے اولاد اوروالدین کے باہمی حقوق وفرائض پر ایک اثر یہ بھی پڑا ہے کہ اولاد اپنے والدین کو ایک بوجھ اور سیر و تفریح کے معاملات میں ایک رکاوٹ تصور کرنے لگے ہیں۔ضروریات کا فقدان اور عالمگیریت کی وجہ سے ان کے ذہن اور تخیلات میں مترشح ایک پر آسائش زندگی انہیں والدین کا خیال رکھنے یاان کی ضروریات پورا کرنے کی بجائے انہیں عاق کرنے پر اکساتی ہے یاکسی نہ کسی درجے پر اس خیال کو ضرور تحریک دیتی ہے۔کسی دور میں اسلامی گھرانوں میں والدین کا اپنا ایک وقار ہوتا تھا۔ان کی اجازت کے اور صلاح مشورے کے بغیر بچے کسی کام کے کرنے سے کتراتے تھے اوران کی دعاؤں اور مشوروں کو باعث برکت سمجھاجاتا تھالیکن آج انہیں پرانی روایات کا امین قرار دے کر ان سے مشورہ لیناتو کجاانہیں اس کام میں شریک ہی نہیں کیاجاتااور یہ بیزاری انہیں بے ادبی، گالی، قتل اور عقوق کی طرف لے جاتی ہے[2]۔

والدین سے بدسلوکی:

عالمگیریت کی وجہ سے اولاد میں خاص قسم کامغربی رویہ جنم لیتاہے اوروہ وہی سلوک اپنے والدین کے ساتھ روار کھنے لگ جاتے ہیں جس طرح کاسلوک مغربی اولاد اپنے بچوں کے ساتھ روار کھتی ہے۔جیسا کہ اگر والدین اولاد سے اس کے معمولات کے بارے میں پوچھیں،اس کی معاشرتی سرگرمیوں سے متعلق اسے کوئی نصیحت کریں یااس کے دوستوں کے حوالے سے اسے کوئی بات سمجھاناچاہیں تووہ جواب دیے بناکمروں میں چلے جائیں،ناراضگی کا اظہار کریں یاوالدین سے ترش کلامی پر اتر آئیں۔جس کی نتیجہ یہ نکلتاہے کہ والدین بھی ان کی طرف سے بددل ہوجاتے ہیں اور بچہ کسی بڑی بربادی کا شکار ہوجاتا ہے۔یہ بات جہاں بچے کو اس فرض سے دور کرتی ہے کہ والدین کوعزت دینااس کا فرض ہے وہیں اس کا یہ رویہ والدین کوبددل کر کے ان فرائض منصبی سے دور کردیتاہے جوبحیثیت والدین ان پر اسلام نے لاگو کیے ہیں[3]۔

محدودوسائل وجہ نزاع:

والدین اوراولاد کے حقوق پر عالمگیریت کا ایک اثر رویہ جاتی غلط فہمی کا بھی ہے۔والدین اور بچے کی پیدائش کے زمانے میں کئی برسوں کا فاصل ہوتا ہے۔آج کا بچہ جس دور میں آنکھیں کھول رہاہے اور جس ماحول میں پروان چڑھ رہاہے وہ تیزترین

---

1 العولمۃوالھویۃ،الدکتور صالح أبواصبع وغیرہ،منشورات جامعہ فیلادلفیا،1999،ص:322

2 زاید،فہد خلیل زاید،فن التعامل مع کبار السن الوالدین،دار النفائس،الطبعۃ الأولی،2010م،ص:123

3 ابن طالب،الدکتور عبدالعزیز بن طالب،الدراسۃ فی الخارج: أبعاد تنمویہ وتجارب دولیہ وخطوات عملیہ،مکتبہ العبیکان2008م،ص34

ٹیکنالوجی کا دور ہے جبکہ بچے کا باپ پرانے روایتی دور کا پروان چڑھا ہے اور انہی قدروں کو عزیز رکھنے والا ہے۔ ذرائع ابلاغ اور تجارتی عالمگیریت کی وجہ سے بچہ ایسے بہت سی سہولیات سے آشنا ہے جنہیں اس کا والد محدود وسائل کی وجہ مہیا نہیں کر سکتا۔ بچہ ان کی فرمائش کرتا ہے لیکن والد گھر چلانے کے لیے اس کی فرمائشوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ ایسی صورتحال میں والد کا کردار ایک وزیر خزانہ کی طرح کا ہو جاتا ہے اور یوں بچے کی نظر میں والد کی عزت کم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ سوچنے لگتا ہے کہ والدین کی نظر میں پیسے کی عزت ہے لیکن اس کی نہیں۔ یہ رویہ بچے کو والدین کا باغی بنا دیتا ہے[1]۔ والد بھی جس معاشرے میں رہتا یا جہاں کام کرتا ہے وہاں ایسا ماحول ہے کہ لوگوں کے پاس قیمتی موبائل فون ہیں تو ان حالات میں وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور چڑچڑے پن کی وجہ سے اس کی گھریلو زندگی متاثر ہوتی ہے۔ اگر وہ ان سہولیات جیسے موبائل گاڑی وغیرہ کو مہیا کرتا ہے تو بھی محدود وسائل کی وجہ سے اس کا گھر اور خاندان ہی متاثر ہوتا ہے۔ ان سہولیات کو میسر کرنے کی وجہ سے اگر وہ دوہرے کام کا متحمل ہو جاتا ہے تو بھی خاندان کو کم وقت دینے کی وجہ سے خاندان ہی نشانے بنے گا[2]۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ والدین قبیح معمولات کے عادی ہو جاتے ہیں جیسا کہ اونچے درجے کے لوگ شراب اور آزادانہ میل ملاپ کو تعلیم اور روشن خیالی کی علامت سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں وہ اپنے معمولات میں اس طرح مگن ہو جاتے ہیں کہ اس بات سے بے خبر رہتے ہیں کہ بچے ان کے ان معمولات سے آگاہ ہو چکے ہیں یا وہ ان کی آگاہی کو اہمیت نہیں دیتے۔ عالمگیریت کا پیدا کردہ یہ احساس بھی والدین کے فرائض میں کوتاہی کا ایک سبب ہے جس کی وجہ سے اولاد برائی کا شکار ہو جاتی ہے[3]۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ ان حرکات سے دور رہیں اور زیادہ پیسے کے لالچ میں اپنے خاندان سے دور رہنے کی بجائے ایک متوسط زندگی گزاریں اور اپنے اہل و عیال کو وقت دیں[4]۔

دیگر رشتہ داروں کے حقوق پر اثرات:

اسلام میں مسلم گھرانہ اس بات کا داعی تھا کہ اس کا پڑوسی بھی اس کی توجہ کا مستحق ہے۔ اس کے رشتہ دار بھی حقوق و فرائض کی رسی کے ساتھ اس سے منسلک ہیں لیکن عالمگیریت نے جہاں میاں بیوی اور والدین اولاد کے باہمی حقوق کو متاثر کیا تھا وہیں دیگر رشتہ داروں کے حقوق پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ آج کا انسان اپنے گھر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے مختلف قسم کی سرگرمیوں میں مگن رہتا ہے۔ کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد انٹرنیٹ کا استعمال کرنا، سوشل میڈیا میں مشغول ہو جانا، مختلف قسم کی فلمیں دیکھنا یا گیمیں کھیلنا اس قسم کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے۔ وہ فارغ وقت کو ان لایعنی مصروفیات میں صرف کرتا ہے لیکن اس کے رشتہ دار اس کی ملاقات یا اس کی دعوت کے متمنی ہی رہ جاتے ہیں۔ آج مسلم گھرانوں میں فارغ وقت کو کسی

---

1 الشیخلی، الدکتور عبد القادر الشیخلی، تاثیر العولمہ علی سلطۃ الوالدین، مکتبہ دار الحضارۃ بدمشق 1429ھ، ص:22

2 میزاب، الدکتور محمد ناصر المیزاب، مدخل إلی سیکولوجیۃ الجنوح، عالم الکتب العربی بیروت 2008ء، ص:133

3 الشبیبی، الدکتور محمد کاظم الشبیب، العنف الأسري، المرکز الثقافي العربي قاہرہ بیروت 2007ء، ص:68

4 الکریز، العقید احمد محمد الکریز، الرعایۃ الاجتماعیۃ للأحداث الجانحین، مطبعۃ الإنشاء دمشق 1400ھ، ص:181

اور اچھے مصرف میں لانے کی بجائے ٹیلی ویژن کی نظر کر دیا جاتا ہے۔ان حالات میں حالانکہ کئی ایک پڑوسی یا رشتہ دار بیمار ہوتے ہیں اوران کی عیادت ایک کار ثواب ہے لیکن عالمگیریت نے انسان کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ وہ اپنے وقت کو ایسی مثبت سرگرمیوں میں صرف کرنے کی بجائے سوشل میڈیا، فلموں اور ٹی وی کی نظر کر دیتا ہے[1]۔

خلاصہ بحث:

اس امر میں کوئی امر مخفی نہیں ہے کہ میڈیا کے مثبت اثرات کے ساتھ ساتھ منفی اثرات بھی ہیں۔اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ مثبت اثرات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منفی اثرات سے کس طرح محفوظ رہا جائے اور نئی نسل کو بھی ان سے بچایا جاسکے ؟ اس ضمن میں بچوں کو خصوصاً محفوظ رکھنے سے اقدامات کرنا چاہیے کیونکہ خاندان ہی بچے کی تعلیم ،اس کی حفاظت ،اور پرورش اوراس کی اعلیٰ تربیت کا پہلا زینہ ہے اوراس کی پہلی درسگاہ ہے۔اس لئے اس کے بچاؤ کے لئے خاطر خواہ اقدامات کرنے ہوں گے۔اس کے لیے سب سے پہلے بچوں میں دین کی لولگانی چاہیے۔کیونکہ دین ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کے حصار میں آنے کے بعد خاندان ایسی قباحتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے کے لیے اوراپنی ذمہ داریوں کے صحیح احساس کو اجاگر کرنے کے لیے والدین اور اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے حقوق و فرائض کی ادائگی کو یقینی بنائیں اور اس کو ایک دینی امر سمجھ کر سرانجام دیں۔عالمگیریت کے ان اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے دینی شعور کی بیداری اور مضبوطی کے ساتھ دین پر عمل آوری ضروری ہے۔گلوبلائزیشن دراصل دینی بیزاری اور دین سے آزادی کی دعوت کا نام ہے۔اس کا مقابلہ دین پسندی اور شریعت پر سخت عمل آوری کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔اس لئے دین اسلام کے ساتھ تعلقات مضبوط بنائیں اور دینی محافل میں اہتمام کے ساتھ شریک ہوں۔عالمگیریت کے منفی اثرات کو ذہن میں رکھ کر اس کا مقابلہ کیا جائے اس کے مثبت اثرات سے فائدہ اٹھایا جائے اور منفی اثرات سے آگاہی حاصل کر کے اس کے مقابلے کے لئے نئی نسل کو تیار کیا جائے۔کمیونٹی لیول پہ ایسے پروگرام منعقد کئے جائیں جن میں مرد و خواتین اور ان کے بچے شریک ہوں اور ان کو عالمگیریت کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔

1 الزنیدی، الدکتور عبدالرحمٰن الزنیدی، العولمۃ الغربیۃ والصحوۃ الإسلامیۃ، دار اشبیلیا، 2000ء، ص:36

فصل چہارم

اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادے کے اصول

فصل چہارم:

اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادے کے اصول

عالمگیریت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے آنکھیں چرانا ممکن نہیں ہے۔اس لیے اس سے بھاگنے کی بجائے اس سے استفادہ کرنا نسبتاً ایک بہتر راستہ ہے۔ایک اسلامی معاشرے میں اس سے استفادہ کیسے ممکن ہے؟ اسلام دین فطرت ہے اوراس میں ہر دور کے لیے سامان ہدایت موجود ہے۔ یہ ہر دور سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھنے والا مذہب ہے۔ دین اسلام کا اپنا ایک نظام حیات ہے اورایک اسلامی معاشرے میں اس نظام کو ہی فوقیت دی جاتی ہے۔اسلام صرف عقائد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں عبادات کے ساتھ ساتھ احکامات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیے ایک مکمل اور لامثال رہنمائی بھی موجود ہے جس پر عمل کر کے انسان اس دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔دوسری طرف مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس دین کے قواعد وضوابط بھی تشکیک کا شکار ہوئے ہیں۔عالمگیریت نے جہاں دوسرے شعبوں کو متاثر کیاوہیں دین اسلام کے بنیادی عقائد اور مجموعی تعلیمات کو بھی طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ آج دنیا میں جدیدیت کا طعنہ دے کر اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ آج عالمگیریت کا دور ہے اوراس دور میں جینے کے کچھ اپنے ہی تقاضے ہیں۔دوسری طرف اسلام نے کسی چیز کے جائز یاناجائز ہونے کا معیار اس چیز کی افادیت کو مد نظر رکھ کر ہی کیاہے۔اسلام میں کسی بھی چیز کو اپنانے سے پہلے دیکھا جاتا ہے کہ جائز ہے یاناجائز؟حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ؛

((سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ قَالَ: الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِوَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ، فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ))[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین (چمڑے کالباس) کے بارے میں پوچھا گیاتو آپ نے فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا، اور حرام وہ ہے، جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیااور جس چیز کے بارے میں وہ خاموش رہاوہ اس قبیل سے ہے جسے اللہ نے معاف کر دیاہے"

حلت وحرمت کا اصول:

اس کا مطلب ہے کہ پوچھنے والے کے ذہن میں یہ سوال تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں اگر شریعت خاموش ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہونا چاہیے ؛حلت یا حرمت کا؟لیکن آپ ﷺ نے یہ اصول بنادیا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام قرار دیاہے ان کی وہی حیثیت ہے اور جس چیز کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ان کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان سے استفادہ کیاجاسکتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں آپ نے پوچھی جانے والی اشیاء کے بارے میں نہیں کہا کہ انہیں استعمال نہ

1 ابن ماجہ، السنن، کتاب الاطعمہ، باب اکل الجبن والسمن، حدیث:3367

کرو کیونکہ ان کے استعمال کرنے کے بارے میں کوئی حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ؛

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾[1]

"پھر ہم نے ان رسولوں کے نقوشِ قدم پر رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی اور ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں جو اُن کی پیروی کر رہے تھے شفقت اور رحمت پیدا کر دی۔ رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کی تھی، ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے سو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے تھے، اُن کا اجر و ثواب عطا کر دیا اور ان میں اکثر بہت نافرمان ہیں"

رہبانیت اللہ تعالیٰ کی طرف منصوص علیہ نہیں تھی لیکن جب انہوں نے اسے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایجاد کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر اجر سے نوازا۔ چونکہ اس کی حرمت کی دلیل نہیں تھی لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اجر کا مستحق گردانا گیا۔ اسی چیز کو مدّ نظر رکھتے ہوئے فقہانے یہ کہاہے کہ کسی بھی چیز کے استعمال یا استفادے کے ذیل میں اباحت ہی کو اصل مانا جائے تاوقیکہ اس پر حرمت کی کوئی دلیل میسر آجائے جیسا کہ علامہ حطاب مالکی[2] اور علامہ سرخسی نے کہاہے کہ اشیامیں اصل اباحت کو ماناجائے گا[3]۔ ان کے علاوہ بھی کافی سارے علماء نے اشیا کی اصل اباحت ہی ماناہے اور بعض نے حلت کو اشیاء کی اصل قرار دیاہے ۔ اس سے معلوم ہوتاہے کہ اگر کسی چیز کے استعمال کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ زیر بحث آئے تو دیکھنا پڑے گا کہ اسلام میں اس چیز کی کیا حیثیت ہے؛ یہ حلال ہے یا حرام؟ اگر اس کی حرمت پر کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو تو وہ اس کا استعمال کرنا یا اس سے استفادہ کرنا ممنوع نہیں ہو گا۔۔ ابن تیمیہ کا کلام اس باب میں قول فیصل ہے ان کا کہنا ہے کہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمام اشیاء انسان کے لیے حلال اور پاک ہیں اگرچہ ان میں اصناف اور اوصاف میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ ان سے انسان کا فائدہ اٹھانا، ان کا پہننا یا ان کو چھونا ممنوع نہیں ہے اور یہ ایک اس باب میں ایک جامع کلمہ ہے[4]۔ اس کے بعد انہوں نے قرآن وحدیث سے اس بات پر دلائل بھی وارد

---

1 الحدید: 57/27

2 حطاب مالکی، ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الطرابلسی، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دارالفکر بیروت 1412ھ، ص:1/87

3 سرخسی، شمس الآئمہ محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دارالمعرفت بیروت 1414ھ، ص:24/77

4 ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم الحرانی، مجموع الفتاویٰ، تحقیق: عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم، مجمع الملک فہد للطباعۃ المصحف الشریف مدینہ منورہ 1416ھ، ص:21/535

کیے ہیں۔لیکن ظاہر ہے ان کا اشیاء میں حلت اور طہارت کو اصل ماننا صرف ان اشیاء کے ضمن میں ہے جن کی عدم حلت یا عدم طہارت پر کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔اس مختصر بحث سے معلوم ہوا کہ ایک اسلامی معاشرے میں کسی بھی چیز سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔اب اس ضمن میں عالمگیریت سے بھی استفادہ کرنا ممنوع نہیں ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عالمگیریت ایک مغربی اصطلاح ہے اور ظاہر ہے اس کے اختراع میں اسلامی تعلیمات کو تو مد نظر نہیں رکھا گیا۔پس یہ استفادہ کن اصولوں کے تحت ہونا چاہیے اس حوالے سے اس میں کلام موجود ہے کہ آیا یہ مطلقا جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ اس چیز کے استعمال یا اس سے فائدے حاصل کرنے کے ساتھ ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسلامی اصولوں کے تحت جائز ہے یا جائز نہیں؟

اسلامی معیشت کا فروغ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا؛

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾۔[1]

"پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"

اس آیت میں نماز کے بعد زمین میں پھیل جانے اوراللہ کا فضل تلاش کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔یہاں فضل سے رزق حلال اور تجارت کے ذریعے سے اس کا طلب کرنا مراد ہے جیسا کہ مقاتل[2] اور واحدی[3] نے بیان کیا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تجارت کے لیے زمین پھیل جاؤاور رزق کی تلاش کرو۔یہاں زمین میں پھیل کر تجارت کرنے کا حکم ظاہر ہے اسی تجارت کو شامل ہے کہ جو اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہو۔مسلمانوں کا تجارت کو پھیلانا اسلامی تجارت کو بھی وسعت دے گا اور لوگ اسلامی معیشت کے اصول و مبادیات اوراس کے فائدہ مند ہونے سے بھی مطلع ہوں گے۔اس لحاظ سے گویا یہاں اسلامی معیشت کی عالمگیریت کی بات ہو رہی ہے اوراس ضمن میں ایک اصول بھی وضع ہوا کہ مسلمانوں کو اسلامی عالمگیریت کی جانب قدم بڑھانا چاہیے۔لیکن اگر مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے عملاً ایسا ممکن نہ ہو تو موجودہ مغربی عالمگیریت سے استفادے کے لیے یہ شرط ہے کہ اسلامی اصول تجارت مسخ نہ ہونے پائیں۔اگر عالمگیریت سے استفادے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مقدر ہو تو اس سے استفادے کی بجائے ترک کرنا بہتر ہے۔

---

1 الجمعہ:62/10

2 مقاتل، تفسیر مقاتل بن سلیمان، ص:4/327

3 واحدی، ابو الحسن علی بن احمد بن محمد الواحدی، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، تحقیق: الشیخ عادل احمد عبد الموجود، الشیخ علی محمد معوض، الدکتور احمد محمد صیرہ، الدکتور احمد عبد الغنی، الدکتور عبد الرحمٰن عویس، دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ، ص:4/300

امور باطلہ سے اجتناب:

ایک اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادے کا ایک اصول یہ ہے کہ اس میں امور باطلہ سے بچاؤ ممکن ہو۔ اگر ایک مسلمان معیشت میں عالمگیریت سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے یہ دیکھنا لازمی ہے کہ کہیں وہ امور باطلہ کا مرتکب تو نہیں ہو رہا؟ اگر ایسا ہو تو اسے بچنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ عالمگیریت سے اس طور استفادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ممنوعات میں کسی کا ارتکاب نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جانب واضح رہنمائی فرمائی ہے؛

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾[1]

"اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے"۔

سود سے پاک معیشت:

اسلام کی نظر میں تجارت تو حلال ہے لیکن سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور سود کی حرمت کا سبب بھی اسلام نے واضح طور پر بتا دیا کہ اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے کہ میں نے تجارت حلال کر دی اور سود کو حرام کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[2]

"جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے"

اس آیت میں ایک اسلامی معاشرے میں تجارت کا ایک اہم اصول بیان ہوا ہے کہ مسلمان کی تجارت محض ایسے اصولوں پر استوار ہونی چاہیے کہ اس میں صرف حلال کا عمل دخل ہو۔ اسلام کسی صورت ایسی معیشت کی اجازت نہیں دیتا جس کی بنیادوں میں سود شامل ہو۔ اس آیت کی روشنی میں یہ طے ہوا کہ آج کے دور کسی بھی اسلامی معاشرے میں معاشی میدانوں میں عالمگیریت سے استفادے کے لیے بھی یہی اصول ہونا چاہیے کہ اس میں سود سے دوری ہو۔ اگر عالمگیریت سے استفادے کے لیے کاروبار یا کسی بھی سطح کے لین دین میں سود کی آلائش شامل ہو تو اس سے استفادہ ممکن نہیں ہے۔

---

1 النساء:4/29

2 البقرہ:2/275

احکامات اسلامی سے غفلت کی روک تھام:

ایک اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادہ کرنے کا ایک اصول یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت نہ ڈالنا پڑے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن امور کو بجالانے کا حکم دیا ہے ان کے بجالانے میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے اور نہ ہی ان امور کو بجالانا مجبوری بن جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے بہر صورت بچنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معیشت کے ذیل میں ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو تجارت اور معیشت کے میدانوں میں اس کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾[1]

"وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی"

مقام مدح میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان تجار کی خوبیاں بیان کر رہا ہے کہ معیشت کے میدان میں سرگرم عمل ہونے کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور زکوٰۃ سے غافل ہوتے ہیں اور نہ ہی دوسری معاشرتی ذمہ داریوں سے بلکہ قیامت کا دن بھی ان کی نظر میں رہتا ہے۔ اس ضمن میں گویا ایک اسلامی معاشرے میں تجارت کا ایک اصول بیان کر دیا کہ تجارت کی وجہ سے انسان کو نہ تو دینی امور میں غفلت کا مرتکب ہونا چاہیے اور نہ ہی دنیاوی ذمہ داریوں سے لاپرواہ ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسے قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے جہاں حساب دینا لازمی امر ہے۔ تجارت اور قیامت کے دن کا ربط بظاہر یہی بتا رہا ہے کہ معیشت کے باب میں کسی بھی ایسی سرگرمی سے اجتناب کرنا چاہیے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بن جائے۔ آج کے دور میں بھی ایک اسلامی معاشرے کے لیے عالمگیریت سے استفادہ کرنے کے لیے یہی زریں اصول ہونے چاہیے تاکہ تجارت دونوں جہانوں میں انسان کے فلاح کا باعث بنے نہ کہ تباہی و بربادی اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔

انسانیت کی خیر خواہی:

اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادے کے لیے لازمی ہے کہ اس میں لوگوں کی خیر خواہی بھی ہو۔ تجارت نہ صرف اپنی خیر خواہی کے لیے ہو اور نہ ہی اس کی بنیاد اس پر ہونی چاہیے کہ انسان خود تو مالی طور پر مضبوط ہو تا جائے لیکن دوسروں کو تباہ کرتا جائے۔ اسلام نے اس بات سے منع کیا ہے جس میں دوسروں کو استحصال کیا جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا، إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللَّهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ))[2]

---

1 النور:37/24

2 دارمی، المسند، کتاب البیوع، باب فی التجار، حدیث:2580

"قیامت کے دن تاجر فاسق اٹھائیں گے سوائے ان تاجروں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے، خیر خواہی کرتے رہے اور سچائی کا دامن پکڑے رکھا"

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ انسان جس طرح خود اپنے لیے تول کی پیمائش پسند کرتا ہے اسی طرح دوسروں کے لیے بھی پورا تول پسند کرے اور دوسروں کے لیے بھی عدل کو اسی طرح پسند کرے جس طرح اپنے لیے عدل کو پسند کرتا ہے[1]۔ اسلامی معاشرے میں معیشت کی بنیاد اس بات پر ہونی چاہیے کہ اس میں تمام معاملات میں اللہ کا ڈر شامل حال رہے تاکہ انسان کسی سے زیادتی نہ کرے، تمام معاملات میں سچ بولے اور لوگوں کی خیر خواہی کو بھی مد نظر رکھے۔ آج کے مسلم معاشرے میں عالمگیریت نے معاشی میدانوں میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں جس سے استفادے کے لیے ان اصولوں کو مد نظر رکھنا چاہیے تاکہ اس سے استفادہ بھی ممکن ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی نہ ہو۔

ذخیرہ اندوزی کی روک تھام:

عالمگیریت کے دور میں اس قباحت نے بھی شدت اختیار کرلی ہے کہ کسی چیز کا بھاؤ بڑھانے کے لیے اور زیادہ منافع کے لالچ میں اس چیز کا مصنوعی بحران پیدا کر دیا جاتا ہے۔ جب معاشرے میں اس چیز کی قلت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی قیمت میں خوب اضافہ ہو جاتا ہے تو اسے اصل لاگت سے کئی گنا زیادہ منافع کے ساتھ بیچ دیا جاتا ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف لوگوں کا مالی استحصال ہوتا ہے وہیں کچھ لوگ راتوں رات امیر بن جاتے ہیں۔ اسلام نے اس جیسی کسی بھی قبیح حرکت سے منع کیا ہے۔ لہذا یہ اصول بھی ہونا چاہیے کہ عالمگیریت سے استفادہ ضرور کرے لیکن اس کوشش میں ذخیرہ اندوزی جیسی قبیح حرکت کا ارتکاب نہ ہونے پائے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا؛

((من جلب طَعَاما فَبَاعَهُ بِسعْر يَوْمه فَكَأَنَّمَا تصدق بِهِ))[2]

"جو تاجر اپنا سامان (بازار) لایا اور اسے اسی دن کی قیمت پر فروخت کیا تو گویا اس نے اس مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کیا"

ذاتی منفعت پہ اجتماعی مفاد کو ترجیح دینا:

عالمگیریت سے استفادہ کا ایک اصول یہ ہے کہ اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اگر کوئی بندہ کسی سرکاری عہدے کو اپنی تجارت کے فروغ میں استعمال کرتا ہے تو اس بات سے اسلام میں منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے غریب تجار کا کاروبار متاثر

---

1 زرقانی، محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، شرح الزرقانی علی المؤطا الامام مالک، تحقیق: طہ عبد الرؤوف سعد، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ قاہرہ 1424ھ، ص:511/3

2 العراقی، ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی، المغنیٰ عن حمل الاسفار فی الاسفار، تحقیق: دار حزم بیروت 1426ھ، کتاب آداب الکسب، باب الثالث فی بیان العدل، حدیث:2، ص:516/1

ہونے کا خدشہ ہے۔ جیسا کہ روایت ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ خلیفہ بننے کے بعد تجارت کی غرض سے بازار کی طرف نکلے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ تجارت کی غرض سے بازار جارہا ہوں۔ حضرت عمر نے اس بات سے آپ کو منع کر دیا[1]۔ یعنی کسی بھی مسلمان کو اپنے کسی بھی کاروبار میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے کسی عہدے کی وجہ سے کسی اور کا کاروبار متاثر نہ ہو۔ اگرچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے کسی ایسے فعل کی توقع نہ تھی لیکن پھر بھی فاروق اعظم نے آپ کو اس سے احتراز کرنے کا مشورہ دیا۔ آج کی معاشی عالمگیریت کے ضمن میں بھی اس سنہرے اصول کو یاد رکھنا چاہیے۔

سچائی کی ترویج:

عالمگیریت کے دور میں اس سے متاثر ہونا ایک لازمی ہے اور وہ بھی اس دور میں جبکہ کار معیشت ایک جزولاینفک بن چکا ہے۔ انسان کی گزراوقات روزی روٹی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بہت سے لوگ کاروبار سے منسلک ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عالمگیریت نے معیشت یا تجارت کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ معاشی میدانوں میں عالمگیریت کا جادو اسلامی ممالک میں بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے اور ممالک کی باہمی تجارت کی وجہ سے اسلامی معاشرے یا تاجر بھی اس سے متاثر ہیں۔ اس ضمن میں مسلمان معاشروں یا تاجروں کو چاہیے کہ عالمگیریت سے فائدہ اٹھانے کے ذیل میں سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اگر کسی چیز میں کوئی عیب ہو تو اس سے گاہک کو ضرور خبر دار کرنا چاہیے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی نے کوئی چیز بیچی اور اس میں عیب تھا لیکن اس نے وہ عیب ظاہر نہ کیا تو وہ لگاتار اللہ تعالیٰ نے غضب میں شریک میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی اس پر لعنت کرتے رہیں گے[2]۔

ناجائز بھاؤ بڑھانے کی روک تھام:

اسلام نے اپنے تجارتی قوانین میں تمام تر تجارتی معاملات میں حریت اور انسانی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھا ہے۔ اسلام یہ اجازت کسی کو نہیں دیتا کہ تجارت کے بل بوتے پر کسی بھی فرد یا معاشرے کو یرغمال بنالیا جائے۔ جہاں کہیں بھی تجارت میں لوگوں کا استحصال شروع ہوتا ہے وہاں حکومت کو دخل اندازی کا پورا حق ہے تا کہ لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ اسی لیے اسلام نے اس بات سے سختی سے منع کیا ہے کہ کسی چیز کا بھاؤ بڑھانے کے لیے اس چیز کی مصنوعی قلت پیدا کی جائے یا اس کو بازار میں آنے سے روک لیا جائے تا کہ جب قیمت بڑھی گی تو فروخت کیا جائے گا۔ آج اس معاشی عالمگیریت کے دور میں بھی اس اصول کو حرز جاں بنالینا چاہیے کہ اس طرح کے حربے اختیار نہیں کرنے چاہیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی تاجر نے اپنا مال روکے رکھا

---

1 ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دارالکتب العلمیہ بیروت 1410ھ، ص: 137/3

2 ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ، حدیث: 2247

یعنی ذخیرہ اندوزی کی اوراس کا ارادہ تھا کہ اس طرح مال روک کر وہ اس چیز کی قیمت مسلمانوں پر زیادہ بڑھا دے گا تو وہ خطاکار ہے[1]۔

منڈی تک رسائی کے آزادانہ مواقع:

عالمگیریت سے استفادہ کرنے کے لیے اسلامی معاشرہ اس اصول کا بھی پابند ہونا چاہیے کہ اشیائے تجارت کے لیے دوسرے تاجروں سے ساز باز کرکے کسی کے لیے پریشانی کا باعث بنناچاہیے اورنہ ہی ان اشیاکی قیمت میں اضافے کا سبب بنناچاہیے۔یہ ایک عام فہم بات ہے کہ ایک عام شہری کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ کون سی چیز کہاں سے اچھی قیمت پر ملتی ہے یا کس چیز کی کوالٹی بہتر ہے۔لیکن اس کے برعکس تاجروں کو ان تمام معمولات سے آگاہی ہوتی ہے کیونکہ یہ ان کا روزمرہ کا کام ہے۔اسی طرح وہ ان تاجروں سے ساز باز کرکے اشیائے تجارت کور کوالیتے ہیں یا باہمی بھگت سے وہ اشیاعام لوگوں کی پہنچ سے دور کر دی جاتی ہیں اور اس طرح لوگ وہ اشیالینے کے لیے چند مخصوص لوگوں کے مرہون منت ہو جاتے ہیں۔اسی وجہ سے اسلام نے اس چیز سے منع کیاہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ شہر سے باہر جاکر تاجروں کو نہ ملاجائے جیسا کہ صحابہ کرام نے کئی قافلوں کے شہر میں آنے سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ جاناشروع کر دیاتو آپ ﷺ نے انہیں اس بات منع فرمادیااور مال کو بازار تک آنے کی نصیحت فرمائی[2]۔اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے جیسا کہ علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے والے کو قاضی کے سامنے پیش کیاجائے گااور قاضی اسے یہ حکم دے گا کہ اپنی اوراپنے اہل خانہ کی ضروریات کا حصہ نکال کر باقی سارامال بازار میں لاؤاوراگر اگر وہ دوبارہ ایسا کرے گاتواسے سزا بھی دی جائے گی تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی خریدوفروخت میں دشواری اور مہنگائی کا سامنانہ ہواوراسی لیے اسلام نے ایسا کرنے سے منع کیاہے کہ تاجروں کو شہر سے باہر ہی گھیر لیاجائے تاکہ اپنی من مانی قیمت پر سامان فروخت کیاجائے۔کیونکہ بسااوقات شہر میں کسی چیز کی قلت پیدا ہو جاتی ہے یا اس کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو شہر کے ہوشیار قسم کے تاجر اس تاک میں رہتے ہیں اور جب تاجر وہ چیز لے کر شہر کی طرف آرہے ہوتے ہیں تو یہ تاجر شہر سے باہر پہنچ کر اس سے سامان خرید لیتے ہیں تاکہ اسے شہر میں لاکر اپنی منہ مانگی قیمت پر فروخت کر سکیں[3]۔

مال کی منتقلی:

عالمگیریت کے اس دور میں اسلامی معاشرے یامسلمانوں کو اس اصول کو مد نظر رکھناچاہیے کہ مال کی منتقلی بغرض قلت کے نہیں ہونی چاہیے۔یعنی اگر کسی شہر یا اپنے ملک میں کسی چیز کی کمی ہے لیکن کسی دوسری جگہ اس چیز کی قیمت زیادہ ہے تو اس

---

1 ابن حنبل، المسند، مسند المکثرین من الصحابہ مسند ابی ہریرہ، ص:14/265، حدیث:8617

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب منتھی التلقی، حدیث:2166

3 مرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی، الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، تحقیق: طلال یوسف، داراحیاء التراث العربی بیروت ، ص:4/78-377

صورت میں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے گاؤں، شہر یا ملک کی ضرورت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض منافع کی خاطر اسے دوسرے گاؤں، شہر یا ملک میں منتقل کردے۔ نبی کریم نے شہر والوں کو دیہات والوں کے لیے بیچنے سے منع فرمایا[1]۔ فقہاء کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک تاجر کا سامان شہر میں موجود ہے لیکن وہ صرف نفع یا ذخیرہ اندوزی کی خاطر اپنی خواہشات کا غلام بنتا ہے اور اپنے شہر کی ضرورت جانتے ہوئے بھی اپنا سامان ان کے ہاتھوں فروخت کرنے کی بجائے دیہات میں لے جاتا ہے کہ تاکہ انہیں مہنگے داموں بیچے گا[2]۔

ملاوٹ کی روک تھام:

ملاوٹ اور دھوکا دہی سے پاک نظام ہی اسلام کا مطمع نظر ہے اور ایک اسلامی معاشرہ اسی کا امین بھی ہوتا ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس بات کی کو یقینی بھی بنا جاتا ہے کہ ملاوٹ جیسی قبیح حرکت نہ ہو۔ اس سے صارف کا مالی نقصان ہوتا ہے اور اشیائے خورد و نوش کا معیار ناقص ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی جانی نقصان بھی ہو جاتا ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں؛

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ:مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي))[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک ڈھیر اناج کا راہ میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کے اندر ڈالا تو انگلیوں پر تری آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے اناج کے مالک! یہ کیا ہے؟ وہ بولا: پانی پڑ گیا تھا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو نے اس بھیگے اناج کو اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے جو شخص فریب کرے دھوکہ دے وہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا"

مالِ تجارت میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں کرنی چاہیے بلکہ اگر اس قسم کا کوئی معاملہ ہو تو اسے صارف کے علم میں لانا چاہیے۔ اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادہ کرنا کسی صورت ممنوع نہیں ہے بلکہ ممنوع وہ صورتیں ہوں گی جن سے اسلام نے منع کیا ہے۔ لہٰذا ایک اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی معاشرے میں عالمگیریت سے استفادہ کرتے ہوئے اس امر کی یقین دہانی کر لینی چاہیے کہ کہیں کوئی ملاوٹ شدہ چیز تو نہیں بیچی جا رہی یا اس کے ہاتھوں میں عالمگیریت کی وجہ سے کوئی ایسی چیز تو نہیں پہنچ گئی جس کی خرید و فروخت یا جسے اسلام نے موجودہ حالت میں فروخت کرنے سے منع کیا ہو مثلاً ملاوٹ شدہ یا حرام چیز کا فروخت کرنا۔

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب من کرہ ان یبیع حاضر لباد باجر، حدیث:2159

2 موصلی، ابو الفضل عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، تعلیقات: الشیخ محمود ابو دقیقہ، مطبعۃ الحلبی قاہرہ1356ھ، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد واحکامہ، ص:2/26

3 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب قول النبی من غش فلیس منا، حدیث:102

جوئے اور سٹہ بازی کی روک تھام:

معیشت میں زیادہ مال بنانے کے چکر میں قبل از اسلام بھی جوئے جیسی کچھ شکلیں رائج تھیں جیسے بیع ملامسہ اور منابذہ وغیرہ لیکن اسلام نے انہیں حرام قرار دیا۔ اگر بیچنے والا اگر خریدار کی طرف اپنا کپڑا اچھینک دیتا تو وہ بیع لازمی ہو جاتی تھی جسے منابذہ کہا جاتا تھا۔ ایک صورت یہ بھی تھی کہ اگر خریدار کسی چیز کو چھولیتا تھا تو اس کی بیع بھی لازمی ہو جاتی تھی جسے بیع ملامسہ کہا جاتا تھا اور اس کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ خریدار آنکھیں بند کر کے کسی چیز پر ہاتھ رکھتا تو بھی اس کی بیع لازمی ہو جاتی تھی اور ہاتھ رکھنے سے پہلے یہ طے کر لیا جاتا تھا کہ جس چیز پر ہاتھ پڑے گا اس کی یہ قیمت ہو گی۔ لیکن اسلام نے ان سے منع کر دیا۔ اسی طرح اگر کسی جانور کو بیچنا ہو تا تو اس کا دودھ دوہنا بند کر دیا جاتا تھا تا کہ فروخت کے وقت زیادہ دودھ دے اور جانور کی قیمت میں اضافہ ہو[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات حضور اکرم ﷺ نے طے کر دی کہ اسلامی معاشرے میں کسی قسم کی تجارت میں جوئے کو دخل نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا؛

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[2]

"اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ"

یعنی آج اگر عالمگیریت سے استفادہ کرنا تو بھی اس اصول کو مد نظر رکھ کر کرنا ہو گا کہ عالمگیریت استفادے کی صورت میں کسی قسم کا جوئے کا ارتکاب نہ ہونے پائے جیسا کہ لاٹری وغیرہ اس کی آج کی مروجہ صورتیں ہیں۔

ناپ تول میں کمی کی ممانعت:

تجارت جیسے پیشے کو بسا اوقات ناپ تول میں کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلام نے اس طرف بھی خصوصی توجہ دی اور یہ واضح کر دیا کہ ناپ تول میں کمی کسی صورت بھی گوارا نہیں اور نہ ہی کوئی مقبول و ممدوح امر ہے۔ اسلام نے ایسا کرنے والوں کے تباہی کی وعید سنائی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ؛

﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾[3]

---

1 الشوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الیمنی، نیل الاوطار، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1413ھ، کتاب البیوع، باب النہی عن بیوع الغرر، ص:5/79-178

2 المائدہ:5/90

3 المطففین:83/1-3

"بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے۔ یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں"

نبی کریم ﷺ جب ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں یہ عادت رائج تھی کہ لوگ ناپ کر چیزیں فروخت کرتے تھے جبکہ اس سے پہلے مکہ میں تول کر خرید و فروخت کا رواج تھا۔ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ بعض لوگ تولنے کے دو دو پیمانے رکھتے ہیں تو لیکن آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا [1]۔ یعنی ان لوگوں نے یہ عادت بنالی تھی کہ جب کوئی چیز خریدنے جاتے تو اس کے لیے بنایا بڑا پیمانہ استعمال کرتے لیکن جب وہی چیز کسی خریدار کو بیچتے تو اس کے لیے بنایا گیا چھوٹا پیمانہ استعمال کرتے لیکن آپ ﷺ نے اس منع فرما دیا تا کہ معاشرے کے کسی بھی فرد کو نقصان نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناپ تول یعنی پیمانے میں کسی قسم کی کمی ایک قبیح فعل ہے جو اسلام میں ممنوع ہے۔ لہٰذا اگر آج کے دور میں بھی عالمگیریت سے استفادے کے لیے اس اصول کو سامنے رکھنا ہو گا تا کہ عالمگیریت سے استفادہ بھی ممکن ہو اور اسلام کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔

غلط طریقوں سے مال بیچنے کی ممانعت:

اپنا مال بیچنے کے لیے قسمیں کھانا بھی ایک معمول بن چکا ہے۔ تاجر حضرات بسا اوقات کسی چیز کا معیار بتانے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں تو کبھی قیمت کے معاملے میں قسم کھاتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اس چیز کی لاگت اتنی ہے اور آپ کو اتنے میں دی جارہی ہے۔ ان تمام حربوں کا مقصد خریدار کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس سے منع فرمایا کیونکہ اس کا مقصود منافع کا حصول یا مال کو جلد بیچنا ہوتا ہے۔ اس قسم کے کام میں اگرچہ مال جلدی بک جاتا ہے اور بندہ وقتی فائدہ بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن اس سے مال میں برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسمیں کھانا سودے کی جلدی بکری کا سبب تو بن سکتا ہے لیکن اس سے تجارتی برکت ختم ہو جاتی ہے [2]۔ اس سے اسلامی معاشرے میں عالمگیریت یا کسی بھی تجارت میں فائدہ اٹھانے کا ایک اصول معلوم ہوا کہ قسمیں نہیں کھانا چاہیے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام:

اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امر بالمعروف کا ایک ادارہ قائم ہے۔ اس کا کام لوگوں کو نیکی طرف راغب کرنا ہے تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ سکیں۔ اسی طرح اسلام اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ صرف نیکی کا ادارہ ہونا یا ایک ایسی جماعت کا ہونا کافی نہیں ہے کہ بلکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہیے جو لوگوں کو برائی سے روکیں۔ یہ اسلامی معاشرے کا ایک خاص پہلو ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں رہنمائی کی ہے؛

---

1 زمحشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ص:4/718

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب النہی عن الحلف فی البیع، حدیث:1606

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1]

"تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))[2]

"جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹادے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار ہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے"

اس آیت اور حدیث میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اسلامی معاشرہ اس بات کی اہمیت دیتا ہے کہ یہاں نیکی کی تعلیم، اس کی طرف ترغیب اور اس کی ترویج ہونی چاہیے اور اس کے بدلے میں برائی کی بیخ کنی اور حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ اب اس ضمن میں اگر عالمگیریت کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک مغربی اصطلاح ہے اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اس کے معماروں نے اسے گھڑتے ہوئے اسلامی قواعد وضوابط یا اصول وتعلیمات کو مد نظر نہیں رکھا ہوگا۔ پس ایک اسلامی معاشرے مین اس سے استفادہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو یاد رکھا جائے۔ اگر عالمگیریت سے استفادہ اس اصول کے حدود کے اندر رہو تو یہ بالکل جائز ہوگا لیکن اگر عالمگیریت سے استفادہ کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور عالمگیریت کی وجہ معاشرے میں برائی کا فروغ جنم لیتا ہے تو اس سے بچنا ضروری ہے۔

عقیدہ کی اساس اور حاکمیت الٰہی:

اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی خالص توحید پر کھڑی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو شرک، گمراہی اور بدعت سے دور کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات انسان کو صرف اس کے خالق کے سامنے سر بسجود ہونے کا درس دیتی ہیں۔ انسان کو ایک باعظمت کردار کے طور پیش کر کے اس بات کی نفی مقصود ہے کہ اس کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے

---

1 آل عمران:110/3

2 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان، حدیث:49

لیے ہونی چاہیے اوراسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے جیسے یا اپنے سے برتر کسی انسان کو سجدہ کرتا پھرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور برائی سے بچنے کو بعثت انبیاء کا مقصد قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾[1]

" اور بیشک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ (لوگو) تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (یعنی شیطان اور بتوں کی اطاعت و پرستش) سے اجتناب کرو، سو اُن میں بعض وہ ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت فرما دی اور اُن میں بعض وہ ہوئے جن پر گمراہی (ٹھیک) ثابت ہوئی، سو تم لوگ زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیمات کا یہ بنیادی نقطہ تھا کہ برائی سے بچو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس بات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تمام معاشروں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے اور ہر رسول نے توحید کی طرف دعوت دی۔ گویا ازل سے لے کر اب تک توحید تمام اسلامی معاشروں کا ایک ناگزیر جزو رہا ہے۔ لہذا یہ معلوم ہوا کہ عالمگیریت سے استفادہ کرنے کے لیے بھی اس پہلو کو سامنے رکھنا ہوا گا کہ کہیں اس سے استفادے کی صورت میں معاشرہ اسلامی معاشرے کی اساس توحید سے دور تو نہیں جارہا؟ اگر ایسی بات ہے تو اس سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ استفادہ اسلامی معاشرے کی اس اساسی تعلیم کے منافی نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عالمگیریت اور تکمیل دین:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[2]

" آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اس بات کا واضح اعلان ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں صرف دین اسلام کو ہی یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی کاملیت اور اکملیت کا اعلان اللہ تعالیٰ کی ذات سے وارد ہے۔ اس سے اسلامی معاشرے کو بھی یہ فوقیت کلی اور یہ امتیاز حاصل ہوا کہ اس کا نظام بھی مکمل اور کامل ہے۔ اس ضمن میں اگر عالمگیریت سے استفادے کی بات کی

---

1 النحل:36/16

2 المائدہ:3/5

جائے تو اسلامی معاشرے اس اصول کے تحت ہی استفادہ کرپائے گا کہ اس سے استفادے کی صورت میں اسلام اوراسلامی معاشرے کی اس خصوصیت میں کوئی فرق نہیں آئے۔ اگر عالمگیریت سے استفادے کی صورت میں اس تصور کو زوال آتا ہے کہ اسلام ایک کامل یا مکمل دین نہیں ہے تو اس نقصان سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس اصول کو یاد رکھا جائے اور اسی کی حدود میں اس سے استفادہ کیا جائے۔

بڑائی اور فضیلت کا معیار:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[1]

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے"

اس آیت میں بنیادی طور پر تین باتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ ایک؛ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا۔ دوم؛ ان کے مختلف قبائل بنائے۔ سوم؛ اچھائی کا معیار تقویٰ ہے۔ ان تین باتوں میں ربط اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے جوڑے سے پیدا کیا۔ اس سے انسان کی مساوات کا سبق دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک ہی نسل سے ہونے کے باوجود ان کے مختلف قبائل بنائے جس سے ان کی پہچان آسان ہوئی۔ لیکن پھر اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ قبائل بنانے کا مقصد یہ نہیں کہ ان کی بنیاد پر کسی کو برتر یا کسی کو ذلیل مانا جائے کیونکہ بڑائی کا معیار قبائل نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اس بات کا اصل مدار ہے۔ اس نے اس لیے تمہارے حسب نسب بنائے تاکہ پہچان میں آسانی ہو[2]۔

حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے:

اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے اور اس خصوصیت میں بھی اسے امتیاز حاصل ہے کہ اس میں حاکم اعلیٰ یا مقتدر اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں اقتدار اگر کسی انسان کے پاس ہوتا بھی ہے تو وہ اسے اللہ کی طرف سے دی گئی امانت کے طور پر استعمال کرے۔ یعنی وہ اس اقتدار کی طاقت کو اپنی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ اللہ کے احکامات کے مطابق چلائے گا کیونکہ اقتدار کا اصل مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

---

1 الحجرات:13/49

2 طبرانی، جامع البیان فی تاویل القرآن، ص:313/22

﴿قُلْ إِنِّي عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَ كَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ﴾[1]

"فرما دیجئے: (کافرو!) بیشک میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر (قائم) ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو۔ میرے پاس وہ (عذاب) نہیں ہے جس کی تم جلدی مچارہے ہو۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے اور وہی بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے"

اس آیت میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ حکم یا حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔ مقاتل اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ((**ما القضاء إلا لله**))[2]، حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کا ذات کا خاصہ ہے اور اسی کے لائق ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ؛

((أَلا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ يَعْنِي لَمَّا كَانَ الْخَلْقُ مِنْهُ ثَبَتَ أَنَّهُ هُوَ الْخَالِقُ لِكُلِّ الْعَبِيدِ، وَإِذَا كَانَ خَالِقًا لَهُمْ كَانَ مَالِكًا لَهُمْ، وَإِذَا كَانَ مَالِكًا لَهُمْ حَسُنَ مِنْهُ أَنْ يَأْمُرَهُمْ وَيَنْهَاهُمْ، لِأَنَّ ذَلِكَ تَصَرُّفٌ مِنَ الْمَالِكِ فِي مِلْكِ نَفْسِهِ))[3]

"خبر دار ہو کہ تمام تر تخلیق اور حکم اسی کا ہے، یعنی جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے تو یہ بھی ثابت ہو گا کہ ہر چیز کا خالق وہی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہی ہر چیز کا خالق ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ وہی ان کا مالک ہے۔ جب وہی ان کا مالک ہے تو یہی بات قابل تحسین ہے کہ کسی چیز کا حکم بھی وہی دے اور کسی چیز سے بچنے کا حکم بھی اسی کی طرف سے ہو اور یہ اس مالک کا اپنے ملک میں تصرف ہو گا"

حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے احکامات کے مطابق فیصلہ کرے گا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے یہی مراد ہے۔ اسی اختلاف کی بنیاد پر اہل خوارج کا حضرت علی سے جھگڑا بھی ہوا تھا اور آپ نے فرمایا کہ یہ کلمہ حق ہے لیکن انہوں نے اس سے جو مراد لیا ہے وہ باطل ہے[4]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں انسان اختیار اور اقتدار کو صرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت کے طور پر استعمال کر رہا ہوتا ہے اور وہ ریاست کو اللہ و رسول کی تعلیمات کے مطابق چلاتا ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات ہی ریاست کا آئین ہوتے ہیں جبکہ حاکم کی ذمہ داری صرف ان کے نفاذ کو یقینی بنانا ہے۔

---

1 الانعام:6/57

2 مقاتل، تفسیر مقاتل بن سلیمان، ص:1/564

3 رازی، مفاتیح الغیب، ص:14/277

4 حقی، ابو الفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستنانبولی، روح البیان، دار الفکر بیروت، ص:8/162

مشابہت سے اجتناب:

عالمگیریت سے استفادہ کا ایک اصول یہ ہے کہ کفار کی مشابہت سے بچنا ممکن ہو۔ جیسا کہ آج کل کئی ایک مسلمان خصوصاً نوجوان حضرات مشہور کھلاڑیوں اور فلمی اداکاروں کی محبت میں بالوں، ڈاڑھی اور مونچھوں تک کے ایسے سٹائل بنواتے ہیں جس سے ڈاڑھی جیسی سنت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہ حضرات بسا اوقات بالوں اور ڈاڑھی کا ایسے سٹائل بنواتے ہیں جو صریحاً اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے کے مترادف ہوتا ہے اور مسلمان بھی ان کی محبت میں اندھا دھند اس کی تقلید کرتے ہیں۔ باقی دنیا کی طرح مسلمان بھی ان لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں اور شاید اسی پہلو کو مد نظر رکھتے کسی بھی چیز کی فروخت کے لیے انہی لوگوں کو ماڈل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ الغرض عالمگیریت سے استفادے کے لیے یہ اصول ذہن میں رکھنا چاہیے کہ کہیں استفادہ کرتے ہوئے کسی اسلامی قدر کا مذاق نہ اڑے یا کفار کی مشابہت نہ ہونے پائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))[1]

"جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ ان میں سے ہی ہے"۔

---

1 ابو داوٗد، السنن، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ، حدیث:4031

خلاصہ باب

اسوہ نبویہ کے سلسلے میں ایک مسلم خاندان کے اصول اور خصوصیات کے ضمن میں وارد احادیث اور روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثالی مسلم خاندان میں زوجین ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، مسلم خاندان میں بچوں کے حقوق اور ان کی تربیت کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ اولاد اپنے والدین کا خیال رکھتی ہے۔ دیگر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی جاتی ہے اور مشکل وقت میں انہیں تنہا نہیں چھوڑا جاتا۔ ایک دوسرے کی نجی زندگی میں بے جا مداخلت نہیں کی جاتی۔ خاندان میں مثبت سرگرمیوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ شوہر اپنی بیوی کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتا ہے اور گھریلو کاموں میں اس کی مدد کرنے میں عار محسوس نہین کرتا۔ دین اسلام بچوں کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قولاً اور فعلاً ہر دو اعتبار سے اس جانب رہنمائی فرمائی کیونکہ بچے ہی کسی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو اپنے بچوں کو یہ سکھانا چاہیے کہ چھوٹوں سے کسی طرح پیش آنا ہے؟ بڑوں کا ادب کس طرح کرنا ہے؟ اپنے اساتذہ سے کس طرح کا سلوک روا رکھنا ہے؟ معاشرے میں چال چلن کیسا ہونا چاہیے؟ ہمسائے سے طرز عمل کیسا ہونا چاہیے؟ چھینک کے آداب کیا ہیں؟ وطن کیا ہے اور اس کی محبت کے تقاضے کیا ہیں؟ ترغیب اور ترہیب کے پہلو کو بھی ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور بچوں کو تبلیغ کرتے ہوئے ان دونوں پہلوؤں کو بقدرِ ضرورت استعمال کرنا چاہیے۔ میڈیا کے مثبت اثرات کے ساتھ ساتھ منفی اثرات بھی ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ مثبت اثرات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منفی اثرات سے کس طرح محفوظ رہا جائے اور نئی نسل کو بھی ان سے بچایا جا سکے؟ اس ضمن میں والدین اور بچوں کو ان سے محفوظ رکھنے سے اقدامات کرنا چاہیے کیونکہ خاندان ہی بچے کی تعلیم، اس کی حفاظت، اور پرورش اور اس کی اعلیٰ تربیت کا پہلا زینہ ہے اور اس کی پہلی درسگاہ ہے۔ اس لئے اس کے بچاؤ کے لئے خاطر خواہ اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس کے لیے سب سے پہلے بچوں میں دین کی لو لگانی چاہیے۔ کیونکہ دین ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کے حصار میں آنے کے بعد خاندان ایسی قباحتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے کے لیے اور اپنی ذمہ داریوں کے صحیح احساس کو اجاگر کرنے کے لیے والدین اور اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے حقوق و فرائض کی ادائگی کو یقینی بنائیں اور اس کو ایک دینی امر سمجھ کر سرانجام دیں۔ عالمگیریت کے ان اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے دینی شعور کی بیداری اور مضبوطی کے ساتھ دین پر عمل آوری ضروری ہے۔ گلوبلائزیشن دراصل دینی بیزاری اور دین سے آزادی کی دعوت کا نام ہے۔ اس کا مقابلہ دین پسندی اور شریعت پر سخت عمل کر کے اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ عالمگیریت کے منفی اثرات کو ذہن میں رکھ کر اس کا مقابلہ کیا جائے اس کے مثبت اثرات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یعنی عالمگیریت ایک ایسا عفریت ہے جس سے بچنا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ جب اس سے سامنا کرنا لازم ہی ہے تو کیوں نہ اس کے منفی اثرات سے بچتے ہوئے اس کے مثبت پہلوؤں سے فائدہ اٹھایائے جائے تاکہ مسلم خاندان اور ثقافت بھی محفوظ رہے۔

باب چہارم

پاکستان کے مسلم خانگی نظام پر عالمگیریت کے اثرات

فصل اول: پاکستان کی ثقافت، خاندانی نظام اور عائلی قوانین

فصل دوم: پاکستان میں خلع وطلاق کی شرح عالمگیریت کے تناظر میں

فصل سوم: پاکستان کے تعلیمی اداروں پر عالمگیریت کے اثرات

فصل چہارم: جدید ذرائع ابلاغ کے پاکستانی معاشرے پر اثرات

فصل اول

پاکستان کی ثقافت، خاندانی نظام اور عائلی قوانین

فصل اول:

پاکستان کی ثقافت؛ایک اجمالی تعارف

مبحث اول :-

ثقافت کا معنی و مفہوم:

لغوی مفہوم:

ثقافت کا عربی سہ حرفی مادہ ثقف ہے ، جس کے معنی درست کرنا، سنوارنا اور بل نکالنا ہے۔ چنانچہ تیر کو تپا کر کر سیدھا کرنے کو تثقیف کہتے ہیں [1]۔ راغب اصفہانی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد کسی چیز کے ادراک میں تیزی کو بھی کہاجاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسی خصوصیات کے حامل انسان کو "رجل حاذق" یعنی سمجھدار انسان کہتے ہیں جو ادراک رکھتا ہو اور اس کے فعل کی طاقت بھی [2]۔

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں ثقافت سے مراد کسی کی نظری افکار میں ترقی کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم کا قانون، سیاست ، تاریخ، اخلاق، سلوک اور اس طرح کے دوسرے امور میں ترقی کا نام ثقافت ہے، جو زندگی کے ہر شعبے میں کام آتے ہیں [3]۔ بعض کے مطابق جملہ علوم ، معارف اور فنون جو کسی قوم کی حاذقیت کی دلیل ہیں ،ان میں ترقی یا ان کے مجموعے کا نام ثقافت ہے [4]۔ جیسا کہ خلیل بصری اور ابو منصور ہروی کہتے ہیں کہ ثقف، اور ثقافۃ کے معنی ہیں زیرکی، دانائی اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت و مہارت، ثقف یعنی زیرک، ماہر اور دانا حاذق ہوا۔ ثقف اور ثقیف زیرک وذہین اور حاذق شخص کو کہتے ہیں [5]۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ثقافت کسی قوم کے علوم وفنون کا نام ہے جو اسے روزمرہ کارہائے زندگی میں درکار ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے اگر اسلامی ثقافت کی بات کی جائے تو اس سے مراد وہ علم ہو گا جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کلیات دین سے بحث کرتا ہو [6]۔

---

1 ابن منظور، لسان العرب، ص:9/20-19

2 اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص:173

3 عمری، نادیہ الشریف، اضواء علی الثقافۃ الاسلامیہ، مؤسسہ الرسالہ بیروت 2001ء، ص:9

4 قوسی، مفرح بن سلیمان، مقدمات فی الثقافۃ الاسلامیہ، مجمع خادم الحرمین ریاض 1424ھ، ص:36

5 فراہیدی، ابوعبدالرحمن الخلیل بن احمد بن عمرو الفراہیدی، کتاب العین، تحقیق: الدکتور مہدی المخزومی والدکتور ابراہیم السامرائی دار و مکتبۃ الہلال بیروت، ص:5/39-138، الہروی، تہذیب اللغۃ، ص:9/81

6 زبیدی، الدکتور عبدالرحمن، مدخل الی علم الثقافۃ الاسلامیہ، جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ص:89

اردو کی مشہور لغات میں اس کا معنی زراعت، تہذیب اور کلچر ہی مندرج ہے[1]، جیسا کہ ڈاکٹر میر ولی الدین لکھتے ہیں کہ لفظ ثقافت کا انگریزی میں مترادف کلچر ہے، جس کا مادہ لاطینی لفظ (Cultura) ہے۔ کلچر کا لفظ کاشتکاری (اگری کلچر) کی قدیم ترین صفت سے ماخوذ ہے اور کلچر کا جو مجازی مفہوم ہے، وہی "ایگری کلچر "کا لغوی مفہوم ہے۔یعنی زمین، تخم ریزی، آبیاری یا تخم ریزی کی زیر زمین حفاظت[2]۔ علم بشریات کی رو سے ثقافت اکتسابی طرز عمل کا نام ہے، جس میں ہماری وہ تمام عادات، افعال، خیالات ور اقدار شامل ہیں جنہیں ہم ایک منظم معاشرے یا گروہ یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی کوشش کی خواہش رکھتے ہیں[3]۔ انگلش ڈکشنری مریم میں ہے:

> “Enlightenment and excellence of taste acquired by intellectual and aesthetic training. b: acquaintance with and taste in fine arts, humanities, and broad aspects of science as distinguished from vocational and technical skills a person of culture. c: the act or process of cultivating living material (such as bacteria or viruses) in prepared nutrient media; also : a product of such cultivation. d: the act of developing the intellectual and moral faculties especially by education.expert care and training beauty culture”[4]

"یعنی ثقافت ان امور کا نام ہے؛ شعوری اور اخلاقی استعداد کا افشا بالخصوص علم کے ذریعہ، شعوری اور جمالیاتی تربیت سے حاصل کردہ بصیرت اور عُمدہ پسندیدگی، پیشہ ورانہ اور فنی استعداد سے ماوراء فنونِ لطیفہ۔ انسانیات اور سائنس کی وسیع ہیئت سے شناسائی، انسانی معلومات کا مرکب مجسمہ۔ اعتقاد اور چال چلن جس کا انحصار سیکھنے کی وسعت اور آنے والی نسلوں کو علم کی مُنتقلی پر ہو اور کسی گروہ کے رسم و رواج، باہمی سلوک اور مادی اوصاف" کیمبرج ڈکشنری میں کلچر کی تعریف اس طرح ہے کہ؛

> “The way of life, especially the general customs and beliefs of a particular group of people at a particular time” [5]

"زندگی گزارنے کا طریقہ بالخصوص روایات اور عقائد جو کسی بھی ایک وقت میں لوگوں کے ایک مخصوص گروہ میں پائی جائیں"

---

1 قاموس الاصطلاحات، ص:189، ڈاکٹر عبد الحق، سٹینڈرڈ ڈکشنری، انجمن پریس کراچی 1960، ص:270

2 عشرت، ڈاکٹر وحید، فلسفہ عمرانیات، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 2007، ص:86

3 ہیری، شیپرو ہیری، ثقافت کا مسئلہ، مترجم: سید قاسم محمود، شیش محل کتاب گھر لاہور 1961ء، ص:21-20

4 https://www.merriam-webster.com/dictionary/culture

5 https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/culture

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ثقافت و کلچر کے دائرے میں مذہب، عقائد، رسوم و رواج، معاشرت، مادی وسائل و ضروریات اور زندگی کے تمام دیگر عوامل کو بھی شامل کیا ہے[1]۔ اس لحاظ سے بعض اوقات ثقافت یا کلچر میں انسان ملت و جماعت کی حد بندی اور تعصبات سے بلند تر ہو جاتا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کی بات ہے تو مسلمانوں کیلئے سب سے مقدم ان کا دینِ اسلام اور اس کے احکامات ہیں۔

ثقافت کی اہمیت:

دور جدید میں ثقافت کی اصطلاح کا اطلاق محض راگ و رنگ یا فنون لطیفہ یا شعر و ادب سے متعلق سرگرمیوں پر نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک بہت وسیع تصور کا نام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں۔ ان میں سے سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ کسی معاشرے کے سماجی ڈھانچے، معاشی اور سیاسی نظام، ان کے مقاصد اور لائحہ عمل کو سمجھنے کے لئے اس معاشرہ میں رائج متعلقہ پہلوؤں سے متعلق قدار کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس اعتبار سے اقدار و عقائد کے ایسے مجموعے کو معاشرہ کی ثقافت کہا جا سکتا ہے جو زندگی کی تمام سرگرمیوں اور معاشرتی نظام کے مقاصد کو متعین کرتی ہے۔

ہر معاشرہ کی ثقافت اس کے عبادات سے متعلق تصورات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے مثلاً بعض ثقافتوں میں تصویروں یا بتوں کی پرستش کی جاتی ہے، کسی مذہب میں رقص و موسیقی کو مذہبی حیثیت حاصل ہے، کسی ثقافت میں بال نہ کٹوانا ایک عبادت ہے۔ اسی طرح ہر ثقافت کا ایک منفرد معاشی نظام ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ثقافت میں انسانی ذہن کی اسودگی کے لئے تفریح کا ایک پہلو ہوتا ہے۔ ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت کرکے انسان اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرلیتا ہے، روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کرنے لگتا ہے، لیکن ثقافتی سرگرمیوں کا تفریحی پہلو بھی مسلمہ اخلاقی حدود و قیود کے اندر رہنا چاہیے۔ الغرض ثقافت مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔

اسلامی ثقافت:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی سے متعلق مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے اس لئے اس نظام کا فکری حصہ اسلامی تہذیب ہی ہے۔ جس طرح کہ زبیر صدیقی صاحب نے اسلامی تہذیب کا مفہوم کچھ یوں بیان کیا ہے:

> "اسلامی ثقافت، جہاں تک میں سمجھا ہوں، ایک مخصوص ذہنی مسلک کی نشاندہی کرتی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مرتب ہوتا ہے، مثلاً وحدت ربانی، عظمت انسانی اور وحدت نسل انسانی کا عقیدہ"[2]۔ یہی ایک نظریہ اور طرز عمل ہے جو انسان کو دیگر انسانوں سے اور تہذیب اسلامی کو دیگر تہذیبوں سے ممتاز کرتا

1 جالبی، ڈاکٹر جمیل احمد، پاکستانی کلچر، الیٹ پبلشرز کراچی 1973ء، ص:27

2 Siddiqi, M Zubair , International islamic Collaquim Ppaer, p:26

ہے۔ڈاکٹر علوی اسلامی ثقافت اور اس کی روح کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:" اسلامی ثقافت سے مراد اعلی نظریات، بلند نصب العین اور معاشرتی و اخلاقی اقدار ہیں اور اس ثقافت کی روح وہ بنیادی اصول ہیں جن پر ہمارے ثقافتی ڈھانچے کی استواری کا دارومدار ہے۔ وہ اصول یہ ہیں:وحدت ربانی،رسالت، جواب دہی کا تصور، وحدت نسل انسانی، عظمت انسانی اور تقوی "[1]

گویا اسلامی ثقافت ان آفاقی اصولوں پہ قائم ہے جن پہ عمل کر کے مسلمان کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو اسلامی ثقافت ایک نظریاتی ثقافت تھی جب تک یہ اپنے نظریات کے ساتھ وابستہ رہے یہ پوری دنیا پہ حکمرانی کرتے رہے لیکن جب انہوں نے اپنے نظریات کے ساتھ وابستگی کمزور دکھائی اور دیگر ثقافتوں کے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا تو ان کی ثقافت غالب سے مغلوب ہونا شروع ہو گئی فی زمانہ دنیا میں غالب ثقافت مغرب کی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نظریات پر عمل میں کمزوری دکھائی۔ کیونکہ نظریات کسی بھی کلچر کی جان ہوتے ہیں جس طرح ثقافت کسی سماج کے جسم میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔اسی اہمیت کو ڈاکٹر جمیل جالبی کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ " معاشرے میں روح پھونکنے والی چیز، جو پیغام حیات کا درجہ رکھتی ہے، ہوا کی مانند کلچر ہے "[2]۔

پاکستانی ثقافت اور اس کی خصوصیات:

پاکستان ایک نظریاتی ہونے کی وجہ سے ایک نظریاتی ثقافت کا حامل ہے، ایسا ملک جو محض جغرافیائی بنیادوں پر وجود میں نہیں آیا بلکہ اسے ایک نظریے نے وجود بخشا ہے اور وہ نظریہ اسلام ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:" پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسلمانوں کی حکومت یہاں قائم نہیں ہوئی تھی، مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل، ہندوستان کا پہلا فرد جب مسلمان ہوا، تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا، وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آگئی[3]۔پاکستان اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا اور یہی نظریہ ہمارے لئے ایک راہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے، قائداعظم محمد علی جناح نے بار بار اس امر کو واضح کیا کہ مسلمان ایک الگ امت ہیں اور پاکستان حاصل کرنے کا اولین مقصد یہاں پر اسلام اور قرآن کے نظام کا نفاذ کرنا تھا، اور حصول پاکستان کے بعد اسلام کو عملی طور پر قائم کرنا ہی اس ملک کے حاصل کرنے کی اولین غرض وغایت ہونی چاہیئے۔ جب ہم پاکستانی ثقافت کی بات کرتے ہیں تو پاکستانی ثقافت ان روایات، اقدار، رسومات، طرز بودوباش، طرز تعلیم و تعلم پر استوار ہو گی جن کی بنیاد خالصتا اور یقینی طور پر اسلامی نظریہ حیات پر استوار ہو گی۔ توحید، رسالت، یوم قیامت پر ایمان اس کے لازمی و اساسی

---

1 علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، ص:124

2 جالبی، پاکستانی کلچر، ص:47-46

3 سید قاسم محمود، قائداعظم کا پیغام، پاکستان اکیڈمی لاہور، ص:52-51

تصورات ہوں گے۔وہ تمام تفریحات منانے کے انداز،علاقائی لوک گیت،شاعری،زبانیں،لباس،غمی اور خوشی کے رواجات ہماری پاکستانی ثقافت کا حصہ ہیں جو ایک طرف تو اسلامی اصول اور نظریہ سے متصادم نہیں اور ان کی نفی نہیں کرتے،دوسرے وہ قومی اتحاد، یکجہتی اور قومی تشخص میں رکاوٹ نہیں بنتے۔پاکستانی ثقافت کا ایک اہم ترین رخ اس کا نظریہ ہے اور یہ سوال نہایت اہم ہے کہ مذہب کو نظریاتی بنیاد کے اعتبار سے کس حد تک قبول کیا جا سکتا ہے[1]۔

اس لئے کہ مذہب کے خلافت تعصب عالمگیر سطح پر موجودہ دور میں بالخصوص پاکستانی مسلمانوں کے خلاف موجود ہے جس کا اظہار میڈیا پر اکثر و بیشتر کیا جاتا ہے،سیکولر طبقات مذہب کو ایسی چیز بنا کر پیش کرتے ہیں گویا مذہب ایسی چیز ہے جس پر عمل اس صدی میں ناممکنات میں سے ہے۔اور ان کے نزدیک مذہب اسلام کسی ثقافت کی بنیاد نہیں ہے۔ڈاکٹر لیاقت حسین لکھتے ہیں؛ "استعماری دور میں عسکری غلبے سے محکوم قوموں کی ثقافتوں اور شناختوں کو تاراج کیا گیا،ریاستی ڈھانچے،عدالتی نظام، تعلیمی ادارے اور عسکری تنظیم کے ذریعے محکوم قوموں کے قومی تشخص کو مجروح کیا گیا اور ان کے اندر ایسے طبقات پیدا کئے گئے جو بظاہر ان قوموں کا حصہ تھے لیکن حقیقتاً وہ غالب تہذیب کے کارندے تھے۔ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ اپنی قوموں کو یہ باور کرائیں کہ تمہاری نجات اس میں ہے کہ مغربی ثقافت اور مغربی اقدار کو اپنالو خوش قسمتی سے مسلمان معاشروں نے اخذ و جذب کے اس عمل کو قبول نہیں کیا اور مسلمان معاشرے ایک کشمکش کا شکار ہیں"[2]۔چنانچہ دور جدید میں مسلمانوں کا رویہ معذرت خواہانہ اور معافی خواستگارانہ بن گیا ہے، کبھی وہ اسلام کو مغربی جمہوریت کا پیتسمہ دیتے ہیں تو کبھی سوشل ازم،کیپٹل ازم کے ساتھ رشتہ مناکحت قائم کرتے ہیں۔اس صورتحال کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے یوں بیان کیا ہے؛

> "ایک عقیدہ کو برقرار رکھنے کی خواہش کا اظہار ہے۔اور دوسرے مغرب کے جدید معاشرے کے مطابق خود کو ڈھالنے کی خواہش کا اظہار ہے۔ان دونوں خواہشوں کو آسودہ کرنے کا آسان نسخہ یہ تلاش کر لیا گیا ہے کہ مغرب کی ہر ترقی اور فلسفیانہ تاویل کا جواز قرآن کی آیات سے تلاش کر لیا گیا ہے تا کہ دنیا کو دکھایا جائے کہ اسلام میں یہ سب چیزیں پہلے سے موجود ہیں"[3]

مخلوط ثقافت:

پاکستان کی ثقافت مختلف ثقافتوں کے اختلاط سے مل کر بنی ہے۔قدیم دراوڑ،یونانی، مغل اور آخر میں یورپی لوگوں نے برصغیر کی ثقافت پر اپنے نقوش چھوڑے۔لہذا مروجہ ثقافت صدیوں کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔ پاکستانی ثقافت کئی ثقافتوں کا

---

1 عشرت،ڈاکٹر وحید، فلسفہ عمرانیات، دیکھئے:ص:96 -98

2 نیازی،ڈاکٹر لیاقت حسین نیازی،سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 2013، ص:299

3 جالبی، پاکستانی کلچر، ص:36

ملغوبہ ہے جس کی جڑیں ماضی قریب میں اور ماضی بعید میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ دیگر عناصر کی مانند ہماری ثقافت کا حصہ ہیں[1]۔

جدید رجحان یہ ہے کہ ہم ماضی بعید کو نظر انداز کردیں اور جدید پر اصرار کریں۔ تاہم یہ ہماری ثقافت کا متعصبانہ اور جزوی بیان ہو گا۔ ماضی بعید ہماری اجتماعی اور نسلی لاشعور کا اتنا ہی اہم اور ناگزیر حصہ ہے، جتنا اہم لاشعور کی سطحی تہوں میں ماضی قریب ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم مختلف ثقافتی قوتوں کو قبول کریں اور انہیں اپنے تشخص میں مناسب جگہ دیں[2]۔ درحقیقت برصغیر پاک و ہند قدیم زمانہ سے ہی مختلف تہذیبوں کی آماجاگاہ رہا ہے ایک طرف بیرونی تہذیبوں نے یہاں کی دولت وسائل سے استفادہ کیا تو دوسری طرف انہوں نے اپنے اداروں اور ثقافتی نظریات کا بیج بھی بویا۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں بالخصوص یورپی ممالک اور چائنا نے پاکستانی نئی نسل کو اپنی ثقافت سے روشناس کرانے کے لئے اقدامات کئے جس میں ثقافتی طائفوں کے تبادلے کے ساتھ ساتھ نوجوان طلبہ کو وظائف پر اپنے ممالک میں "کلچر ایکسچینج" پروگرام کے تحت بلایا جارہا ہے، ہزاروں نوجوان طلبہ اپنی تعلیم مکمل کرکے آچکے ہیں اور ہزاروں مکمل کرکے آرہے ہیں۔ جس کی وجہ سے پاکستان کی ثقافت پہ مختلف ممالک کا رنگ نظر آرہا ہے۔

پاکستانی کلچر میں مرد اور عورت کا مقام:

پاکستانی معاشرے میں مرد کو اہم مقام حاصل ہے اور خاندان میں اس کی مرکزی حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے۔ نسل باپ کے نام سے چلتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ پاکستانی معاشرے میں عورت کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ گھر کے اندر اس کی حاکمیت ہوتی ہے۔ گھر کی مکمل دیکھ بھال، اولاد کی تربیت کی بہت بڑی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ہوتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں عورت کو تعلیم حاصل کرنے، ملازمت کرنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے، کاروبار کرنے اور وراثت میں حصہ لینے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی میں حکومتوں نے پاکستانی اداروں اور اسمبلیوں میں خواتین کا کوٹہ مختص کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اوپن میرٹ پہ بھی مقابلہ کرکے ملازمت اور اسمبلی کی رکنیت حاصل کرسکتی ہیں۔ پاکستانی آبادی کا نصف خواتین پر مشتمل ہے جن کے حقوق کی ادائیگی لازمی ہے۔ سینیٹ میں پہلی دفعہ عورتوں کے لئے ۲۰۰۲ میں نشستیں مختص کی گئی ہیں، ۱۰۰ میں سے ۱۴ نشستیں عورتوں کے لئے مختص کی گئی ہیں جبکہ قومی اسمبلی میں ۲۰۰۲ میں ایل ایف او کے تحت خواتین کی نشستوں کی تعداد ۶۰ کردی گئی ہے[3]۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں خواتین کو سیاسی عمل میں شرکت کے مواقع دیئے جارہے ہیں۔

---

1 سرور محمد، پاکستانی شہریت، ص: علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۸۔

2 عشرت، فلسفہ عمرانیات، ص:85

3 عورت قانون اور معاشرہ، مرتبین: مہرین ملک، عارفہ نازلی۔ ص:288

شادی بیاہ اور پیدائش کی رسمیں:

شادی بیاہ ایک اہم اسلامی ذمہ داری ہے، جو پاکستان کے تمام علاقوں میں دھوم دھام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ نکاح سے قبل قانون کے مطابق نکاح نامے کی خانہ پری کی جاتی ہے، حق مہر اور دیگر شرائط کا اندراج کیا جاتا ہے، وکیل اور گواہوں کے سامنے دلہن خود اپنی رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔ نکاح کے بعد دعا مانگی جاتی ہے۔ ملک کے اکثر علاقوں میں دلہن کے گھر والوں کی طرف سے رخصتی کے دن کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہیز بھی دیا جاتا ہے [1]۔ بلوچستان میں شادی بیاہ کی رسومات بیشتر وہی ہیں جو باقی منلک میں ہیں البتہ ان کے ہاں لڑکے لڑکی کی شادی بچپن میں ہی طے کر دی جاتی ہے۔ لڑکیوں کی شادی عموماً ۱۴ سے ۱۵ سال کی عمر میں کر دی جاتی ہے جبکہ لڑکوں کے لئے عمر کی حد سولہ سے ۲۰ سال تک ہے۔ رشتہ زیادہ تر خاندان کے اندر ہی کیا جاتا ہے اور اس چیز کو معیوب سمجھا جاتا ہے کہ دلہن دلہے سے بڑی عمر کی ہو [2]۔ اسی طرح بچے کی پیدائش کے بعد اس کے کان میں اذان اور اقامت کہی جاتی ہے جو اسلامی تہذیب اور ایک مسلم گھرانے کی پہچان ہے۔ ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا کی جاتی ہے اگر بچہ ہے تو ایک بکرا اور اگر بچی ہے تو دو بکرے ذبح کیے جاتے ہیں۔ اس دن عزیز و اقارب جمع ہوتے ہیں اور تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔

غمی کی رسمیں:

پاکستانی مسلمان گھرانوں میں کسی فرد کی موت پر اس کے عزیز و اقارب، دوست واحباب اور محلے کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ نماز جنازہ کا اعلان ہوتا ہے، عزیز و اقارب کو اطلاع دی جاتی ہے۔ قبر تیار کی جاتی ہے اور میت کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پہ جنازہ کی ادائیگی ہوتی ہے۔ جو لوگ تدفین و جنازے کے وقت موجود نہیں ہوتے، دعائے مغفرت کے لیے بعد میں حاضر ہوتے ہیں، مرنے والے کے ایصال ثواب کے لئے غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے ان کو کپڑے بھی دیئے جاتے ہیں [3]۔ اس حوالے سے مذہبی اقلیتیں بھی آزاد ہیں اور وہ اپنی شادی بیاہ اور اموات کی رسومات و رواج بغیر کسی قدغن کے ادا کرتے ہیں اور حکومت ان کو مکمل تحفظ مہیا کرتی ہے، جو پاکستانی معاشرے کا ایک نمایاں مثبت پہلو ہے۔

تہوار اور فنون:

پاکستان کی اکثریتی آبادی چونکہ مسلمان ہے اور وہ اپنے مذہبی تہوار عید الفطر، عید الضحی بالاتفاق مناتے ہیں۔ اور کچھ دیگر روایتی تہوار مثلاً عید میلاد النبی ﷺ، شب برات، شب معراج عقیدت مندی اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ مناتے ہیں، جو صدیوں سے اسلامی ثقافت کا حصہ ہیں۔ اور یوں پاکستان میں بسنے والے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد اپنے اپنے مذہبی تہوار بھی جوش و خروش اور مکمل آزادی کے ساتھ مناتے ہیں۔ ہندو ہولی مناتے ہیں جب کہ عیسائی کرسمس اور ایسٹر کا تہوار

---

1 رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج، ص:۱۳۰، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۰

2 پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، ج:۲ ص:۱۵۱۔۱۵۲، الفیصل ناشران لاہور۔ ۲۰۰۹

3 رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج، دیکھئے: ص ۲۲۹ تا ۲۳۴

مناتے ہیں۔ اسی طرح سکھ بھی اپنا مذہبی تہوار جوش و خروش کے ساتھ مناتے ہیں۔ پاکستان کی ثقافت میں فنون کو اپنی قدامت کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان فنون کے پیچھے کئی سو سالوں کی روایات موجود ہیں۔ موہنجوڈارو اور ٹیکسلا کے کھنڈرات دیکھ کر ان فنون کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس خطے کے لوگ ہزاروں سال پہلے بھی فن تعمیر میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس کے علاوہ گندھارا طرز تعمیر اور رومی طرز تعمیر بھی پوری دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ دھاتوں کے برتن، زیورات اور آلات بنانے کا فن اس خطے نے زاروں سال پہلے ہی سیکھ لیا تھا۔ یہ لوگ دھاتوں کو پگھلا کر ان سے زیورات مجسمے اور دیگر پہناوے بنانے کے فن میں ماہر تھے[1]۔

مذموم رسم ورواج:

پاکستانی ثقافت میں جہاں اچھے رسوم و رواج پائے جاتے ہیں وہیں کچھ مضر رسوم و رواج بھی ہیں۔ معیوب رسم و رواج کی وجہ سے معاشرے کو نقصان بھی پہنچتا ہے اور بری رسمیں لوگوں کے اخلاق و عادت پر برے اثرات ڈالتی ہیں جس سے نہ صرف معاشرے میں ایسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو مقامی لوگوں پہ برے اثرات مرتب کرتی ہیں بلکہ یہ اقتصادی طور پہ بھی سخت نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں معیوب اور مضر رسوم و رواج کافی تعداد میں موجود ہیں جو غیر اسلامی اثرات جہالت اور اندھی تقلید کی وجہ سے ہیں اور یہ رسوم و رواج اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں[2]۔ ان رسوم و رواج میں شادی بیاہ عقیقہ وغیرہ کے موقع پر فضول خرچی کرنا۔ غمی کے موقع پر عزیز و اقارب کا موت والے گھر میں کئی دن تک قیام کرنا، جمعرات، تیسرا، چوتھا، چہلم کا رواج، مرنے والے کے گھر پہلی عید پر سوگ کے لیے جمع ہونا۔ استطاعت نہ ہو، تب بھی قرض لیکر خوشی و غمی پہ کھانا پکانا، جہیز کی نمائش کرنا، مہندی، گھڑولی کے کھانے کا اہتمام کرنا۔ مہر کا بہت زیادہ لکھوانا، لڑکی کی شادی کا خرچ وصول کرنا، بعض علاقوں میں لڑکی کی شادی قرآن مجید سے کرنے کی معیوب رسم بھی موجود ہے۔ لڑکے اور لڑکی میں امتیاز کرنا، لڑکے کی پیدائش پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرنا اور رشتہ داروں کی طرف سے بہت زیادہ مبارک باد دینا جبکہ لڑکیوں کی پیدائش پر خوشی بھی کم منانا اور بعض علاقوں میں لڑکی کی پیدائش پر افسوس بھی کیا جاتا ہے[3]۔ الغرض پاکستانی ثقافت ایک ایسی ثقافت ہے جس کی خوبیاں بھی اور خامیاں بھی ہیں۔ اکیسویں صدی میں عالمگیریت کے اثرات کی وجہ سے جہاں پاکستان کی نئی نسل اپنی ثقافت سے دور ہو رہی ہے وہیں پر نئی نسل بالخصوص خواتین اپنے حقوق سے آشنائی حاصل کر رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مثبت لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔

---

1 مقدمہ پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا

2 رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج، ص254

3 ایس ایم شاہد، پاکستانی معاشرہ اور ثقافت، ص:54-250

پاکستانی مسلم خاندانی نظام اور عائلی قوانین

مبحث دوم:-

خاندان کا معنی و مفہوم:

خاندان اردو زبان کا لفظ ہے۔ فارسی میں اسے خانوادہ جبکہ انگریزی زبان میں اسے "Family" کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے "الاسرۃ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے لیے "الاسرۃ" کا مادہ "اس ر" ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ابن منظور لکھتے ہیں:

((وأُسْرَةُ الرَّجُلِ: عَشِيرَتُهُ ورهطُه الأَدْنَوْنَ لأَنه يَتَقَوَّى بِهِمْ الأُسْرَةُ: عَشِيرَةُ الرَّجُلِ وأَهل بَيْتِهِ))[1]

"خاندان سے مراد کسی انسان کے قریبی رشتہ دار اور اس کے گھر والے مراد ہیں جن سے خاندان تقویت پاتا ہے، آدمی کے رشتہ دار اور اس کے اہل خانہ"

"اسر" مختلف حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے "اَسَر ، اُسَر ، اَسْر" وغیرہ۔ اسی طرح اسے لمبا کر کے اور کھینچ کے بھی پڑھا جاتا ہے مثلاً" اسیر ، اسار ، اسیرۃ" وغیرہ، جو لغوی طور پر یہ "الامساک" اور "الحبس" یعنی گرفتار اور قید کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[2]۔ ابن فارس اور ابن منظور کے مطابق لغوی طور پر یہ لفظ خاندان، قیدی، کسی بات کو پوشیدہ رکھنے، مضبوطی اور پختگی اور ترتیب و تنظیم کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔((وَهُوَ أَيضاً الْحَبْلُ والقِدُّ الَّذِي يُشدّ بِهِ الأَسير))۔ یعنی یہ لفظ اس رسی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، جس سے کسی قیدی کو باندھا جاتا ہے[3]۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ خاندان سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں، جو کسی انسان کے ساتھ قریبی رشتے کی رسی سے بندھے ہوں۔

خاندان کی اصطلاحی تعریف:

وزارت اوقاف کویت نے خاندان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا؛

((أسرة الانسان عشيرته ورهطه الادنون ماخوذ من الاسر و هو القوة سموا بذلك لانه ، يتقوى بهم و الاسرة عشرة الرجل و أهلبيته))[4]

---

1 ابن منظور، لسان العرب، ص:4/20

2 الخرافی، الموسوعۃ الاسرۃ، ص:80

3 ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، ص:1/107، ابن منظور، لسان العرب، ص:4/20

4 وزات الأوقاف الشئون الاسلامیۃ، موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، کویت، ص:4/223

"انسان کی اولاد اور ماں باپ کی طرف قریبی رشتہ داروں کو اس کا خاندان کہا جاتا ہے۔ یہ "الأسر" سے ماخوذ ہے جس کا معنی قوت ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انسان اپنی آل اولاد کے ذریعے قوت محسوس کرتا ہے اور آدمی اپنے گھر والوں کی گزراوقات کا انتظام کرتا ہے، اس لیے اسے "الأسرة" کہا جاتا ہے"

ابن عابدین شامی:

ابن عابدین شامی خاندان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں؛

((كُلُّ مَنْ فِي عِيَالِهِ وَنَفَقَتِهِ غَيْرَ مَمَالِيكِهِ))[1]

"غلاموں کے علاوہ کسی انسان کی اولاد اور اس کی زیر کفالت افراد اس کا خاندان کہلاتے ہیں"

علامہ زبیدی:

((الأُسْرَةُ الرِّجُل: الرَّهْطُ الأَدْنَوْنَ وَعَشِيرَتُه؛ لأَنَّه يتقوَّى بهم))[2]

"آدمی کے خاندان سے مراد اس کے قریبی لوگ اور دوسرے رشتہ دار ہیں جو اس سے قوت پاتے ہیں"

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کی بیوی اور بچے اس کا خاندان کہلاتے ہیں۔ کئی لوگوں نے اس تعریف میں وسعت پیدا کی ہے اور قریبی رشتہ داروں کو بھی خاندان کا حصہ ٹھہرایا ہے۔ جبکہ بعض لوگوں نے اس میں مزید وسعت کرتے پیدا کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو کسی بھی انسان کے خاندان کا فرد قرار دیا ہے جو معاشرے میں اس کی وجہ سے محفوظ ہیں یا ان کا نفقہ اس کے ذمہ ہے لیکن غلام ان افراد میں داخل نہیں ہیں۔ اسلام نے بالخصوص خاندان میں شامل تمام افراد کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لئے "ذي القربى" قریبی رشتے دار کے الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا تصور خاندان وسیع ہے جس میں والدین، ان کے بچے اور ان کے دیگر رشتہ دار بھی خاندان میں شامل ہیں۔

پاکستانی مسلم خاندان کی اقسام:

جداگانہ خاندانی نظام:Nuclear Family System

بنیادی طور پر اس خاندان سے مراد ایسا خاندان ہوتا ہے جس میں شادی شدہ انسان کے ماں باپ کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے بیٹے سے الگ رہتے ہیں۔ اس خاندان کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ اس خاندانی نظام میں شوہر اپنی ایک یا ایک سے زیادہ بیویوں اور اپنے غیر شادی شدہ بچوں کے ساتھ رہائش پذیر ہوتا ہے اس کے علاوہ کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتا اس سسٹم کو نیو کلئیر سسٹم کہتے ہیں[3]۔

---

1 ابن عابدین، ردالمختار علی الدر المختار، ص:6/684

2 زبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس، ص:10/51

3 Razvi,syed saeed akhtar, The family life of Islam,p:11,CreateSpace Independent Publishing Platform 2014

اس نظام میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر سب سے زیادہ اثر ان کے والدین کا ہوتا ہے۔نیو کلئیر فیملی سسٹم میں بچوں کی انفرادی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے کیونکہ اس میں والدین کے پاس اپنے بچوں پر زیادہ توجہ دینے کا وقت ہوتا ہے اور کسی قسم کی کوئی بیرونی مداخلت بھی نہیں ہوتی۔ دینی نکتہ نظر سے یہ ایک اچھا اور محفوظ سسٹم ہے جس میں افراد خاندان بہت سی ایسی قباحتوں سے بچ جاتے ہیں، جو مشترکہ خاندانی نظام میں درپیش آسکتی ہیں۔ اسلامی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام بھی خواتین کے پردے کا بہت زیادہ درس دیتا ہے جو کہ مشترکہ خاندانی سسٹم میں ناممکن ہوتا ہے۔اس سسٹم کے حوالے سے بعض غلط فہمیاں ہوسکتی ہیں، مثلاً یہ کہ سنگل فیملی سسٹم سے مراد دیگر رشتہ داروں سے مکمل قطع تعلقی کرلیناہے۔اگر افراد خاندان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم ہو، ان کے خوشی غمی میں ان کے شانہ بشانہ کھڑا ہو۔ ہر مشکل وقت میں مدد کے لیے تیار ہو، تو سنگل فیملی سسٹم اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ عملاً پاکستان میں یہ سسٹم اختیار کیا جارہاہے۔ اسلام فرد کی پرائیویسی کا خصوصی اہتمام کرتا ہے، جو سنگل فیملی سسٹم میں بہتر طریقے سے ممکن بنایا جاسکتاہے۔اس بارے میں اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾[1]

اے ایمان والو: اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں نہ جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پہ سلام نہ کرلو۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام بھی ایسے خاندانی نظام کی تعلیم دیتا ہے جس میں فرد اور خاندان کی پرائیویسی کا خیال رکھا جائے اور یہ جداگانہ خاندانی نظام میں ہی ممکن ہوسکتاہے۔

مشترکہ خاندانی نظام: Joint Family System

اس خاندانی نظام میں میاں بیوی اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ اپنے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں اور بسا اوقات مختلف وجوہ کی بنا پر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ رہا جاتا ہے۔یہ خاندانی نظام اسلام کی اصل روح کے مطابق ہے کیونکہ اس میں کسی بھی فلاحی معاشرے کی بنادیں مضمر ہیں خاندان کی مروجہ تمام اقسام میں صرف یہی ایک قسم ہے جس میں ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی اور دکھ درد میں شریک ہوا جاسکتاہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کے بارے میں ایک مسلم مفکر لکھتے ہیں:

"مشترکہ خاندان سے مراد وہ خاندان ہے کہ جس میں ایک باپ، اس کی اولاد بھائی بہنیں چاچے اور بھتیجے مل کر رہیں اور مشترکہ طور پر خاندان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کرتے ہوں، سب کے کھانے پینے اور قیام کا انتظام ایک ہی مکان میں ہوتا ہو"[2]۔ پاکستان میں اب بھی بنیادی طور پر یک زوجیت اور مشترکہ خاندانی نظام

---

1 النور،27/24

2 Razvi,syed saeed akhtar, The family life of Islam,p:11

رائج ہے جس میں خاندان کے سب سے بڑے شخص کو سربراہی کا حق حاصل ہوتا ہے اور اہم فیصلے اسی کی رضامندی سے ہوتے ہیں[1] ۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اسلامی نقطہ ءنظر سے تو اسلام کے وسیع خاندانی نظام کی ہندو معاشرے میں رائج مشترک خاندان سے کوئی مماثلت نہیں، ہندو مذہب میں محرم اور نامحرم کا کوئی نظریہ نہیں ہے۔ لہذا ان کے معاشرے کے مطابق نامحرم کے ساتھ رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسلام نے مشترکہ خاندانی نظام کی اس صورت کی کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ عرب معاشرے کو جس کو اسلامی طرز معاشرت کی مثال کے طور پر لیا جاتا ہے وہاں بھی شادی سے قبل علیحدہ گھر کی شرط لازم ہے۔ ایسے خاندان جو مشترکہ فیملی سسٹم میں رہائش پذیر ہوتے ہیں ان میں کئی ایک مسائل پائے جانے کا امکان ہے مثلاروزمرہ کے لڑائی جھگڑے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر فضول بحث کرنا، افراد کی ذاتی زندگی کا بری طرح سے متاثر ہونا اور پرائیویسی کا ختم ہو جانا۔ جبکہ اسلام نے گھر میں رہنے والے بچوں کو بھی اجازت لیکر کمروں میں داخل ہونے کی تعلیم دی ارشاد باری ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ﴾[2]

"اے ایمان والو! تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے تم سے ان تین وقتوں میں اجازت لے کر آیا کریں، صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں، ان کے بعد تم پر اور نہ ان پر کوئی الزام ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام بھی ایسے خاندانی نظام کی تلقین کرتا ہے جس میں پرائیویسی کا عنصر نمایاں ہو جبکہ مشترکہ خاندانی نظام کی خامی یہ ہے کہ اس میں غیر محرم سے پردہ کرنا ممکن نہیں ہوتا، بالخصوص سسر اور دیور سے پردہ ناممکن ہوتا ہے۔

پدرسری خاندان:

اس سے مراد وہ خاندان ہے جس میں خاندان کا سربراہ باپ ہوتا ہے۔ پاکستانی معاشرہ پدرسری ہے اس میں خاندان کا سربراہ باپ ہوتا ہے، اور خاندان کی جملہ ضروریات پوری کرنا اس کی ذمہ داری ہوتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں: اسلام چونکہ فیملی سسٹم معاشرہ تشکیل دیتا ہے اس لئے کھانا اور رہائش کی ذمہ داری مرد کی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے مرد کی کمائی

---

1 خاندان کا ادارہ: درپیش چیلنج؛ مطالعاتی گروپ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، 2004

2 النور 24/58

میں عورت کا حق ہے مگر عورت کی کمائی میں مرد کا حق نہیں ہے کیونکہ اسلام نے یہ ذمہ داری عورت پہ نہیں ڈالی[1]۔ پاکستانی معاشرے میں بھی مرد اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

مادر سری خاندان:

اس سے مراد ایسا خاندان ہوتا ہے جس میں گھر یا خاندان کی سربراہ عورت ہوتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں ایسا نہیں ہے لیکن کئی ایک صورتوں میں ایسا خاندان بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ خاوند گھر سے بہت دور رہتا ہے یا کسی اور ملک میں ملازمت کرتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کی گھر کی سربراہ ہوتی ہے اور وہی خاندان یعنی اپنے بچوں کو دیکھتی ہے۔ اس صورت میں بھی فون پر اپنے خاوند سے مشورہ ضرور رہتا ہے لیکن ایک لحاظ سے اسے مدر سری خاندان کہا جاسکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ خاوند فوت ہو جاتا ہے اور عورت کو ہی دیکھ بھال کی ذمہ داری پوری کرنی پڑتی ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت یہ ہے کہ میاں بیوی میں ناچاقی یا علیحدگی ہو جاتی ہے تو عورت اپنے بچوں کو لے کر الگ ہو جاتی ہے اور خود ہی ان کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ نیشنل پاپولیشن سٹڈیز کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 7 فیصد گھرانوں کی سربراہ خواتین ہیں [2]۔

پاکستانی خاندانی نظام میں عورت کا مقام:

پاکستان کے خاندانی نظام کا اہم جزو عورت کا مقام اور احترام ہے۔ جو چار حیثیتوں سے پاکستانی معاشرے میں رہتی ہے۔ بیوی، بیٹی، بہن اور ماں کے روپ میں۔ گھر کے تمام معاملات اور ذمہ داریوں کا نگہبان عورت (بیوی) کو ٹھہرایا گیا ہے جبکہ گھر سے باہر کمانے اور مشقت کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ جس طرح کہ ایک پاکستانی مقالہ نگار لکھتی ہیں: "عصر حاضر میں خواتین کے حقوق کا شعر بڑھ رہا ہے تعلیمی حق کے حصول کے بعد اب وہ چاہتی ہیں کہ مختلف شعبوں میں بہترین کردار ادا کر کے انفرادی اور اجتماعی فائدے کے لئے کام کریں، یہی وجہ ہے کہ خواتین ملازمتوں کے حوالے سے مختلف شعبوں میں جدوجہد کر رہی ہیں"[3]۔ پاکستان کے جنوبی پنجاب اور ان علاقوں میں جو صنعتی ہیں، وہاں عورتوں کی اکثریت بھی کارخانوں، فیکٹریوں میں کام کرتی ہے اور بعض بڑے شہروں میں عورت اپنا کاروبار بھی کرتی ہے۔ اسلام کی رو سے حدود و قیود کے اندر رہ کر عورت کاروبار، تجارت اور دیگر کام کر سکتی ہے۔ خاتون اول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال عورتوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ پاکستان کے اکثر دیہی علاقوں میں عورت کھیتی باڑی میں بھی شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہے۔

---

1 قادری، ڈاکٹر طاہر، فکری مسائل کا اسلامی حل، ص:94-95

2 عورت قانون اور معاشرہ، ص:259

3 طاہرہ، ڈاکٹر، عورت کی سماجی و معاشی زندگی، ص:184، دارالنوادر لاہور، 2018

الغرض پاکستانی خاندانی نظام میں عورت کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ویسٹ پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ 1964 میں پنجاب میں مارچ 2015 میں ہونے والی ترمیم کے تحت اب خلع کی ڈگری زیر دفعہ 10 (6) کی صورت میں خاتون معجل حق مہر (Prompt) کی صورت میں حاصل کیے گیے حق مہر کا صرف 25 فیصد واپس کرے گی اور 75 فیصد کی مالک رھے گی جبکہ موجل حق مہر (deferred) کی صورت میں بھی آدھا حق مہر حاصل کرنے کی حقدار ہو گی۔ جبکہ اس سے قبل خاتون کو خلع کی صورت میں تمام حق مہر شوہر کو واپس کرنا ہو تا تھا۔ یاد رہے یہ نئی ترمیم صرف پنجاب کے لیے ہے۔باقی صوبوں میں اب بھی خاتون کو تمام حق مہر چھوڑنا پڑتا ھے۔ اس ترمیم کے تحت عدالت اب پہلی طلبی پر ہی نوٹس اور اخبار اشتہار کر دیگی۔ نیز اب نئی ترمیم کے تحت صرف خلع کا دعوی صرف دوماہ میں ڈگری ہو سکتا ہے۔ دفعہ 7 مسلم فیملی لاء آرڈیننس کے تحت اگر کوئی شخص بیوی کو طلاق دیگا تو وہ اس کا نوٹس متعلقہ یونین کونسل کو دیگا جو 30 دن میں مصالحتی کونسل تشکیل دیگی۔ جو دونوں کے درمیان راضی نامہ کی کوشش کرے گی۔ ناکامی کی صورت میں 90 دن کے بعد طلاق موثر سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے گا۔ جب کہ ویسٹ پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ 1964 کی دفعہ 21 (b) تنسیخ نکاح کی ڈگری کی صورت میں فیملی کورٹ ڈگری کی اطلاع یونین کونسل کو دیگی۔ جو 90 دن بعد طلاق مؤثر کی ڈگری جاری کرے گی[1]۔

پاکستانی مسلم عائلی قوانین:

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس لیے یہاں کا خاندانی نظام بھی اسلامی اصولوں پر استوار ہے۔ اسلام کا تصور خاندان بہت وسیع ہے اور ایک مسلم خاندان میں صرف میاں بیوی اور ان کے بچے شامل نہیں ہوتے بلکہ مسلم خاندان میں دادا، دادی، نانا نانی، چچا، چچی، پھوپیاں، ماموں، خالائیں اور ان کے بچے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور اسلام ایک ایسے عظیم معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے جس کے افراد خاندان باہم محبت، ایثار، قربانی اور قلبی جذبات کی پکی ڈوریوں میں پروئے گئے ہوں جو ہر اچھے برے وقت میں ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہوں۔ لیکن بنیادی طور پر خاندان میاں بیوی اور ان کی اولاد پر مشتمل ہوتا ہے اور پوری دنیا میں خاندان کا یہی مفہوم لیا جاتا ہے، ڈاکٹر علوی نے بھی خاندان کا یہی مفہوم لیا ہے: "خاندان معاشرتی زندگی کی ابتدائی وحدت ہے جس میں بنیادی حیثیت مرد و عورت کو حاصل ہے"[2]۔ پاکستان کا مسلم خاندانی نظام بھی خالصتا اسلامی فریضے نکاح کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے۔ نکاح کے علاوہ نئے خاندان کی ابتدا ناممکن ہے، نکاح کی حیثیت خاندان کی بنیاد میں پہلی اینٹ کی سی ہے۔ نکاح ایک فطری، معاشی، معاشرتی اور دینی ضرورت ہے۔ اس میں انسان کی فطری خواہش، طبعی میلانات اور رجحانات کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہ نکاح بندوں کو تقوی، پرہیز گاری تک پہنچانے کا اہم ذریعہ ہے۔ خاندان کی بنیاد چونکہ نکاح سے ہوتی ہے دور نبوت

---

1 عورت، قانون اور معاشرہ، مرتب کردہ: مہرین ملک، عارفہ نازلی، ص:138-145

2 علوی، خالد محمود، اسلام کا معاشرتی نظام، ص:151

میں اور اس سے قبل اس بات کی کوئی قید نہیں تھی کہ نکاح کا پیغام لڑکے والوں کی طرف سے ہو یا لڑکی والوں کی طرف سے، بعض مثالوں میں ملتا ہے کہ کچھ خواتین نے اپنے رشتے کے لئے خود بات کی۔ اس دور میں لڑکے اور لڑکی کی عمر کی بھی کوئی قید نہیں تھی، البتہ اسلام آنے کے بعد پیغامِ نکاح میں دین کو قابلِ ترجیح قرار دیا ہے۔ اور غیر مسلموں سے نکاح کی ممانعت کر دی ہے۔

قانون نکاح:

پاکستان کے عائلی قانون کے مطابق بوقت نکاح دلہن کی عمر کم از کم سولہ سال اور لڑکے کی عمر کا اٹھارہ سال ہونا ضروری ہے۔ نکاح کے انعقاد کے وقت گواہوں کا موجود ہونا بھی لازمی ہے اور اس کا رجسٹرڈ کرانا بھی۔ نکاح رجسٹرار کی یہ ذمہ داری ہے کہ نکاح فارم پر موجود تمام خانے احتیاط سے پر کرے اور دلہا، دلہن اور گواہوں کے نام لکھے اور اگر مرد یا عورت اس سے پہلے غیر شادی شدہ تھی، کنواری تھی یا رنڈوی اس بات کو واضح طور پر لکھے اور مرد کے بارے میں انہی باتوں کا خیال رکھے۔ زر مہر اور اس کی کیفیت اور مقدار، نان ونفقہ اور اگر کوئی اور شرط رکھی گئی تھی، تو اس کا بھی ذکر کرے۔ نکاح فارم کی ایک کاپی دلہن اور ایک کاپی دلہا کے گھر والوں کو مہیا کرے جبکہ ایک کاپی رجسٹرار کے دفتر میں محفوظ رہتی ہے، تاکہ کسی تنازعہ کی صورت میں عدالت سے رجوع کر کے حل نکالا جائے۔ نان ونفقہ میں وقت کے مطابق اور حالات کے تقاضے کے بموجب اضافہ ممکن ہے لیکن جہاں تک حق مہر کا تعلق ہے تو اس میں اضافہ صرف شوہر کی مرضی سے ہی ممکن ہے[1]۔

قانونِ طلاق، عدت اور خلع:

شوہر اپنی بیوی کو طلاق احسن دے، طلاق حسن دے یا طلاق بدعی ہر تین صورتوں میں اس کی اطلاع چیئرمین کونسل کو دینا لازمی ہے۔ چیئرمین نوٹس موصول ہونے کے بعد فریقین کے مقرر کردہ ثالثوں کے ذریعے میاں بیوی کے مابین صلح کی کوشش کرے گا۔ صلح نہ ہونے کی صورت میں نوے (90) دن کے اندر طلاق مؤثر ہو جائے گی۔ اگر طلاق دینے کا نوٹس نہ دیا گیا تو ذمہ دار شخص کو پانچ ہزار روپیا جرمانہ اور ایک سال تک کی سزا یا دونوں سزائیں بھی اکٹھی بھی دی جا سکتی ہیں۔ طلاق کے اس قانون میں اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ تجاویز پیش کیں کہ اگر طلاق بیوی کے مسلک کے مطابق رجعی ہو تو شوہر عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے اور اگر بیوی کے مسلک کے مطابق طلاق بائن ہو تو شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔ کسی بھی مطلقہ عورت کے لیے جس کے مسلک کے مطابق طلاق مغلظ ہو چکی ہو، سابق شوہر سے اس کا نکاح حلالے کے بغیر باطل ہو گا۔ غیر حاملہ عورت جسے حیض آتا ہو اس کی عدت کی مدت تین حیضوں کا گزر جانا ہے اور اگر عورت کا مسلک اثنا عشری شیعہ مذہب سے ہے تو اس کی عدت تین طہر شمار کی جائے گی۔ جس لڑکی یا عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کی مدت قمری مہینوں کے لحاظ سے تین مہینوں کا گزر جانا ہو گی۔ حاملہ عورت کے لیے عدت کی مدت وضع حمل ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان اس قدر کشیدہ ہو جائیں اور صلح کی تمام

---

1 Muslim Family Ordinance 1961, Section 5

کوششیں ناکام ہو جائیں۔ بیوی کے شوہر کے ساتھ ممکن نہ ہو اور وہ اس کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو اس صورت میں خلع کا کیس دائر کر سکتی ہے۔ اس صورت میں شوہر کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ عورت عدالت سے خلع کی بنیاد پر طلاق حاصل کر لے گی بشر طیکہ وہ حاصل کر دہ تمام یا بعض مفادات شوہر کو واپس کرے یا جن شرائط پر وہ باہمی رضامند ہوں[1]۔

عدالتی خلع سے مراد در حقیقت وہ خلع ہے جو بیوی کو عدالت یا قاضی کی طرف سے اس وقت دیا جاتا ہے، جب بیوی خاوند سے خلع کا مطالبہ کرے اور خاوند بلا کسی مناسب وجہ یا عذر شرعی کے خلع دینے سے انکار کر دے۔ خلع عدالت کی صوابدید پر ہوتا ہے، عدالت اگر خلع کے دعوی میں بیان کی گئی وجوہات اور بیان کئے گئے حالات سے مطمئن ہو تو خلع کی ڈگری جاری کر دیتی ہے۔ خلع کے لیے کوئی خصوصی وجہ نہیں ہوتی بلکہ بنیادی تصور "کہ بیوی اللہ کی قائم کر دہ حدود کے اندر خاوند کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتی"۔ اگر اس کے باوجود بیوی کو زبر دستی شوہر کیساتھ رکھا جائے گا، تو یہ نفرت کا اکٹھ ہو گا کیونکہ اب بیوی کو شوہر کے رویے سے نفرت ہو گئی ہے اور وہ مزید شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ بھی عدالت ہی طے کرے گی کہ بیوی نے شوہر کو "مہر "بطور معاوضہ واپس کرنا ہے یا نہیں یا کوئی اور معاوضہ "زر خلع" کے طور پر خاوند کو ادا کرنا ہو گا۔ اگر خاوند جواب دعوی دائر کرتا ہے تو عدالت فریقین کے مابین صلح کی کوشش کرے گی اور ناکامی کی صورت میں تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دے گی۔ اگر خاوند عدالتی نوٹس یا اخباری اشتہار کے باوجود عدالت میں حاضر نہیں ہوتا یا اپنا جواب جمع نہیں کراتا تو عدالت یکطرفہ طور پر بیوی کے بیان پر خلع کا فیصلہ بیوی کے حق میں دے دے گی۔ اگر خلع لینے سے پہلے بیوی نے مہر وصول کیا ہو تو اسے وہ واپس کرنا پڑتا ہے البتہ اگر وصول نہیں کیا تو اسے وہ حق مہر چھوڑنا پڑتا ہے۔ خلع کے حوالے سے سنہ 2002 میں نئی قانون سازی ہوئی ہے جس کے مطابق خلع کے مقدامت کو تیز رفتاری کے ساتھ نمٹانے کے لئے یہ ترمیم کی گئی "کہ عدالت زوجین کو مصالحت کا موقع دے اور ناکامی کی صورت میں عدالت لازمی طور پر عورت کے حق میں خلع کا فیصلہ کرے جس کے لئے خاوند کی رضامندی ضروری نہیں[2]۔

وراثت میں بیوی کا حصہ:

اگر عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور بیوی کی اس سے کوئی اولاد بھی نہ ہو تو اس صورت میں وہ اپنے شوہر کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد سے ایک چوتھائی (1/4) کی وارث متصور ہو گی۔ لیکن اگر فوت ہو جانے والے شوہر سے اس کی کوئی اولاد بھی تھی تو اس اس صورت میں وہ اپنے خاوند کے ترکے سے آٹھویں حصے (1/8) کی حقدار ہو گی۔ چونکہ شوہر کی وفات کے فوراً بعد وہ بیوہ دیگر ورثا کی طرح اس کی جائیداد میں برابر کی شریک ہوتی ہے اس لیے کوئی دوسرا حصہ دار اس کو کسی بھی صورت میں زبر دستی اس کی جائے رہائش سے بید خل نہیں کر سکتا۔ جبراً بید خل کر دینے کی صورت میں وہ دوبارہ قبضہ حاصل کر سکتی ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بید خل ہونے کے چھ ماہ کے اندر اندر دعویٰ دائر کر دے[3]۔

---

1 Muslim Family Ordinance 1961, Section 7
2 The west Pakistan Family Courts Act 1964, Section 10
3 Muslim Family Ordinance, Specific Relief 1877, Section 9

نان ونفقہ کے قانون:

یہ مرد کی صرف اخلاقی ہی نہیں بلکہ قانونی ذمہ داری بھی ہے وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے بیوی بچوں کے نان ونفقہ کا بندوبست کرے۔ لیکن اگر کسی صورت میں ناچاقی ہو جائے اور حالات اس قدر خراب ہو جائیں کہ کہ بیوی اپنی مرضی سے شوہر کے گھر سے چلی جائے یا خاوند اسے اپنے گھر سے نکال دے تو اس صورت میں بیوی کے نان ونفقے کا ذمہ دار مرد ہی ہے۔ اگر وہ کسی انکار کردے تو عدالت مجاز یا ثالثی کونسل اس بات کا تعین کرے گی کہ دونوں میں سے غلطی کی تھی؟ اگر غلطی شوہر کی تھی تو بیوی کے نان ونفقہ سے وہ کسی صورت بھی بری الذمہ نہیں ہو سکے گا۔ اگر شوہر کسی وجہ سے نان ونفقہ ادا نہ کر سکے یا ادا کرنے سے انکاری ہو جائے تو بیوی عدالت میں جا کر درخواست دائر کرے گی اور عدالت اسے جاری کروا سکتی ہے اور عدالت اسے مجبور کرے گی کہ وہ اس کی ادائیگی کا اہتمام کرے گی۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بیوی بغیر کسی وجہ کے شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی یا شوہر کے ساتھ رہنے سے انکاری ہے تو اس صورت میں وہ نان ونفقہ کی حقدار نہیں ہو گی لیکن بچوں کا خرچہ بہر حال باپ ہی کی ذمہ داری رہے گا۔ اسی طرح بیوی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ثالثی کونسل کو بھی درخواست دے سکتی ہے تاکہ وہ اسے نان ونفقہ جاری کرا سکے۔ ایسی صورت میں ثالثی کونسل کی طرف سے درخواست دہندہ بیوی کو نفقہ کا ایک سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے جس کے خلاف فریقین میں سے کوئی ایک مقررہ مدت کے اندر مقرر کردہ فیس کے ساتھ مجاز افسر کو نگرانی کی درخواست دے سکتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر سے ماضی کے غیر اداشدہ نفقے کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے اور بصورت انکار عدالتی چارہ جوئی کر سکتی ہے۔ عورت کو نفقے کا یہ حق ازدواجی رشتے کے قیام کی صورت میں شوہر کی وفات اور طلاق کی صورت میں عدت تک حاصل رہتا ہے[1]۔ نفقہ بیوی کا ایک ایسا حق ہے جو سارے مستحق افراد حتیٰ کہ اولاد سے بھی اوپر ہے۔ اگر شوہر اس حق کو ادا کرنے سے انکار کردے تو ایسی صورت میں متاثرہ بیوی ہر اس فیملی کورٹس سے رجوع کر سکتی ہے جہاں فریقین رہائش پذیر رہے ہوں، اکٹھے رہے ہوں یا ان کے مابین وجہ نزاع کلی یا جزوی پیدا ہوئی ہو[2]۔ عائلی عدالت کے فیصلے کے خلاف کسی بھی فریق کو ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اپیل کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اگر ڈسٹرکٹ جج یا ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج نے یہ فیصلہ بحیثیت فیملی جج کے کیا ہو تو اس کے خلاف اپیل ہائی کورٹ میں ہو گی ۔ لیکن نفقے کے خلاف اپیل کا حق اس شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ اس کا مقرر کردہ ماہانہ وظیفہ ایک ہزار روپیہ مبلغ سے زیادہ ہو۔ اگر مقرر کردہ نفقہ ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو اس کے خلاف اپیل کا حق نہیں ہو گا[3]۔

نابالغ بچوں کی خضانت کا قانون:

نابالغ بچوں کی پرورش اوران کی حضانت کی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے اور وہی ان کے حقیقی ولی بھی ہیں لیکن اگر دونوں میں علیحدگی ہو جائے یا ان میں سے کسی وفات ہو جائے تو اس صورت میں بچوں کی پرورش یا ان کی خضانت کے لیے عدالت

1 Muslim Family Ordinance 1961, Section 9
2 Muslim Family Ordinance 1965, Section 6
3 Muslim Family Ordinance 1964, Section 14

کسی ولی کا تعین کرتی ہے جس میں بچے کے مفاد کو مد نظر رکھاجاتا ہے۔ سنی مکتب فکر کے مطابق اگر بچہ ہو تو سات سال جبکہ بچی کی صورت میں اس کے بالغ ہونے اس کی حضانت کا حق اس کی ماں کو حاصل ہو گا۔ شیعہ مذہب کے مطابق لڑکے کی عمر کی حد دو سال جبکہ لڑکی کی عمر کی حد سات سال ہے۔ یعنی اس عرصے میں ان کی حضانت کا حق ماں کو حاصل رہے گا جبکہ مذکورہ عمر پوری ہونے کی صورت میں بچوں کی حضانت ماں سے باپ کو منتقل ہو جائے گی۔ والدین کی وفات، یا ان کے دست بردار ہونے یا ان کے نااہل ہو جانے کی صورت میں بچوں کی خضانت کا حق مندرجہ ذیل ترتیب سے ان رشتہ داروں کو منتقل ہو جاتا ہے۔

نانی، پر نانی اوراس کے اوپر کارشتہ

دادی، پر دادی یااس سے اوپر کا رشتہ

سگی بہن، پھر ماں شریک سوتیلی بہن، پھر باپ شریک سوتیلی بہن اور پھر اسی ترتیب سے ان کی بیٹیاں

خالہ، پھر پھوپھی اور پھر اسی ترتیب سے ان کی بیٹیاں

دادا، پر دادااوراس سے اوپر کا رشتہ

حقیقی بھائی، پھر ماں شریک سوتیلا بھائی اور پھر باپ شریک سوتیلا بھائی

چچا، پھر ماموں اور پھر اسی ترتیب سے ان کے بیٹے

بچے کی خضانت کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی اوراس بات میں بچے بہترین مفاد کو ہمیشہ مد نظر رکھاجاتا ہے۔ لیکن بچہ سمجھدار ہو تو اس صورت میں عدالت اس کی رائے کا بھی احترام کرتی ہے[1]۔

بیوی کے ساتھ ساتھ بچوں کانفقہ بھی باپ پر واجب ہے۔اس سلسلے میں باپ اس ذمہ داری سے اس صورت میں بھی نہیں بچ سکتاجب بچے ماں کی تحویل میں بھی ہوں اور خود ان کی ماں بھی کمانے والی اور صاحب جائیداد ہو۔ لیکن اگر باپ بالکل مفلس ہے تو اس صورت میں بچوں کے نفقے کی ذمہ داری صاحب حیثیت ماں پر عائد ہو گی۔ بچوں کے نفقے کے لیے درخواست ماں یا کسی بھی شخص کی طرف سے دائر کی جاسکتی ہے جس کی تحویل میں وہ بچے موجود ہوں[2]۔

بچے سے ملاقات اور عارضی تحویل:

اگر میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتی ہے اور عدالت ماں یاباپ میں کسی ایک کو بچوں کی خضانت کا ذمہ دار قرار دیتی ہے تو اس صورت میں فریق ثانی کو بچوں سے ملاقات کا حق حاصل ہے۔اس سلسلے میں گارڈین جج فریقین کے ساتھ مل کر بچوں سے ملاقات کا وقت اور جگہ کا تعین کرے گااور دونوں کو ہدایات جاری کرے گا۔ اگر جج مناسب محسوس کرے تو ان کی بہتری کے لیے بچوں کو باری باری میاں بیوی دونوں کی تحویل میں دے سکتا ہے تاکہ وہ دونوں سے مانوس رہیں اوران کی فطرت اور نفسیات پر مثبت اثرات مرتب ہوں۔ لیکن عارضی تحویل میں لینے کی صورت میں درخواست دہندہ کو یہ ثابت کرناپڑے گا کہ ایسا حکم جاری نہ ہونے کی

---

1 Muslim Family Ordinance, Guardian and Wards Act 1890, Section 25

2 Muslim Family Ordinance 1964, Section 14

صورت میں بچوں کی جان کو خطرہ ہے اوران کی فلاح وبہبود بھی متاثر ہوسکتی ہے۔ایسا حکم نہ صرف حضانت کے مقدمے کی کارروائی کے دوران جاری کرایا جاسکتا ہے بلکہ عدالت حتمی فیصلے کے بعد اس سلسلے میں جب مناسب سمجھے حکم جاری کر سکتی ہے [1]۔

مہراورزرمہرکاقانون:

ملکی قوانین کے مطابق نکاح کے وقت یاازدواجی زندگی کے دوران بیوی کو خودسپردگی کے عوض میں دیا گیاحق زرمہر کہلاتا ہے۔یہ نقدرقم،زیورات یاجائیداد کی صورت میں بھی دیاجاسکتاہے۔زرمہر بیوی کاحق ہے اور اس میں کوئی بھی دوسرا رشتہ دار اس کاشریک نہیں ہوسکتا۔ماں باپ یادیگر رشتہ داروں میں سے بھی کسی کو یہ حق نہیں ہے کو وہ زرمہر معاف کردیں لیکن اگر عورت خود چاہے تو پورازرمہریااس کاکچھ حصہ شوہر کو معاف کرسکتی ہے۔زرمہر کی ادائیگی میں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہوجائے اور شوہر کہے کہ میں نے اداکردیاہے توبارثبوت اس کے ذمہ ہے۔اس لیے زرمہر کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے گواہوں کی موجودگی میں ہوجوبیوی کی رضامندی سے مقرر کیے گئے ہوں۔مہرمعجل سے مرادایسامہر ہے جو نکاح کے بعدازدواجی تعلق قائم ہونے سے پہلے یا بیوی کے مطالبہ پر قابل ادا سمجھاجاتاہے۔اگر شوہر اداکرنے سے انکار کردے تووہ اس بنیادپر اس سے الگ ہوسکتی ہے اور عدالت کے ذریعے حاصل بھی کرسکتی ہے۔مہرمؤجل سے مراد وہ مہر ہوتاہے جوبعد میں قابل اداہوتاہے۔ازدواجی زندگی میں اسے یااس کا کچھ حصہ مؤخر کردیاجاتاہے جو ازدواجی رشتہ ختم ہونے،طلاق ہونے یاشوہر کی وفات ہونے کی صورت میں قابل اداتصور کیاجاتا ہے۔اگر شوہر بیوی کی رضامندی کے بغیر دوسری شادی کرلے تو اس صورت میں یہ مہر فوری قابل اداہوجاتاہے۔اگر نکاح کے وقت مہر کاتعین نہیں کیاتھاکہ بعد میں باہمی رضامندی سے طے کرلیاجائے گاتو یہ نکاح جائز ہوگا بشرطیکہ میاں بیوی حنفی ہوں اور میاں بیوی خود باہمی رضامندی یاان کے ثالث اس کاتعین کریں گے اوراس ضمن میں عدالت اس بات کو مدنظر رکھے گی کہ اس عورت کے خاندان میں اس کی بہنوں یاپھوپھیوں کاکتنامہر مقرر کیاتھا۔اسے مہرمثل کہاجاتاہے۔اگر زادواجی تعلق قائم ہونے سے پہلے میاں بیوی میں ناچاقی ہوجائے تواس صورت میں مقرر کردہ مہر کانصف اداکیاجائے گااوراگر مہر مقرر نہیں کیاگیاتھاتوشوہر اپنی مالی حیثیت کے مطابق مہرطے کرکے اس کانصف حصہ بیوی کودے گا [2]۔

قانونی ولی کے اختیارات:

عدالت کی طرف سے مقررشدہ ولی بھی بچوں کی فلاح وبہبود کے لیے ان کی جائیداد میں تصرف کرسکتاہے لیکن بعض تصرفات کے لیے اسے عدالت کی پیشگی ضرورت پڑتی ہے جیساکہ وہ عدالت کی پیشگی اجازت کے بغیر ایسی غیر منقولہ جائیداد کے کسی حصے کونہ تورہن رکھ سکتاہے اورنہ ہی بیچ سکتاہے،نہ ہبہ کرسکتاہے اورنہ ہی اس کاتبادلہ کرسکتاہے اورنہ ہی ایسی جائیداد کے کسی حصے کو پانچ سال سے زیادہ عرصے کے لیے یااس کی بلوغت سے ماوریٰ ایک سال سے زیادہ عرصے کے لیے اجارے پردے سکتاہے

1 Muslim Family Ordinance, Guardian and Wards Act 1890, Section 12
2 Muslim Family Ordinance 1961, Section 6

[1]۔ ایسے کسی بھی تصرف کی اجازت صرف بچے کی ضرورت یا فائدے کے لیے دی جاسکتی ہے جن کا ذکر عدالت اجازت اس بچے سے متعلق اپنے حکم میں کرے گی۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ عدالت کی منظوری کے بغیر ایسی فروخت کو حتمی شکل نہیں دی جائے گی۔ ایسی جائیداد کی فروخت بذریعہ عدالتی اشتہار ہوگی اور عدالے کے روبرو ہی اونچی آواز میں بولیاں لگائی جائیں گی[2]۔

قانونی ولی بچوں کی جائیداد میں ان کی بہبود کا خیال رکھتے ہوئے کوئی بھی جائز تصرف کر سکتا ہے جس کے لیے وہ کسی بھی عدالتی سرٹیفکیٹ کا محتاج نہیں ہے البتہ اگر ولی کا تقرر وصیت کے ذریعے ہوا تھا تو وصیت میں مذکور پابندیوں کا خیال رکھنا ولی کے لازمی ہوگا۔ اگر اسے عدالت کی طرف سے بھی متعلقہ قانون کے تحت ولی مقرر کیا گیا تھا تو مذکورہ پابندیوں کے علی الرغم اسے تحریری حکم کے ذریعے ایسی جائیدادوں میں مقررہ طریقے کے مطابق بعض تصرفات کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ قانونی ولی کو بچوں کی جائیداد میں ان کی فلاح و بہبود کے پیش نظر ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اسے بیچ بھی سکتا ہے تاہم ایسی جائیداد کی صرف حسب ذیل صورتوں میں بیچی جاسکتی ہے۔

1۔ جائیداد کی قیمت دوچند مل سکتی ہو

2۔ بچے کی نان و نفقے کی خاطر اسے بیچے بنا چارہ نہ ہو

3۔ بچے کے فوت شدہ والد کے ذمے واجب الادا قرض کی ادائیگی کا اور کوئی بندوبست نہ ہو

4۔ بچے کے فوت شدہ والد نے کسی کے حق میں کوئی وصیت کی ہو جسے جائیداد بیچے بغیر پورا رنا ممکن نہ ہو

5۔ جائیداد کے اخراجات اس کی آمدنی سے زائد ہوں

6۔ جائیداد شکست وریخت کا شکار ہو اور دن بدن زوال کی جانب مائل ہو

7۔ کسی بندے نے جائیداد غصب کرلی اور اس کے واگزار ہونے کا کوئی امکان موجود نہ ہو[3]

جانشینی سرٹیفکیٹ کے قانون:

موت انسانی زندگی کا ایک جزو ہے جیسا کہ پیدائش۔ ایک صاحب جائیداد انسان اگر مر جائے تو اس صورت میں قانون اس بات کی رہنمائی کرتا ہے کہ اس کے منقولہ اور غیر منقولہ ورثے میں اس سے ورثا کا کتنا حصہ ہے؟ زمین، مکان، دکان اور دیگر جائیداد میں اس کے کون کون سے رشتہ دار شریک ہیں اور ان کا حصہ کس طرح مقرر کیا جائے؟ ان سب باتوں کے لیے ضابطہ دیوانی، قانون مال اور قانون جانشینی میں واضح طریقہ کار دیا گیا ہے اور جانشینی سرٹیفکیٹ اس سلسلے میں ایک اہم دستاویز ہے۔ کسی متوفی کے لیے ناقابل ادا رقم، قرض یا تمسک کے حصول کے لیے قانون جانشینی کے تحت سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔ کوئی بھی فرد اس مجاز عدالت سے یہ سرٹیفکیٹ حاصل کر سکتا ہے جہاں متوفیٰ کی جائیداد کا کوئی حصہ پایا جاتا ہو یا وہ وہاں رہائش پذیر رہ چکا

---

1 Muslim Family Ordinance, Guardian and Wards Act 1890, Section 29
2 Muslim Family Ordinance, Guardian and Wards Act 1890, Section 31
3 Muslim Family Ordinance, Guardian and Wards Act 1890, Section 28

ہو۔درخواست میں متوفیٰ کے تمام ورثا اور قرض خواہان کو فریق بنایا جاتا ہے۔ یہ درخواست اصالتاً یا اکالتاً دائر کی جاسکتی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل تفصیلات کا پایا جانا ضروری ہے۔

1۔ نام متوفیٰ اور تاریخ وفات

2۔ مقام سکونت اور بوقت وفات، اگر متوفیٰ کی سکونت حدود عدالت میں نہ ہو تو اس کی جائیداد جو کہ اندر حدود عدالت واقع ہے۔

3۔ قریبی رشتہ داروں کے نام معہ پتہ

4۔ وہ حق جس کی وجہ سے سائل حقدار ہو

5۔ تفصیل قرضہ جات جن کے حصول کے لیے سرٹیفکیٹ درکار ہے۔

اگر فریقین میں سے کسی فرد یا افراد کو کسی ایک فرد کے جاری کیے جانے پر اعتراض نہ ہو تو عدالت درخواست گذار کے نام مذکورہ سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے جو پاکستان کے کسی حصے میں بھی مؤثر ہوتا ہے۔ جس شخص کو یہ سرٹیفکیٹ جاری ہوتا ہے اسے منقولہ جائیداد کے متعلق یہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں مثلاً کفالتوں یا ان میں سے کسی سود یا منافع کا حصول، ان کی خرید وفروخت یا منتقلی کرنا اوران کے سود اور منافع کو وصول کرنا، ان کو خریدنا یا یہ دونوں کام کرنا وغیرہ۔ اگر عدالت کے علم میں یہ بات آجائے کہ درخواست گذار نے حقائق چھپا کر یہ سرٹفکیٹ حاصل کیا ہے تو مجاز عدالت کو ترمیم کا حق حاصل ہے یا دھوکا دہی سے حاصل کردہ سرٹیفکیٹ کو منسوخ بھی کرسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اجرا سرٹیفکیٹ سے مطمئن نہ ہو تو وہ اس کے خلاف تیس دن کے اندر اندر اپیل دائر کرسکتا ہے۔ اگر یہ سرٹیفکیٹ کسی ڈسٹرکٹ جج نے جاری کیا ہو اپیل بھی وہیں ہو گی۔ اگر یہ سرٹیفکیٹ کسی سول جج نے جاری کیا ہو تو اس سرٹیفکیٹ کے خلاف اپیل بھی اسی جج کے پاس ہو گی[1]۔

یتیم پوتے پوتیوں / نواسے نواسیوں کا حق وراثت:

اگر ایک صاحب اولاد انسان فوت ہو جاتا ہے لیکن اس کا باپ ابھی زندہ ہے تو اس صورت میں اس متوفیٰ کے بچوں کو جائیداد میں حصہ ملے گا۔ کیونکہ متوفیٰ کا باپ ابھی زندہ ہے اور جائیداد اس کے نام ہے، ابھی اس کے بیٹے کے نام بھی نہیں تھی تو اس کے پوتوں / پوتیوں یا نواسوں / نواسیوں کے نام کیونکر منتقل ہو سکتی تھی۔ لیکن پاکستان کے عائلی قوانین کے تحت متوفیٰ کے باپ کی جائیداد میں سے متوفیٰ کے والد کے پوتے / پوتیوں اور نواسوں / نواسیوں کو اپنے باپ یا ماں کا قائمقام ہونے کی صورت میں حصہ مل سکتا ہے اور اس صورت میں ان کو وہی حصہ ملے گا جو ان کے والدین زندہ ہونے کی صورت میں وصول کرتے۔ اس قانون میں اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ ترمیم کرنے کی سفارش کی کہ اگر مؤرث کی زندگی میں اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے جبکہ مورث کا کوئی اور بیٹا یا بیٹے اس کی وفات کے وقت زندہ ہوں تو اس لڑکے یا لڑکی کی اولاد اپنے دادا یا نانا کے ترکہ میں اتنا حصہ پائے گی

---

1 Muslim Family Ordinance, Successor Act 1925

جتنے حصے کی وصیت ان کے نانا یا دادا نے ان کے حق میں کی ہو بشرطیکہ وہ وصیت مجموعی طور پر میت کے ترکے سے ابتدائی واجبات ادا کرنے کے بعد کل ترکے کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔ البتہ اگر دادا یا نانا نے مذکورہ اولاد کے حق میں کوئی وصیت نہ کی ہو اس دادا یا نانا کے ورثاء پر لازم ہے کہ وہ مذکورہ اولاد کو اتنا نفقہ ادا کریں جتنا کہ عائلی عدالت متعلقہ امور پر غور کرنے کے بعد اسلامی شریعت کے مطابق ان کے لیے تجویز کرے[1]۔

ونی کرنا:

کوئی شخص کسی قسم کے تنازعے کو نمٹانے کی خاطر عورت کو ویسے ہی یا بذریعہ شادی بطور بدل صلح، ونی سوارا یا کسی دیگر رسم کے لیے کسی اور شخص کے حوالے کرے گا یا جو کوئی شخص بھی ایسی شادی کے لیے کسی عورت کو مجبور کرے گا اسے ساتھ سال کی سزا ہو گی اور یہ سزا تین سال سے کسی صورت کم نہ ہو گی[2]۔

عورت کو حق وراثت سے محروم کرنا:

ہر وہ شخص جرم کا مرتکب ہو گا جو کسی جائیداد کے مالک کی وفات کے بعد اس کی جائیداد میں حصہ دار عورت کو اس کے حق سے محروم کرے گا کسی بھی دھوکا دہی یا غیر قانونی طریقے سے۔ ایسا کرنے والے کو دس سال کی سزا دی جائے گی اور یہ سزا پانچ سال سے ہرگز کم نہ ہو گی۔ اس کے علاوہ مجرم کو دس لاکھ تک جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ دونوں سزائیں اکٹھی بھی دی جا سکتی ہیں[3]۔

مرضی کے خلاف شادی:

اب کسی عورت کو کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس سے وہ شادی نہ کرنا چاہتی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کو مجبور کرے گا یا اس پر دباؤ ڈالے گا کہ فلاں شخص کے ساتھ اپنی مرضی کے برخلاف شادی کرے تو یہ جرم ہے اور اس کی سزا دس سال قید یا پانچ لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں ایک ساتھ بھی دی جا سکتی ہیں اور قید کی صورت میں یہ سزا کسی بھی صورت میں تین سال سے کم نہ ہو گی[4]۔

قرآن سے شادی:

وہ شخص مجرم ہے اور اس کے لیے سزا بھی مقرر کی گئی ہے جو کسی بھی عورت کو قرآن سے شادی کرنے کے لیے مجبور کرے یا ایسی شادی کے لیے کسی قسم کی مدد کرے۔ اسی طرح وہ شخص بھی مجرم ہو گا اور سزا کا حقدار بھی ہو گا جو کسی عورت سے حلف لے کہ وہ غیر شادی شدہ رہے گی یا اپنی وراثت میں سے اپنے حصے کا مطالبہ نہیں کرے گی۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اسے سات

---

1 Muslim Family Ordinance 1961, Section 4
2 Criminal Law Act 2011, Section 310/A
3 Criminal Law Act 2011, Section 498/A
4 Criminal Law Act 2011, Section 498/B

سال قید کی سزا ملے گی جو کسی صورت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو گی اور اس کے علاوہ پانچ لاکھ جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے یا دونوں سزائیں ایک ساتھ سنائی جاسکتی ہیں[1]۔

چہرہ بگاڑنا:

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی دشمنی یا گھریلو جھگڑے کی وجہ سے بیوی یا کسی دوسری عورت کا تیزاب وغیرہ پھینک کر چہرہ بگاڑ دیا جاتا ہے، جو پاکستانی قانون کے تحت جرم ہے۔ اسی طرح اس کے کسی بھی جسمانی عضو میں ایسی تبدیلی بذریعہ زخم اس کی ظاہری یا اصلی ہیئت میں تبدیلی آجائے یا کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہو تو اس طرح کا اقدام بھی جرم کے زمرے میں آئے گا۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی عورت کے یا مرد کے جسم کو کسی قسم تیزاب، زہر، آتش گیر مادے یا کسی دیگر قسم کی کیمیائی اشیاء جن کے کھانے پینے یا انسانی جسم کے ساتھ مس ہونے یا جسم میں داخل ہونے سے جسم کو نقصان پہنچ سکتا ہے یا کسی جسمانی عضو کے ضائع کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتی ہو، کے ذریعے نقصان پہنچائے، تو اسے عمر قید کی سزا ہو گی یا اسے دس لاکھ جرمانہ ہو گا یا دونوں سزائیں ایک ساتھ بھی سنائی جاسکتی ہیں اور قید کی صورت میں دس سال کی یہ سزا کسی بھی صورت میں سات سال سے کم نہ ہو گی[2]۔

الغرض پاکستان میں خاندانی نظام کے تحفظ کے لئے حکومتیں وقتاً فوقتاً قانون سازی کرتی رہتی ہیں جن سے خواتین اور بچوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

مسلم اور پاکستانی خاندانی نظام میں فرق:

اسلام اپنے ماننے والوں کو مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے چونکہ خاندان کسی بھی معاشرے کی خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے خاندانی نظام اور عائلی قوانین کے حوالے سے اسلام نے مکمل تعلیم فراہم کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عملی طور پر بھی خاندان کے حوالے سے رہنمائی فراہم کر دی ہے۔ خاندان کی بنیاد میاں بیوی کے پاکیزہ رشتے پر ہوتی ہے اس لئے اسلام نے دونوں کی رضامندی نکاح سے پہلے لازم قرار دی ہے اور رضامندی کے بغیر اگر عورت کی شادی کرا دی جائے تو اس کو اختیار دیا کہ وہ اسے ختم کر دے۔ اسی طرح اسلام نے زوجین کے پاکیزہ رشتے کے تقدس کا خیال رکھنے کے لئے رازداری کا اصول بتایا اور ایسے شخص کے لئے سخت وعید سنائی جو میاں بیوی کے تعلقات کو سر عام بیان کرے۔ قرآن مجید میں سورہ النور میں نا سمجھ بچوں کو، تین اوقات میں والدین کے کمروں میں داخل ہونے سے قبل اجازت لینے کی تعلیم دینے کی تلقین کی۔

---

1 Criminal Law Act 2011, Section 498/C
2 Criminal Law Act 2011, Section 332/A

اسی طرح اسلام نے زوجین کے لئے الگ گھر ہونے کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ آرام وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور کوئی ان کی زندگی میں مداخلت نہ کر سکے، نبی کریم ﷺ نے تمام ازواج مطہرات رضوان اللہ علیھن اجمعین کو الگ الگ حجرے تعمیر کرادیئے تھے جس طرح کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾[1] ، یعنی "اور اپنے گھروں میں ہی رہو" اور اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ﴾[2] ، یعنی "جو کچھ تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات سے تلاوت ہوتا ہے اس کا تذکرہ کیا کرو"۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ سفر میں بھی ازواج میں سے کسی ایک یا بعض دفعہ دو ازواج مطہرات کا نام قرعہ میں نکل آتا تو ان کو ساتھ لے جاتے، ابن کثیر روایت کرتے ہیں: غزوہ طائف میں آپ ﷺ کے ہمراہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کے لئے الگ الگ دو خیمے نصب کیے جن کے درمیان آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تھے[3]۔

المختصر اسلام نے خاندانی زندگی خوشگوار بنانے کے لئے اصول وضع کئے اور خواتین کو ان کے حقوق بھی دلوائے۔ تاکہ خواتین جو صنف نازک ہیں ان کو گھر سے باہر کم نکلنا پڑے۔ جہاں تک پاکستان کے مسلم خاندانی نظام کی بات ہے یہاں کے مسلمان ہندو معاشرے کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان پر بھی کچھ منفی اثرات پڑے جن میں مشترکہ خاندانی نظام کا رواج تھا، اسی طرح بیوہ اور مطلقہ عورت کے ساتھ شادی نہ کرنا، دوسری شادی کو ممنوع سمجھنا۔ مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں، ستر وحجاب کو ترک کرنا پڑا۔ بیوی کو حق سکنی سے محروم کر دیا گیا۔ اسی طرح پاکستان کے کچھ علاقوں میں عورتوں کو قرآن سے بیاہنے کی مکروہ رسم پیدا ہوئی تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے، ونی اور کاروکاری کی مذموم رسمیں بھی کچھ علاقوں میں رائج رہی ہیں۔ اسی طرح خواتین کو حق وراثت سے محروم کیا جاتا رہا ان کو جہیز دے کر وراثت سے محروم کیا گیا۔ جہیز کم لانے کی صورت میں طلاق بھی دی گئیں اور بعض صورتوں میں ان کو زندہ جلا کر خودکشی کا نام دیا گیا۔ پاکستان میں اکثر مشترکہ خاندانی نظام رائج رہا جس کی خوبیاں کم اور خامیاں زیادہ تھیں۔ لہذا ہم پاکستان کے مسلم خاندانی نظام کو مکمل اسلامی خاندانی نظام نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس پر اسلام، ہندوازم اور دور حاضر میں مغربی اثرات موجود ہیں۔ اس سماجی تثلیث کے باعث ہمارے معاشرے میں ارتکاز نہیں

---

1 الاحزاب:33/33

2 الاحزاب:33/34

3 ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: علی شیری، داراحیاء التراث العربی، 1988، ص:4/399

ہے۔ لہذا پاکستانی معاشرہ ان متضاد رسوم ورواج کے زیر اثر ہے۔ سماجی رویوں میں دہرے معیارات ہیں۔ جس کے باعث بہت سے مسائل پیدا ہوئی ہیں۔ جن سے پاکستان کا خاندانی نظام بھی کافی حد تک مسائل کا شکار ہوا ہے[1]۔ البتہ اکیسویں صدی میں پاکستان میں عالمگیریت کے زیر اثر خواتین کو ان کے حقوق دلانے کے لئے مسلسل قانون سازی ہو رہی ہے اور خواتین کو وراثت میں بھی حق دیا جارہاہے اور مشترکہ خاندان کے بجائے نیوکلئیر فیملی سسٹم رائج ہو رہاہے۔

خلاصہ مبحث:

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جہاں اسلام قانون کے نفاذ کا نعرہ وقتاً فوقتاً لگایا جاتا رہاہے۔ اگرچہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی ہے لیکن پاکستان میں بسااوقات خواتین کے ساتھ ایسے واقعات ہوئے جن میں مرد حضرات کے قصور کے ساتھ ساتھ عالمگیریت کا بھی عمل دخل تھا۔ جیسا کہ عورتیں دفاتر میں ملازمت کرنے لگیں اور یہاں ان کے ساتھ جنسی زیادتی اور ہراسگی ے واقعات پیش آئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر ان کی ملازمت ناگزیر تھی تو حکومت عورتوں ان کے لیے الگ دفاتر کا انتظام کرتی لیکن عالمگیریت کے اثرات کی وجہ سے ایسا تو نہ ہوا لیکن ماحول میں ان کی حفاظت کے لیے قوانین میں بہت دفعات متعارف کرائی گئیں اور عوامی مقامات پر ان کی حفاظت کے لیے مختلف اوقات میں کئی ایک آرڈیننس بھی لائے گئے۔ یہ سب کچھ عالمگیریت کی وجہ سے تھا لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے وہیں مثبت اثرات بھی طاری ہوئے اور پاکستان کی عورت کو کچھ ایسے حقوق بھی ملے جو اس سے پہلے ممکن نہیں تھے یا اگر موجود بھی تھے تو صرف کاغذی حد تک جن سے پورے معاشرے کو آگاہی حاصل نہیں تھی۔ عالمگیریت کی وجہ سے پاکستانی عورت کو ان سے آگاہی حاصل ہوئی اور طبیعتاً ظالم مرد حضرات کو بھی خوف لاحق ہوا جس سے چہروں پر تیزاب پھینکنے جیسے واقعات کی حوصلہ شکنی ہوئی۔

---

1 سیدہ سعدیہ، ڈاکٹر، پاکستانی معاشرے میں مطلقہ خواتین کے سماجی و قانونی مسائل، ادارہ اسلامیات، لاہور 2017، ص:30

فصل دوم

پاکستان میں خلع وطلاق کی شرح عالمگیریت کے تناظر میں

فصل دوم:

پاکستان میں خلع وطلاق کی شرح عالمگیریت کے تناظر میں

مبحث اول:

پاکستانی مسلم خاندانوں میں خلع وطلاق کی بڑھتی ہوئی شرح

طلاق کا معنیٰ ومفہوم:

طلاق کا لغوی معنی چھوڑنا، آزاد کر دینا اور بندھن کھولنا ہے۔ کہا جاتا ہے اطلقت الاسیر، یعنی میں نے قیدی آزاد کر دیا۔ اور اہل عرب ناقة طالق اس اونٹنی کو کہتے ہیں جسے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو، اور طلقت طلیقا کا محاورہ عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرنے کے معنی میں بولا جاتا ہے[1]۔ امام سرخسی کہتے ہیں:

((الطَّلَاقِ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنْ إِزَالَةِ الْقَيْدِ وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنْ الْإِطْلَاقِ يَقُولُ الرَّجُلُ أَطْلَقْت إِبِلِي وَأَطْلَقْت أَسِيرِي))[2]

" لغت میں طلاق سے مراد کسی کو قید سے آزاد کرنا ہے اور یہ اطلاق سے ماخوذ ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: میں نے اپنے اونٹ کو چھوڑ دیا اور قیدی کو آزاد کر دیا"

امام نسفی نے طلاق کی شرعی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

((هو رفع القيد الثّابت شرعًا بالنّكاح))[3]

"شریعت میں طلاق سے مراد اس قید کا اٹھا دینا ہے جو نکاح سے ثابت ہوئی ہے"

راغب اصفہانی نے اس کے معنیٰ میں کسی کو بندھن سے آزاد کرنا کے ساتھ نجات دینا بھی بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے بطورِ استعارہ یہ لفظ بیوی کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا[4]۔ طلاق زوجیت کے رشتے کی گرہ کھولنا ہے۔ طلاق زندگی میں آنے والی مشکلات کا فوری حل نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے صلح کی ہر ممکن کوشش ضرور کرنا چاہیے۔ شریعت

---

1 ابن منظور، لسان العرب، ص:10/225

2 سرخسی، شمس الآئمہ محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دارالمعرفہ بیروت 1414ھ، ص:6/2

3 نسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود، کنزالدقائق، تحقیق: الدکتور سائد بکداش، دارالبشائر الاسلامیہ مصر 2011ء، ص:269

4 اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص:523

اسلامی میں یہ کام جتنا پسندیدہ اور عند اللہ مستحسن ہے کی کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ازدواجی تعلق قائم کر کے اس کے ساتھ اپنی پوری زندگی عفت و عصمت اور پاکدامنی کے ساتھ گزار دے۔ اتنی ہی یہ بات اللہ کے نزدیک بیحد مبغوض اور سخت ناپسندیدہ ہے کہ کوئی مرد اپنی رفیقہ حیات کو طلاق دے۔ اس لیے اسلام نے حتی الامکان طلاق سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے، یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب اصلاح کی کوئی صورت ممکن نہ ہو۔

خلع اور فسخ نکاح میں فرق:

اسلام نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے لیکن بہر حال یہ احتمال بھی موجود تھا کہ مرد زیادتی کا مرتکب ہو تو اس صورت میں عورت کیا کرے؟ کیا وہ خاموشی کے ساتھ اس کا ظلم سہتی رہے؟ ایسی صورت میں اسلام نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے کہ اگر مرد اس کے ساتھ ظلم روا رکھتا ہے اور اس کے حقوق پورے نہیں کرتا تو وہ اس سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اگر مرد کسی صورت میں طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عورت اس سے علیحدگی لے سکتی ہے۔ عورت کو دیے گئے اس حق کا نام خلع ہے [1]۔ خلع کا معنی اتارنا یا دور ہو جانا بھی ہے [2]۔ "فسخ" عربی زبان کا لفظ ہے جس لغوی معنی "نقض" اور "تفریق" کے ہیں۔ جب فریقین میں جدائی ہو جائے یا کسی بھی بیع میں فریقین کا کیا ہوا عہد ٹوٹ جائے تو عربی زبان میں اس کے لیے فسخ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے [3] جبکہ اصطلاح میں حکم قاضی یا حاکم کے ذریعے جدائی کا نام فسخ ہے [4]۔ یعنی مرد عورت کو خود عقد نکاح سے آزاد تو طلاق لیکن اگر عورت مرد سے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور وہ اس سے انکار کرے تو اسے حق خلع کہا جاتا ہے۔ مرد اگر خلع مانگنے پر بھی عورت کو عقد نکاح سے آزاد نہ کرے اور عورت عدالت چلی جائے اور پھر حاکم وقت یا قاضی عدالت زوجین کے مابین عقد نکاح کو ختم کر دے تو اس کا نام فسخ نکاح ہے ۔ فسخ نکاح کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً زوجین میں کوئی ایک کافر ہو جائے یا مسلمان ہو جائے اور فریق ثانی اس کا دین قبول کرنے سے انکار کر دے، دونوں میں لعان ہو جائے، خاوند حقوق پورے کرنے سے انکار کر دے یا دونوں میں سے کوئی ایک پاگل ہو جائے وغیرہ [5]۔

---

1 ابن عابدین، رد المختار علی الدر المختار، ص:2/766

2 ابن منظور، لسان العرب، ص:1/262

3 زبیدی، تاج العروس، ص:2/273

4 ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص:833

5 ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، الاستذکار، دار الکتب العلمیہ بیروت 1421ھ، ص:6/181

پاکستان میں طلاق و خلع کا بڑھتا ہوا رجحان:

پاکستان میں حکومتی سطح مجموعی طور پر طلاق اور خلع کے حوالے سے اعداد و شمار اکھٹے کرنے کا کوئی منظم سسٹم موجود نہیں ہے، جو سالانہ بنیادوں پر نکاح، طلاق، خلع، تنسیخ نکاح کے اعداد و شمار جاری کرے۔ البتہ پاکستان بیورو آف سٹیٹسٹکس نے کچھ اعداد و شمار جاری کئے ہیں، جو اس فصل کے آخر میں ذکر کئے جائیں گے، لیکن ان سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ طلاق اور خلع کی وجوہات کیا ہیں۔ بعض این جی اوز اور کچھ دیگر نجی اداروں نے اس سلسلے میں جو تحقیق کر کے اعداد و شمار جاری کئے ہیں، اس تحقیق میں اس سے مدد لی جائے گی۔

RTI کی تحقیق:

اس ادارے کی تحقیق کے مطابق پاکستان کے صوبہ پنجاب میں طلاق کے کیسز کی بڑھتی ہوئی تعداد کسی المیے سے کم نہیں۔ ضلعی حکومت کی جانب سے مہیا کئے جانے والے اعداد و شمار کے مطابق پنجاب میں علیحدگی اختیار کرنے والے جوڑوں کی تعداد میں اوسطاً سالانہ 9 فیصد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ مخصوص سالوں میں ضلعی حکومتوں کے پاس رجسٹر ہونے والے کیسز 56 فیصد تک بڑھ گئے ہیں۔ خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ اور طلاق کے مقدمات کی بڑھتی ہوئی تعداد جہاں معاشرے کے بگاڑ کی جانب اشارہ کر رہی ہے، وہاں یہ علیحدہ ہونے والے جوڑوں کے بچے بھی اپنے ماں باپ کے منفی رویوں کا شکار بن رہے ہیں۔ طلاق کے بعد حوالگی کیسز کی وجہ سے معصوم بچے کورٹ کچہریوں کے چکر کاٹنے پر مجبور ہیں، جس سے ان کی شخصیت اور نفسیات پر انتہائی گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق سال 2012 سے 2017 کے درمیان پنجاب کے 36 اضلاع میں خلع یا طلاق کے 4 لاکھ 78 ہزار 130 کیس رجسٹرڈ ہوئے ہیں۔ ان میں 20٪ فیصد صرف فیصل آباد اور لاہور کے اضلاع سے رپورٹ شدہ ہیں۔ ذیل میں اس ادارے کی طرف سے مہیا کئے گئے پانچ سالوں کے اعداد و شمار کا ایک چارٹ ٹیبل پیش کیا جاتا ہے:

سال	خلع و طلاق کے کیسز کی تعداد	سالانہ اضافہ
2012	63 ہزار 7 سو 34	--
2013	69 ہزار 1 سو 26	5 ہزار 3 سو 92
2014	74 ہزار 6 سو 19	5 ہزار 4 سو 93
2015	77 ہزار 3 سو 27	2 ہزار 7 سو 8
2016	97 ہزار 3 سو 13	19 ہزار 9 سو 86
2017	99 ہزار 5 سو 99	22 سو 86

سالانہ رپورٹس کے مطابق پنجاب میں طلاق یا خلع کے سب سے زیادہ کیسز 2017 میں رجسٹر ہوئے۔ جبکہ طلاق کی سالانہ شرح میں سب سے زیادہ اضافہ 2016 میں ہوا۔یعنی 2015 کے مقابلے میں اس میں ٪21 فیصد کیسز کا اضافہ ہوا۔ماہرین کے مطابق طلاق کے بڑھتے ہوئے یہ کیسز علیحدگی اختیار کرنے والے والدین بچوں کی تربیت کو بھی متاثر کر رہے ہیں۔سال 2012 سے سال 2016 کے درمیان 3 لاکھ 61 ہزار 301 والدین کی جانب سے بچوں کی حوالگی کے لئے پنجاب کی گارڈین کورٹس سے رجوع کیا گیا۔بچوں کی حوالگی حاصل کرنے کے لئے سال 2012 میں 38 ہزار 2 سو 77 ،سال 2013 میں 66 ہزار 32، سال 2014 میں 69 ہزار 8 سو 29، سال 2015 میں 89 ہزار 8 سو 50، سال 2016 میں 97 ہزار 3 سو 13 کیسسز دائر کئے گئے [1]۔ پنجاب میں طلاق کی اس شرح کو مندرجہ ذیل گراف کی مدد سے واضح کیا گیا ہے:

پنجاب میں رپورٹ ہونے والے
طلاق کے کیسز کا سالانہ حصّہ

1 http://pakrtidata.org/2018/03/20/punjab-divorce-child-custody-neo-naibaat/
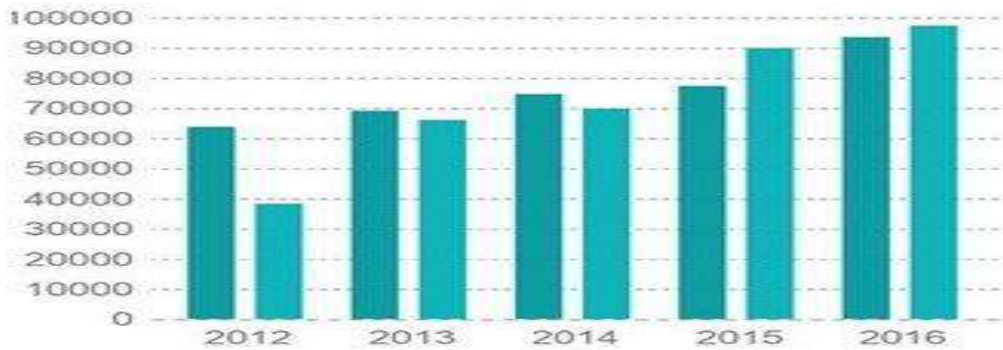
اسی طرح جب ہم دیگر اداروں کی رپورٹس کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ رپورٹس بھی یہی چیز ثابت کرتی ہیں کہ اکیسویں صدی اور بالخصوص پچھلے دس سے پندرہ سالوں میں طلاق کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ سماٹی وی چینل کی ایک رپورٹ جو پنجاب کے ایک بڑے شہر لاہور کے اعداد و شمار واضح کرتی ہے: "طلاق اور خلع کا بڑھتا ہوا رجحان، لاہور کی عدالتوں میں فیملی مقدمات کی تعداد بڑھنے لگی، 2017ء میں 20 ہزار سے زائد مقدمات دائر ہوئے۔ کسی کو شوہر سے علیحدگی چاہیئے، تو کسی نے بچوں کی حوالگی کیلئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ گزرے سال میں خاندانی مقدمات میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور کیسوں کی تعداد 20 ہزار سے تجاوز کر گئی، زیادہ تر مقدمات میں پسند کی شادی کے بعد خواتین نے علیحدگی کیلئے رجوع کیا۔ عدالتی ریکارڈ کے مطابق ہر سال فیملی کیسز کی شرح میں 10 فیصد اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے[1]۔

خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق حکومت پاکستان طلاق کے حوالے سے اعداد و شمار جمع نہیں کرتی ہے تاہم اسلام آباد آربیٹریشن کونسل کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ 1.7 ملین آبادی کے شہر اسلام آباد میں سن 2011ء میں 557 جوڑوں نے علیحدگی اختیار کی جبکہ سن 2002ء میں یہ تعداد صرف 208 تھی[2]۔

"روزنامہ پاکستان" کی مرتب کی گئی اعدادوشمار کی رپورٹ بھی طلاق اور خلع میں اضافے کی تصدیق کرتی ہے۔ جس کے مطابق، لاہور کی فیملی عدالتوں میں خلع کے مقدمات میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ رواں سال 6578 خلع کے دعوے دائر ہوئے، جبکہ فیملی عدالتوں نے 2145 خواتین کو خلع کی ڈگریاں جاری کر دیں۔ قانونی ماہرین کے مطابق کیبل کلچر کا فروغ یا معاشرتی بے راہ روی نے اس وقت خاندانی نظام کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ رپورٹ نے مزید کہا کہ طلاق کی شرح میں اضافہ کی بڑی وجہ اور خاندانی نظام کی تباہی بڑی وجہ فریقین کے درمیان عدم برداشت ہے۔ ماہرین قانون کا کہنا ہے اگر میاں بیوی اپنی ذاتی انا کو چھوڑ دیں تو طلاق جیسی بری چیز سے بچا جا سکتا ہے۔ قانونی ماہرین نے خلع کی ڈگریوں میں اضافے کی درخواست کو خطرناک اضافہ قرار دیتے ہوئے مستقبل میں خاندانی نظام کو بری طرح متاثر کرنے کے عندیہ دے دیا ہے۔ فیملی کورٹس میں روزانہ 15 سے 20 خواتین کی طرف سے حصول طلاق کے لئے فیملی عدالتوں میں درخواستیں جمع کروائی جاتی ہیں"[3]۔

سجاگ کے اعدادوشمار:

ایک این جی او "سجاگ" جو پنجاب کے چار بڑے اضلاع فیصل آباد، قصور، چکوال، شیخوپورہ میں اپنا نیٹ ورک چلاتے ہیں ان کے فراہم کئے گئے اعداد و شمار بھی اس خطرے کی نشاندہی کرتے ہیں کہ طلاق اور خلع میں اضافہ ہو رہا ہے۔ صرف ایک صنعتی شہر فیصل آباد کی رپورٹ ملاحظہ ہو:

---

1 https://www.samaa.tv/urdu/pakistan/2018/01/994901/(jan 02 2018)

2 www.dw.com/ur/ رہی-نہیں-گالی-ایک-طلاق-لیے-کے-بچنے-سے-تشدد-خواتین-پاکستانی-/a-16507659

3 https://dailypakistan.com.pk/27-Sep-2017/650028(27 Sep 2017)

نمبر شمار	سال	طلاق و خلع کے واقعات
1	2010	8024
2	2011	9475
3	2012	9856
4	2013	5711
5	2014	13437
مجموعی کیسز	--	**46503**

پاکستان کے دوسرے بڑے صوبے سندھ کے دارالخلافہ کراچی کی صورتحال بھی پنجاب سے مختلف نہیں ہے۔اس شہر میں طلاق و خلع کی بڑھتی ہوئی شرح کے بارے میں پاکستانی ٹیلی ویژن چینل "اب تک" نے یہ رپورٹ جاری کی ہے:

”کراچی میں قائم 24 فیملی کورٹس میں طلاق اور خلع کے یومیہ 40 کیس درج ہوتے ہیں۔ جنوری 2005 سے جنوری 2008 کے دوران فیملی کورٹس میں طلاق و خلع کے 64ہزار 800 کیس درج ہوئے تھے۔ مگر 2008 کے بعد اِس کی تعداد میں نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا اور کراچی کی فیملی کورٹس میں جنوری 2008 سے لے کر 2012 کے دوران طلاق و خلع کے کیسز کی تعداد 72ہزار 900 تک جا پہنچی۔ماہرین قانون کے مطابق خلع اور طلاق کی سب سے بڑی وجہ عدم برداشت ہے۔ فیملی کورٹس ایکٹ اکتوبر 2005 دفعہ (4) سیکشن 10 کے تحت طلاق کا عمل آسان تر کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آزادی اور فوری انصاف کی مہم کا نتیجہ یہ ہے کہ روزانہ سینکڑوں خواتین ازدواجی زندگی کے بندھن سے آزاد ہو رہی ہیں۔ کورٹ میں بچوں سے ملنے آئے والدین کے مطابق غلطی کسی کی بھی ہو۔ مگر اسکا اثر سب سے زیادہ بچوں کی شخصیات پر پڑتا ہے۔ڈسٹرکٹ مشرقی، مغربی، جنوبی، وسطی اور ملیر کے فیملی کورٹس میں سال 2013 میں تقریباً 9300 کیسز رجسٹرڈ ہوئے 2014 میں 10,000 جبکہ 2015 میں فیملی اور خلع کیسسز کی تعداد 13,433 تک پہنچ گئی[1]۔

BBC کی رپورٹ:

پاکستان کے تیسرے بڑے صوبے خیبر پختونخواہ کے بارے میں عمومی تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ وہاں طلاق کی شرح بالکل نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ وہاں کے قبائلی معاشرے کے تناظر میں طلاق کو میاں اور بیوی دونوں سخت ناپسندیدہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن اکیسویں صدی میں وہاں بھی طلاق اور خلع کے کیسز میں اضافہ ہوا ہے۔ صوبے کے دارالحکومت پشاور کی فیملی کورٹ

1 Urdu.abbtak.tv(Nov14.2017)

کے بارے میں بی بی سی نے درج ذیل رپورٹ جاری کی ہے۔شبانہ تاجک جو عائلی قوانین کی ماہر وکیل ہیں اور فیملی کیسز ہی لیتی ہیں، پشاور اور صوبہ خیبر پختونخواہ کی خواتین کے مسائل بیان کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

"میں فیملی کیسز کرتی ہوں- پہلے پختون عورتیں شوہر کے خلاف عدالت جانے سے کتراتی تھیں کیونکہ یہ یہاں برا سمجھا جاتا تھالیکن اب تو یہ بہت عام ہوگیاہے۔ آج کل تو پختون معاشرے میں خُلع، طلاق، علیحدگی، نان و نفقہ، حقوق زوجیت اور بچوں کی حوالگی سے متعلق مقدمات کی شرح میں خطرناک حدتک اضافہ ہورہاہےاوراس کی وجہ عورتوں کااپنے حقوق سے آگاہی ہے جس کاسہرا غیر سرکاری اداروں کے سرہے جنہوں نے بہت کم وقت میں زیادہ کام کیاہے"[1]۔

فیملی کورٹ کی سنیئر وکیل مصباح تبسم نے سُجاگ سے بات کرتے ہوئے بتایاکہ مردوخواتین میں بڑھتی ہوئی مختلف مزاجی، زبردستی کی شادیوں کا رواج، مشترکہ خاندانی نظام سے بغاوت، بیوی یا شوہر کا شکی مزاج ہونا، دوسری یا جلدبازی میں محبت کی شادی، گھریلو ناچاقی، شوہر کانشہ کرنا، اور ہمارے معاشرے میں وٹہ سٹہ کی شادیوں کارواج طلاق وخلع کے بڑھتے ہوئے واقعات کی بنیادی وجوہات ہیں [2]۔جب کہ دوسری طرف اگر عالمگیریت کی نمائندگی کرنے والی این جی اوز کا موقف سنا جائے تو وہ طلاق اور خلع کے بڑھتے ہوئے رجحان کو خوش آئند قرار دیتی ہیں۔اس سلسلے میں تحفظ حقوق نسواں کے لئے کام کرنے والی تنظیم "سنگی" فاؤنڈیشن کی ایک نمائندہ خاتون کے موقف سے یہی اندازا ہوتاہے۔'سنگی' پاکستانی میں تحفظ حقوق نسواں کے لئے سرگرم ایک غیر سرکاری تنظیم ہے، جس کی منتظمہ عارفہ مظہر نے ڈوئچے ویلے کوایک انٹرویو میں کہا :

" طلاق کے واقعات کی شرح میں مسلسل اضافہ اس پیش رفت کا نتیجہ ہے کہ اب پاکستانی خواتین میں ناانصافی کے خلاف ذاتی اور اجتماعی شعور کی بیداری ایک مسلسل عمل بن چکاہے اور عام عورتیں ماضی کے مقابلے میں آج اپنے حقوق سے بہتر طور پر آگاہ ہیں"[3]۔

GRF کی تحقیق اوراعدادوشمار:

گیلانی ریسرچ فاؤنڈیشن نے ایک تحقیق کی جس میں اس بات کا جائزہ لیاگیا کہ پاکستان میں طلاق اور خلع کی بڑھتی ہوئی شرح کاتناسب کیاہے؟اس تحقیقی میں انہوں نے صرف پچھلے دس سال کا جائزہ لیا۔سوال کے جواب میں 48٪لوگوں نے جواب دیا کہ پاکستان میں پچھلے دس سالوں میں طلاق کی شرح میں تشویشناک حدتک اضافہ ہواہے۔32٪لوگوں نے اضافہ کا اقرار کیالیکن اسے تشویش یاخوفناک نہیں کہا۔جب ان لوگوں سے طلاق کی وجوہات کی بابت سوال کیاگیاتو48٪لوگوں نے کہاکہ طلاق کی سب

1 https://www.bbc.com/urdu/interactivity/blog/story/2004/02/printable/ 040206_ iary _shabana_advocate.shtml

2 http://sujag.org/faisalabad/feature/20193

3 www.dw.com/ur/پاکستان-میں-طلاق-کا-بڑھتاہوا-رجحان/a.5587612

سے بڑی وجہ صبر کی کمی ہے۔یعنی ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ معاملات اس حد تک بھی نہیں گئے کہ طلاق کے سوا کوئی حل موجود نہیں تھا بلکہ یہ معاملات صرف صبر سے بھی حل ہوسکتے تھے۔اسی طرح ٪33 لوگوں کا کہنا تھا کہ طلاق کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا اپنے مذہب سے تعلق ٹوٹ چکا ہے۔٪27 فیصد لوگوں کے مطابق پاکستانی معاشرے میں طلاقوں میں اس وجہ سے اضافہ ہوا ہے کہ لوگ مغربی ثقافت سے متاثر ہو چکے ہیں جبکہ ٪12 فیصد لوگوں کے مطابق طلاق کی شرح میں اضافے کی بنیادی اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عورتیں نکاح کی سلامتی سے زیادہ اپنی ملازمت کو اہمیت دیتی ہیں۔٪9 لوگوں کی رائے یہ تھی کہ مرد حضرات نے گھر میں دلچسپی لینی چھوڑدی ہے۔اس وجہ سے پاکستانی مسلم معاشرے میں طلاق کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے[1]۔

اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی طلاق کی شرح میں عالمگیریت کو کس قدر دخل ہے۔بہت سے لوگوں نے کہا کہ اس وجہ صبر کی کمی ہے لیکن انہوں نے اس کی وجوہات کا ذکر نہیں کیا۔سوال یہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں، جن پر انسان کو غصہ آتا ہے اور صبر کی بجائے عورت کو طلاق دیتا ہے۔بعض لوگوں نے واضح طور اس بات کا ذکر کیا کہ عورتیں گھر کی بجائے جاب کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں، جو واضح طور پر عالمگیریت کے اثرات کی عکاسی ہے۔عورتوں میں جاب کا اس قدر احساس عالمگیریت کے اثرات کا نتیجہ ہے۔اسی طرح لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ مرد کی دلچسپی گھر میں کم ہوجاتی ہے اور وہ عورتوں کو وقت نہیں دے پاتا۔اس میں عالمگیریت کا عمل دخل ہے کیونکہ وقت نہ دے پانے کی ایک وجہ دوہری ملازمت ہوسکتی ہے لیکن اس صورت میں تو بیوی کو پتا ہوتا ہے کہ اس کا خاوند گھر کے لیے ہی وقت صرف کررہا ہے لہذا اسے اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔لیکن ہوسکتا ہے کہ عورت کو دولت سے زیادہ اپنے میاں سے دلچسپی ہو اور وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہو کہ گھر چلانے کے لیے ایک ملازمت کی آمدن کافی ہے لہذا دوسری جاب کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی میاں جاب کرنے پر بضد ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ عالمگیریت کی زد میں آکر گھر سے زیادہ دولت کو اہمیت دے رہا ہے۔وقت نہ دینے کی ایک وجہ یہی ہے جو بظاہر نظر بھی آتا ہے کہ بیوی کو وقت نہ دینے پر صرف اسی صورت میں اعتراض ہوتا ہے جب وہ کسی اور کو وقت دے رہا ہو۔

ایک بیوی کی موجودگی میں کسی اور کو وقت دینا عالمگیریت ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک مقدس رشتے کی بجائے محض دوستی کی خاطر گھر تباہ کررہا ہے۔اسی طرح کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ زیادہ طلاق اور خلع کے کیسوں میں اضافہ اس لیے ہورہا ہے کہ طلاق لینے یا دینے والے مغربی کلچر کے زیر اثر ہیں۔یہ بات اس کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ عالمگیریت کی وجہ سے پاکستانی مسلم معاشرے میں طلاق اور خلع کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔گیلانی فاؤنڈیشن نے اس تحقیق کو ان گراف کی مدد سے واضح کیا۔

1 Gilani Research Foundation, Views on Divorce Rate In Pakistan, June 2,2010 Islamabad. http://www.gilanifoundation.com/

"Some people believe that divorce rate has increase in the past 10 years whereas others believe there has been no change. What is your view point?"
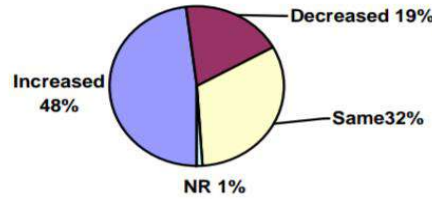
Source: Gilani Poll conducted by Gallup Pakistan,

JCSD کی ریسرچ:

جرنل آف کلچر، سوسائٹی اینڈ ڈیویلپمنٹ نے طلاق اور خلع کے حوالے سے وجوہات کا جائزہ لیا۔اس سروے میں انہوں نے صرف پاکستان کے ضلع ملتان ہی کا جائزہ لیا۔اس رپورٹ کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیریت نے اکیسویں صدی میں پاکستان کے مسلم خاندانی نظام میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے، تو اس رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ عورتوں میں مردوزن کے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہونے والی طلاقوں کی شرح 51٪ ہے۔اسی طرح محبت کی شادیاں بھی کرنا بھی طلاق کی ایک بڑی وجہ ہے۔ مرد کی کمائی کم ہونے کی وجہ سے ہونے والی طلاقوں اور خلع کی تعداد 48٪ ہے۔56٪ کی رائے کے مطابق طلاق اور خلع کی بڑی وجہ مردوں کا ڈرگ استعمال کرنا بھی ہے۔ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مرد کم عمر لڑکی سے شادی سے خواہش مند ہوتے ہیں اور اس وجہ سے بھی بسااوقات طلاق ہو جاتی ہے۔52٪ لوگوں کی رائے کے مطابق مرد حضرات کی گندی زبان بھی اس کی وجہ بنتی ہے[1]۔اس تمام بحث، اعداد و شمار سے پاکستان میں طلاق اور خلع کی بڑھتی ہوئی شرح کی مندرجہ ذیل وجوہات سامنے آئی ہیں:

---

1 Dr Zahid Mahmood, Muhammad Shahzad Anwar, Anam Javaid andShahbaz Nawaz, "Social and Economic Determinatnts of Divorce in Pakistan: A Case Study of Multan District" in " Journal of Culture, Society and Development, V.19,2016, P.20-23

- معاشرے میں بے راہ روی کا فروغ اور اس میں کیبل، ٹی وی، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا کا عمل دخل ہے۔
- مذہب سے دوری بھی اس کا اہم عنصر ہے۔ مذہب انسان کو اخلاقیات سکھاتا ہے جبکہ مذہب سے دوری کی وجہ سے انسان خرافات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔
- خواتین کا ملازمت کو گھریلو ذمہ داریوں سے زیادہ اہمیت دینا، شوہر اور بچوں کو وقت نہ دینا ہے۔
- مرد حضرات کی اپنے گھر میں عدم دلچسپی، گھر والوں کو مناسب وقت نہ دینا اور بات بات پہ جھگڑنا، جو نفرت و کدورت کو جنم دیتا ہے۔
- بے راہرو مردوں کا منشیات استعمال کرنا، اخراجات کے لیے خواتین کو کام کاج پر مجبور کرنا اور منشیات کے لئے خواتین سے رقم طلب کرنا اور نہ ملنے پہ گالم گلوچ اور پھر تشدد کرنا اس میں شامل ہے۔
- کورٹ اور لو میرج بھی طلاق اور خلع کی بڑھتی ہوئی شرح کی ایک وجہ ہیں کیونکہ کورٹ / لو میرج میں لڑکا لڑکی خاندانی اور معاشرتی روایات سے بغاوت کرتے ہیں، جس کا آخر کار نتیجہ یہی ہوتا ہے۔
- بے جوڑ شادیاں بھی طلاق کا ایک باعث ہیں لڑکا امیر ہو یا لڑکی امیر ہو اور صرف محبت میں آکر شادی کر لینا اور شادی کے بعد ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا یہ بھی طلاق کی وجوہات میں ایک وجہ ہے۔
- خاندان کا دباؤ اور بے جا مداخلت بھی طلاقوں کا سبب ہے۔
- معاشرے میں موجود منفی رسوم و رواج بھی طلاق و خلع کا ایک سبب ہے۔
- سب سے اہم وجہ عائلی قوانین میں خلع و فسخ نکاح کے حوالے سے ہونے والی ترامیم ہیں جن کے بعد خلع کی ڈگریاں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

پاکستان بیورو آف سٹیٹسٹک کے اعداد و شمار:

پاکستان کے نیشنل ادارے برائے شماریات نے دو سالوں میں خلع اور طلاق کی شرح کا جائزہ لیا۔ ادارہ شماریات کے اعداد مندرجہ ذیل گرافوں میں پیش خدمت ہیں[1]۔

2011-12 کے اعداد و شمار:

اس گراف میں تمام عمر کے افراد کو نمایاں کیا گیا ہے تاہم طلاق کی وجوہات بیان نہیں کی گئی ہیں جس کی وجہ سے یہ اعداد و شمار زیادہ واضح نہیں ہیں۔

1 Compendium of Gender Statistics of Pakistan 2014, Pakistan buriau of Statistics, Government of Pakistan Islamabad, P.18-19

پہلا گراف:2011کے اعداد و شمار

ge Group	Marital Status				
	Total	Unmarried	Married	Widow	Divorced
Male					
All ages	100.00	38.38	57.70	3.46	0.32
15-19	100.00	97.42	2.32	0.00	0.03
20-24	100.00	79.51	19.96	0.07	0.10
25-29	100.00	43.89	55.06	0.38	0.54
30-34	100.00	17.98	80.89	0.39	0.58
35-39	100.00	5.36	93.62	0.75	0.26
40-44	100.00	2.39	95.32	1.64	0.64
45-49	100.00	1.46	94.92	2.73	0.78
50-54	100.00	1.53	92.97	4.85	0.66
55-59	100.00	0.96	93.15	5.80	0.09
60+	100.00	0.62	78.97	20.19	0.22
Female					
All ages	100.00	27.70	62.73	8.90	0.50
15-19	100.00	89.03	10.39	0.13	0.11
20-24	100.00	50.28	48.86	0.13	0.27
25-29	100.00	18.03	80.70	0.31	0.74
30-34	100.00	7.20	90.25	1.82	0.72
35-39	100.00	3.62	93.13	2.60	0.65
40-44	100.00	1.96	91.47	5.75	0.83
45-49	100.00	1.29	89.17	8.73	0.81
50-54	100.00	0.69	83.40	15.33	0.59
55-59	100.00	0.78	74.42	24.26	0.53
60+	100.00	0.37	46.83	52.34	0.45

rce: -PSLM Survey, Pakistan Bureau of Statistics

دوسرا گراف:2012کے اعداد و شمار

Age Group	Marital status				
	Total	Unmarried	Married	Widow	Divorced
Pakistan					
Male					
All ages	100.00	37.44	59.08	3.06	0.32
15-19	100.00	97.92	1.94	0.00	0.01
20-24	100.00	78.38	21.10	0.06	0.15
25-29	100.00	41.25	58.01	0.20	0.38
30-34	100.00	14.33	84.67	0.43	0.45
35-39	100.00	4.68	94.11	0.64	0.52
40-44	100.00	2.29	96.29	1.03	0.37
45-49	100.00	1.23	96.24	1.97	0.55
50-54	100.00	1.28	94.42	3.86	0.42
55-59	100.00	0.71	92.69	6.08	0.50
60+	100.00	0.62	79.31	19.63	0.44
Female					
All ages	100.00	26.68	64.33	8.45	0.43
15-19	100.00	89.57	10.17	0.03	0.06
20-24	100.00	49.71	49.43	0.26	0.30
25-29	100.00	18.29	80.45	0.56	0.57
30-34	100.00	5.33	92.86	1.06	0.69
35-39	100.00	2.55	94.12	2.64	0.66
40-44	100.00	1.42	93.77	4.28	0.54
45-49	100.00	1.09	89.52	8.62	0.77
50-54	100.00	1.21	81.67	16.69	0.42
55-59	100.00	0.86	73.87	24.89	0.38
60+	100.00	0.94	46.36	52.33	0.32

Source: PSLM Survey, Pakistan Bureau of Statistics

تیسرا گراف: طلاق کی مختلف وجوہات

S. No.	Reasons	No. of persons	All species (%)	ICF (%)
1	Illiteracy	79	17.75	77.68
2	Misunderstanding	25	5.62	23.00
3	Financial problem	43	9.66	41.42
4	No Baby	25	5.62	23.00
5	No Boy Child	10	2.25	6.50
6	Girl Friend	17	3.82	14.53
7	Religious conflict	23	5.17	20.91
8	No tolerance	29	6.52	27.14
9	No awareness of his/her rights	20	4.49	17.75
10	Sexual demand	10	2.25	6.50
11	Lowest Seal Right	5	1.12	-1.00
12	Lack of Patience	20	4.49	17.75
13	Age factor	14	3.15	11.21
14	Lack of trust between life partners	25	5.62	23.00
15	Higher education of women	30	6.74	28.17
16	Joint Family System	28	6.29	26.11
17	Unemployment	66	14.83	64.62
18	Depression	12	2.70	8.92
19	Panic	5	1.12	-1.00
20	Anxiety	6	1.35	0.83
21	Blame	4	0.90	-3.25
22	Fear	6	1.35	0.83
23	Feeling of helplessness	29	6.52	27.14
24	Unequal financial	15	3.37	12.33
25	Pre-marital issues	16	3.60	13.44

ان اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی میں بالعموم اور پچھلے دس سالوں میں بالخصوص طلاق و خلع کے اعداد و شمار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جو کہ عالمگیریت کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ خصوصا 2016 میں دیکھا گیا کہ طلاق و خلع کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا۔ جیسا کہ ایک آرٹیکل میں یہ اعداد و شمار دیئے گئے ہیں:

"Similar to global trends divorce rate is increasing gradually in Pakistan too. In Punjab (pakistan), in 2014 khula cases registered were 16,942 that rose to

18,901 cases in 2016. In 2019 in Karachi 11,143 cases filed, 2020 first quarter 3,800 cases filed [1].

"باقی دنیا کی طرح پاکستان میں طلاق کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پنجاب میں 2014 میں خلع کے سولہ ہزار نو سو بیالیس کیس رجسٹرڈ ہوئے تھے لیکن 2016 میں یہی تعداد اٹھارہ ہزار نو سو ایک تک جا پہنچی۔ 2019 میں صرف کراچی میں گیارہ ہزار ایک سو تینتالیس کیس دائر ہوئے۔ 2020 کے پہلے تین مہینوں میں دائر ہونے والے کیسوں کی تعداد تین ہزار آٹھ سو ہے"

سیڈا اور حکومت پاکستان:

پاکستان نے بہت سارے بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کئے ہوئے ہیں جو کہ عورتوں اور بچوں کے حقوق کے تحفظ اور صنفی برابری اور مساوات کے حوالے سے ہیں مگر ان میں سے کسی پر بھی صحیح طور پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے رکن ملک کی حیثیت سے پاکستان انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلامیہ کا فریق ہے اور بنیادی انسانی حقوق، انسان کی عزت و توقیر، مرد اور عورت کے مساوی حقوق پر یقین رکھنے کی از سر نو توثیق کا پابند ہے۔ 1985ء میں پاکستان اقوام۔متحدہ میں اپنائے جانے والی عورتوں کی ترقی کی دور رس حکمت عملیوں کا فریق بن گیا۔ 1990ء میں پاکستان نے اقوام متحدہ کے بچوں کے حقوق کے کنونشن (CRC) کی توثیق کی۔ 1993ء میں اس نے ویانا اعلامیہ پر دستخط کئے جس میں عورتوں کے حقوق کو انسانی حقوق تسلیم کیا گیا ہے۔ 1994ء میں پاکستان نے قاہرہ میں ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس برائے آبادی و ترقی (ICPD) میں سرگرمی سے حصہ لیا اور اس کے لائحہ عمل کی منظوری دیتے ہوئے صنفی مساوات اور انصاف، عورتوں کی بااختیاری، ترقی کے لئے عورتوں کے حقوق کی ضمانت دینا، عورتوں کے حقوق افزائش اور غربت کے خاتمے کے اصولوں کی توثیق کی۔ 1995ء میں بیجنگ میں ہونے والی عورتوں کی چوتھی عالمی کانفرنس میں ایک رپورٹ پیش کی جس میں بہت سی یقین دہانیاں کرائی گئیں اور بالآخر فروری 1996ء میں اس نے اقوام متحدہ کے عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشن کی توثیق کی [2]۔

سیڈا (CEDAW) کنونشن

سیڈا (The Convetion on the Elemination of all Forms of Discrimination against Women – CEDAW) 18 دسمبر 1979ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تسلیم کیا گیا اور پھر 3 دسمبر 1981ء کو جب بیس ممالک نے اس پر رضامندی ظاہر کی تو یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ کی شکل اختیار کر گیا اور کنونیشن کی دسویں سالگرہ تک اس معاہدے پر سو سے زیادہ ممالک دستخط کر چکے تھے۔ یہ کنونشن ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک اس کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ یہ عورتوں کے حقوق کی بات کرتا ہے۔ اقوام متحدہ میں 140 ممالک شامل ہیں جن میں سے صرف 10 مسلم ممالک ہیں اور ان میں سے دو نے اس کنونشن پر دستخط کیے گئے ہیں۔ نجی ملکیت سے پہلے عورتوں کو بڑی قدر اور عزت حاصل

---

1 Ramzan, Shazia; Akhtar, Saira; Ahmad, Shabbir; Zafar, Muhammad Umar; Yousaf, Haroon (April 2018). "Divorce Status and Its Major Reasons in Pakistan". Sociolog Anthropology , P. 213

2 www.punjnid.com 12march,2012

تھی، قبیلوں کے فیصلوں میں عورتوں کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی مگر نجی ملکیت میں پدر شاہی نظام کا اثر سب سے زیادہ عورتوں پر ہوا جس نے خواتین کو باہر کی کھلی فضا سے کھینچ کر گھر کی چار دیواری اور پردے میں قید کر دیا۔ جاگیر داری اور پدر شاہی نظام نے عورتوں کی آزادی کو مکمل طور پر سلب کرنے کے لئے نہ صرف رسم و رواج بلکہ مذہب کا سہارا بھی لیا گیا۔ ان کو پردے میں بند کر دیا، ان کی زندگیوں پر ان کا اپنا اختیار نہیں رہا۔ مختلف لوگوں نے مختلف سطح پر عورتوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور بین الاقوامی طور پر بھی اس بات پر زور دیا گیا۔ اس کنونشن میں عورتوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے اور عورتوں کے حقوق کو بھی انسانی زمرے میں لایا گیا ہے۔ یہ کنونشن انسانی حقوق کے دوسرے معاہدوں سے اس طرح بھی مختلف ہے کہ اس میں عورتوں کو بچوں کی پیدائش کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جنس کی بنیاد پر تفریق پر بھی بات کرتا ہے۔ اس میں خواتین کی قانونی حیثیت کو سب سے زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ سیڈا واحد کنونشن ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کا ذکر کرتا ہے۔

سیڈا کے آرٹیکلز:

سیڈا 30 آرٹیکلز پر مشتمل ہے۔ اس کے 16 آرٹیکلز میں ان وعدوں کے بارے میں بتایا گیا ہے جو حکومت کنونشن تسلیم کرتے وقت کرتی ہے۔ باقی کے 14 آرٹیکلز (17-30) کمیٹی بنانے کے طریقہ کار سے متعلق ہیں جو کہ کنونشن پر عمل درآمد کا جائزہ لے گی۔ آرٹیکل نمبر 16: فریق ممالک شادی اور سماجی رشتوں کے حوالے سے خواتین کو مردوں کے مساوی حقوق پہنچائیں گے مثلاً اپنی مرضی کی شادی کرنے کا حق، اپنی مرضی کا لڑکا تلاش کر کے اپنی رضا سے شادی کرنے کا حق، شادی کے عرصے کے دوران اور اس کے خاتمے تک دونوں فریقوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔ بچوں کی تعداد اور ان کی پیدائش میں وقفے کے عرصہ کو متعین کرنے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری اطلاعات حاصل کرنے کا حق، بچوں کو متبنیٰ بنانا، سرپرستی دینا اور گود لینا جیسے تصورات جن جن ممالک میں بھی ایسے ادارے موجود ہیں وہاں بچوں کے استحقاق کو اولیت دی جائے گی۔ ایک جیسے ذاتی حقوق جس میں مرد کی طرح عورت کو بھی خاندانی نام رکھنے اور من پسند ملازمت اور پیشہ اختیار کرنے کا حق دیا جائے گا۔ شادی شدہ جوڑوں کو جائیداد کی خرید و فروخت، اس کا انتظام اس کو بیچنا یا بطور تحفہ دینے کا مساوی حق ہو گا۔ بچوں کی شادی کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی۔ شادی کے لئے عمر کی حد مقرر کی جائے گی اور شادی کو باقاعدہ رجسٹر کرانا لازمی ہو گا[1]۔

اکیسویں صدی میں قانون خلع میں ہونے والی تبدیلیاں:

مسلم فیملی لاز آرڈیننس میں مشرف دور میں قانون خلع میں تبدیلیاں کی گئیں، اس سے قبل عورت کے لئے لازم تھا کہ وہ اسی علاقے کی فیملی کورٹس میں خلع کا دعوی دائر کرے جہاں اس کی مستقل رہائش ہو، مشرف دور میں ۲۰۰۱ میں یہ تبدیلی کر دی گئی کہ عورت کسی بھی شہر کی فیملی کورٹ جہاں وہ ایک دن بھی ٹھہری ہو وہاں خلع کا دعوی دائر کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اب وہ صرف

1 https://iwda.org.au/assets/files/CEDAW-at-a-Glance.pdf

حق مہر واپس کرنے کی پابند ہو گی اگر اس نے دیگر فوائد حاصل کئے ہیں تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں[1]۔ ۲۰۰۵ میں فیملی کورٹس کو پابند بنا دیا گیا کہ وہ عورت کو خلع کی ڈگری جاری کرنے کے پابند ہوں گے چاہے پہلی سماعت پر شوہر اور بیوی میں مصالحت نہ ہو۔ ۲۰۰۸ میں اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت کو یہ تجاویز پیش کیں کہ اگر عورت عدالت میں تحریری طور پر طلاق کا دعوی دائر کرتی ہے تو شوہر ۹۰ دن میں اس کو طلاق دینے کا پابند ہو گا وہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو یہ مدت گزر جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی[2]۔ اسی طرح یہ تجویز پیش کی گئی کہ اس شق کو نکاح نامے کے کالم نمبر ۱۸ کے تحت شامل کر دیا جائے جہاں طلاق تفویض کا ذکر ہے وہاں یہ عبارت بھی شامل کر دی جائے کہ عورت اگر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی اور وہ طلاق نہ دے تو ۹۰ دن کے بعد یہ طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی[3]۔

خلع کی قانونی حیثیت:

مزید بر آں اسلامی نظریاتی کونسل نے خلع کی قانونی حیثیت بھی واضح کی؛ خلع سے متعلق موجودہ قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے، اتنی بات واضح رہنی چاہئے کہ کوئی عدالت اگر میاں بیوی میں علیحدگی کا فیصلہ دیتی ہے تو اسے خلع کے بجائے فسخ نکاح سے تعبیر کیا جائے[4]۔ اسی طرح کونسل نے تجویز پیش کی کہ نکاح نامے کی طرح ایک طلاق نامہ بھی ڈیزائن کیا جائے۔ یہ تجاویز جب میڈیا پر پیش کی گئیں تو ملک بھر کے جید علمأ کرام نے ان تجاویز کی سخت مخالفت کی تاہم ۲۰۱۰ میں خلع قوانین میں مزید تبدیلی کر دی گئیں۔ ۲۰۱۵ میں اس خلع کے قانون میں مزید ترمیم کر کے آسان کر دیا گیا کہ اگر دعوی دائر کیا جاتا ہے اور شوہر کو عدالت طلب کرتی ہے اور ان کو مصالحت کا کہتی ہے مگر مصالحت نہیں ہوتی اور عورت کہتی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ نہیں رہنا تو اس کو فوری طلاق کی ڈگری جاری کر دی جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ ترمیم بھی آئی ہے کہ عورت ۲۵ فیصد حق مہر شوہر کے لئے چھوڑے گی اگر مہر معجل ہے اور بقیہ لے گی۔ اگر مہر موجل ہے تو ۵۰ فیصد چھوڑ دے گی۔

خلاصہ مبحث:

اس مبحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حقوق انسانی کے بین الاقوامی اداروں کی ہدایات کی روشنی میں حکومت پاکستان اس امر کی پابند ہے کہ وہ خواتین کو بھی مردوں کی طرح حق طلاق دلوائے لہذا اس امر کو یقینی بنانے کے لئے ایسی قانون سازی کی گئی کہ خواتین جب خلع کے لئے فیملی کورٹس میں جائیں تو ان کو خلع کی ڈگری مل جائے، اس بات کو یقینی بنانے کے لئے فیملی کورٹس کو

---

1 فیملی کورٹس ایکٹ، مسلم فیملی لاء، 1961

2 مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱، نظر ثانی وسفارشات، ص:۴، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد ۲۰۰۹

3 ایضاً، ص:۱۱

4 مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۲، سالانہ رپورٹ ۲۰۰۷۔۲۰۰۸ ص:۸۴

پابند بنادیا گیا کہ اگر عورت صرف یہ کہہ دے کہ وہ شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو اس کو خلع کی ڈگری جاری کر دی جائے۔ اس قانون کے پاس ہونے کے بعد پاکستان میں طلاق و خلع کے مقدمات میں اضافہ ہوا اور بہت زیادہ خلع کی ڈگریاں جاری ی گئیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلاق و خلع کی وجوہات تو مختلف ہو سکتی ہیں لیکن خلع کی ڈگریوں کا بہت زیادہ جاری ہونا عالمگیریت کے زیر اثر ہونے والی قانون سازی ہی ہے جو نہ صرف اسلامی قوانین کے متصادم ہے بلکہ معاشرے کی اہم اکائی خاندان کی بقا کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ طلاق کی حد سے بڑھتی ہوئی شرح ایک لمحہ فکریہ ہے۔ پاکستانی معاشرے میں خلع و طلاق کے بڑھتے ہوئے واقعات کو دیکھا جائے تو ایک خطرناک تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ بدقسمتی سے مغربی تہذیب کے اثرات اور مادر پدر آزاد معاشرے کی اندھی تقلید کی وجہ سے ہمارے ہاں ماضی کے مقابلے میں طلاق کی شرح خطرناک حد تک پہنچ کر ایک سماجی مسئلہ بن چکی ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ اسلام کے قانونِ طلاق کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کرنے کیا جائے تاکہ اِس کا ناجائز استعمال روکا جاسکے۔ اس کام کے لیے معاشرے کے ذمہ دار طبقات اور علماء کو خصوصی توجہ دینے اور اِس کے اسباب و علل کا جائزہ لے کر تدارک کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ طلاق اور خلع کی اس بڑھتی ہوئی شرح میں عالمگیریت کے اثرات کا واضح عمل دخل ہے۔ ذیل میں ایک اور گراف مندرج ہے جس میں مخصوص تعداد میں طلاق کی شرح بھی درج ہے اور طلاق اور خلع کی وجوہات بھی، جو طلاق و خلع اور عالمگیریت کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔

مبحث دوم:

پاکستانی مسلم عائلی عدالتی فیصلے عالمگیریت کے تناظر میں

پاکستان کے مسلم عائلی قوانین اوراسلام کے عائلی قوانین میں کتنی مطابقت ہے اور کتنا تضاد ہے؟ اس تناظر میں پاکستان کے مسلم عائلی قوانین پر عالمگیریت کے کیا اثرات مرتب ہوئے اوران میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں؟ کیا وہ تبدیلیاں اسلام کے عائلی قوانین کے مطابق ہیں یا ان سے کسی درجہ مختلف ہیں؟ ذیل میں اس کا ایک مختصر سا جائزہ پیش خدمت ہے۔

پسند کی شادی:

اسلام کسی بھی بالغ لڑکی کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے اوراس کی مرضی کی بغیر نکاح کے انعقاد کو صحیح نہیں گردانتا۔ شعور نہ ہونے کی وجہ سے کئی ایک واقعات ہوئے جن کے تناظر میں مغرب نے یہ واویلا کیا کہ پاکستان کے عائلی قوانین عورتوں پر قدغن لگائے ہوئے ہیں۔ عالمگیریت کے تحت اس پروپیگنڈے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں یہ شعور پھیلا کہ وہ خودکشی کی بجائے یا زبردستی کی شادی کی بجائے عدالتوں کا رخ کرنے لگے پاکستانی عدالتوں اوراسلام کے عائلی قوانین میں کوئی تناقضیت موجود نہیں ہے جیسا کہ ان فیصلوں سے بھی ظاہر ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے اغواء کے مقدمہ میں قبل از گرفتاری ضمانت بحال کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ نکاح میں ولی کی موجودگی ضروری نہیں ہے اور جب منکوحہ نے جو 20 سال کی بالغ تھی آزاد مرضی سے نکاح کرنا تصدیق کیا تو اس کے مطابق ضمانت منظور کرلی گئی[1]۔

لاہور ہائی کورٹ نے مغویہ کی آئینی درخواست پر اسکے اور اسکے خاوند کے خلاف پرچہ تفتیش کے مرحلہ پر خارج کر دیا اور قرار دیا کہ ہر بالغ عورت کو اپنی مرضی سے شادی کا حق حاصل ہے[2]۔ جب مغویہ لڑکی نے تفتیشی افسر کے سامنے یہ بیان دیا کہ اسے اغواء نہیں کیا گیا اس نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے اور نکاح نامہ بھی پیش کیا تو ہائی کورٹ نے تفتیش کے مرحلہ پر کاروائی منسوخ کر دی[3]۔

لاہور ہائی کورٹ نے ایک جوان عورت کی رٹ درخواست پر اسکے بھائی کی طرف سے درج کرایا گیا پرچہ زیر دفعہ II حدود آرڈیننس خارج کر دیا اور ہائی کورٹ نے خود اس عورت کو اجازت دی کہ وہ اسی دن اپنے پسند کے مرد سے نکاح کرے[4]۔ جوان لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرے تو اسکے باپ کی طرف سے اغواء اور زناء کا درج کرایا ہوا مقدمہ صحیح نہ ہوگا۔ ہائی کورٹ نے تفتیش

1 PCR. LJ 1558,1997

2 PLJ 1998 CLC Lah. 745

3 PCR. LJ 1997, 638

4 PLJ 1997, Lah 201

کے مرحلہ پر دفعہ 10-11-16 حدود آرڈیننس کے مقدمات خارج کرنے کا حکم دیا[1]۔لاہور ہائی کورٹ نے مدعی کے بیان کردہ شرعی نکاح کو نہ مانتے ہوئے ملزمان کے دستاویزی نکاح کو درست قرار دیا اور زناء کا پرچہ تفتیش کے مرحلہ پر خارج کر دیا[2]۔لاہور ہائی کورٹ نے دفعہ 10 /16 کا مقدمہ اس بناء پر خارج کرنے کا حکم دیا کہ ملزمان نے نکاح کر رکھا تھا اور نکاح نامہ عدالت میں پیش کر دیا[3]۔جب مغویہ نے ملزم کے ساتھ پرچہ درج ہونے سے دس ماہ قبل نکاح کر رکھا تھا تو لاہور ہائی کورٹ نے باپ کے درج کرائے ہوئے پرچہ کو تفتیش کے مرحلہ پر خارج کر دیا[4]۔بالغ لڑکی با اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے شادی کرے اس کے لئے ولی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری نہ ہے[5]۔مسلمانوں کے شخصی قانون کے تحت کی گئی شادی ایک معاہدہ ہے جو لکھا جانا چاہئے۔ان تحریری شرائط کے خلاف زبانی شہادت کی کوئی حیثیت نہ ہو گی۔مسلم لاء کے تحت گواہان کی موجودگی میں فریقین کا ایجاب و قبول درست نکاح شمار ہو گا۔رجسٹریشن نہ کروانا صرف زیر دفعہ ۴ جرم ہے اس سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا[6]۔جب بالغ مرد وزن نے نکاح کر لیا تو ان کے خلاف زناء کا مقدمہ تفتیش کے مرحلہ پر ہی خارج کر دیا گیا[7]۔

خلع:

اسلام نے شادی جیسے مقدس فریضے کو قائم رکھنے اور مرد وزن میں سے کسی کی بھی اجارہ داری سے بچنے کے لیے طلاق کا اختیار مرد اور خلع کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دیا ہے۔اسلامی تعلیمات بھی اسی طرح ہی ہیں۔طلاق کی صورت میں مرد عورت کو اس کا مہر ادا کرتا ہے اور اگر علیحدگی خلع کی صورت میں ہو تو عورت کو اپنے حق مہر سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔پاکستان کے مسلم عائلی قوانین بھی اسی طرح ہیں اور اس ضمن میں عالمگیریت کا یہ واویلا بیکار ہے کہ اسلام میں عورت کو ایک باندی کی سی حیثیت حاصل ہے اور یا اسے تامرگ مرد کے ساتھ ہی رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے چاہے اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔البتہ اس عالمگیریتی مؤقف کی وجہ سے پاکستانی عورتوں میں یہ شعور آیا ہے کہ اگر مرد انہیں اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور وہ اپنے اس حق کے لیے عدالتی پلیٹ فارم کو استعمال کر سکتی ہیں۔اسی طرح مردوں میں اس شعور کی وجہ سے سختی کا عنصر کم ہوا ہے۔پاکستانی عائلی قوانین بھی یہی کہتے ہیں کہ خاوند کی جانب سے دی گئی طلاق کو طلاق ہی سمجھا جائے گا نہ کہ خلع سمجھا جائے گا۔بیوی کی آزادانہ رضامندی خلع کیلئے بہت ضروری ہے۔خاوند نے ثالثی کے فیصلے کے بعد بیوی کی رضامندی کے بغیر طلاق دی تو اسے خلع نہیں سمجھا جا سکتا۔نچلی

1 PCR. LJ 1997, 788/928

2 PLJ 1997 lah 690

3 PLJ 1997 Lah 869

4 PLJ 1997 Crc 863

5 Pcr.LJ 1985

6 NLR 1987 SD 595

7 KLR 1996 Crc 633

عدالتوں نے بالکل درست طور پر فیصلہ دیا کہ خاوند کی جانب سے دی گئی طلاق دراصل طلاق تھی خلع نہیں، اسلئے مہر اور دیگر مفادات وصول کرنے کی حقدار ہے[1]۔ خلع ایک ایسی طلاق ہے جس میں بیوی شوہر کو شادی کے بندھن سے رہائی کے بدلے میں بدل ادا کرتی ہے اور اسکو طلاق بائن (ایک طلاق) کہا جاتا ہے۔ عدالت کی جانب سے خلع کا اعلان ایک طلاق کہلائے گا اور اس میں بیوی بغیر حلالہ کے اپنے شوہر کے ساتھ نکاح کے بعد رہ سکتی ہے[2]۔

خلع کی صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور اس صورت میں فقہ حنفی کے مطابق رجوع بغیر حلالہ کے بھی ہو سکتا ہے اور یہی قانون پاکستان کا بھی ہے جیسا کہ کراچی ہائی کورٹ ایک فیصلے میں کہتی ہے کہ فریقین نے استدعا کی تھی کہ شادی کی تنسیخ کا دعویٰ غلط فہمی کی بنیاد پر کیا گیا تھا اور اب دونوں دوبارہ سے بغیر حلالہ کے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جواز: مسلم عائلی قوانین آرڈیننس 1961 کے تحت طلاق کا بیان کردہ طریقہ بتا دیا گیا ہے۔ فریقین بغیر حلالہ کے آپسمیں شادی کر سکتے ہیں[3]۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو اسے ہر گز مجبور نہیں کیا جا سکتا لہٰذا عورت کی اپیل منظور کر کے فیصلہ دیتے ہوئے خلع کی ڈگری جاری کر دی گئی[4]۔ جو شادی قرآن میں بیان کی گئی شادی کی منشا یعنی سکون و محبت اور راحت کے تقاضے پورے نہ کرتی ہو اور ان سے متصادم ہو اور ایک شادی سے اگر ان مقاصد کی تعمیل نہ ہوتی ہو تو کیا اسے قائم رہنا چاہئیے گو کہ یہ بے مقصد ہو اور حتیٰ کہ تکلیف دہ اور نقصان دہ ہو تو بہتر ہے کہ اس شادی کی تنسیخ کر دی جائے تا کہ ایک ناکام شادی کے مضر نتائج سے گریز کیا جا سکے[5]۔ خلع اسلام میں مسلمہ طلاق کی دوسری راہ ہے[6]۔ خلع کے تحت طلاق کیلئے عورت کا اکیلا بیان کافی ہے خلع کے تحت طلاق کی صورت میں عورت کو حق مہر واپس کرنا پڑتا ہے[7]۔

اگر رخصتی نہ ہو تو خلع کے تحت طلاق لینے کی صورت میں مفادات کی واپسی ضروری نہ ہے[8]۔ حق مہر ادا ہو یا نہ ہو مفاد یا تحفہ کے زمرے میں نہیں آتا۔ خلع کے تحت طلاق کی صورت میں ان کی واپسی ضروری ہے۔ خلع کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کی ڈگری ایک طلاق شمار ہو گی۔ خاوند کو بغیر حلالہ کے نکاح کی رسم کر کے بیوی کے ساتھ دوبارہ شادی کرنے کا اختیار ہے[9]۔ بیوی نے جہیز / مہر کی رقم چھوڑ کر خلع کی بنیاد پر تنسیخ نکاح طلب کیا تھا۔ شادی کے بعد فریقین چند روز گزارنے کے بعد ہی ازدواجی تعلقات قائم نہ رکھ سکے۔ بیوی کے مطابق اسکی زندگی عذاب ہو چکی تھی۔ خاوند کو تین مواقع دیئے گئے کہ وہ اپنے بارے میں شہادت پیش کرے لیکن

---

1 PLD 2016 Peshawar High Court 1
2 PLD 88 Lahore High Court 2013
3 PLD 209 Karachi High Court 2013
4 PLD 2005 Supreme Court 293
5 PLD 1967 Supreme Court 97
6 PLD 1992 AJK 14
7 MLD 2016 Islam High Court 1183
8 NLR 1986 SCJ 58
9 PLD 2010 Karachi High Court 131

وہ شہادت پیش کرنے میں ناکام رہا۔ ایسی صورت میں عدالت ماتحت کی جاری کردہ ڈگری خلع میں عدالت عالیہ نے مداخلت نہ کرتے ہوئے اسے درست قرار دیا[1]۔

خلع کی اجازت عورت کی شہادتوں سے عدالت کے مطمئن ہونے کے تابع ہے۔ اگر فریقین اللہ پاک کی مقررہ حدود کے مطابق بطور میاں بیوی نفرت رنجش اور حقارت کی وجہ سے نہ رہ سکتے ہوں تو عدالت شہادتوں کے پیش نظر خلع کی اجازت عطا کر سکتی ہے۔ لیکن عدالت عالیہ نے محسوس کیا کہ عدالت سماعت نے صرف عورت کی درخواست کو مدنظر رکھا اور کوئی معقول شہادت نہ ہونے کے باوجود خلع کی اجازت جاری کردی عدالت عالیہ نے ماتحت عدالت کے فیصلے کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ زوجہ نے اگر مہر وصول نہ کیا ہو تو وہ خلع مانگتے وقت اسے وصول کر سکتی ہے اور ایسا بدل ادا کرنے کے بعد جسکا تعین کرے[2]۔ خلع کی صورت میں عورت کو تحفے واپس نہیں کرنے ہوتے۔ فیملی کورٹ ایکٹ 1964 کی دفعہ 10(4) میں کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ ہائی کورٹ نے آئینی درخواست مسترد کردی[3]۔ فیملی کورٹ نے خلع کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کیا اور بیوی نے خرچہ کا دعویٰ کیا جو فیملی کورٹ نے خارج کردیا۔ بیوی نے مؤقف اختیار کیا کہ جو علیحدگی ظلم کی بنیاد پر ہو اس میں حق واپس کرنے کی بیوی پابند نہیں ہے۔ عدالت میں خاوند کے ظلم کو بیوی ثابت کرنے میں ناکام رہی تھی اس وجہ سے خلع کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کی۔ عدالت عالیہ نے 199 رٹ کے اختیار میں متعلقہ عدالت کا فیصلہ کالعدم قرار نہیں دیا جب تک کہ کوئی قانونی غلطی نہ ہو[4]۔ بیوی کا حق ہے کہ وہ حق مہر واپس کرکے خاوند سے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ جہاں پر دونوں فریقین کا خوشی سے رہنا ممکن نہ ہو کہ وہ احکام خداوندی کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ اگر خلع کی گراؤنڈنہ بھی لی گئی ہو تو عدالت عورت کو تنسیخ نکاح کا حق دے سکتی ہے[5]۔

انٹرنیٹ پر نکاح کا جواز:

نکاح ایک مقدس بندھن ہے جو نہ صرف نسل انسانی کی پروقار بقا کا ضامن ہے بلکہ ایک ساتھ رہنے کا قانونی اور شرعی معاہدہ بھی ہے جسے معاشرے میں عیب کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ آج کے دور میں جدید ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہر چیز میں جدت کا رنگ نظر آتا ہے۔ اسی کی ایک شکل ٹیلی فون یا انٹرنیٹ پر ویڈیو کال کے ذریعے نکاح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ٹیلی فون یا انٹرنیٹ کے ذریعے نکاح ہونے کے بعد بہت سے ایسے کیسز رپورٹ ہوئے جن میں فریقین کے ساتھ دھوکہ ہو گیا۔ چونکہ اس میں دھوکہ اور فراڈ بازی کا عنصر بہت زیادہ استعمال ہو سکتا ہے اسلئے اس مقدس بندھن کو چال بازی کی نظر ہونے

---

1 NLR 1992 CLJ 718

2 PLJ 2007 Lahore High Court 198

3 YLR 2011 Karachi High Court 2625

4 MLD 2013 Peshawar High Court 537

5 MLD 2013 Peshawar High Court 12

سے بچانے کیلئے اس کی شرعی حیثیت کو دیکھتے ہیں۔ نکاح ہونے کی شرائط یعنی شرائط انعقاد نکاح کیلئے تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ان شرائط میں کوئی ایک شرط بھی پوری ہونے سے رہ جائے تو نکاح باطل قرار پاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے بھی ہے کہ جیسے وضو کے لازمی عوامل میں سے ایک بھی عمل رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا ایسے ہی ان شرائط نکاح کو پورا کرنا ضروری ہے۔ فقہاء نے درج ان شرائط کو شرائط انعقاد قرار دیا ہے۔ اول؛ ایک ہی تقریب میں دولہا و دلہن کا ایجاب و قبول۔ دوم؛ فریقین کے ایجاب و قبول میں مطابقت ہو یعنی جزوی نہ ہوں۔ سوم؛ دولہے کے ایجاب کے ختم ہونے سے پہلے دلہن کی جانب سے قبول ہو جائے۔ چہارم؛ ایجاب و قبول کے الفاظ ایسے ہوں جن سے نکاح کا اسی وقت ہونا ظاہر ہو۔ ٹیلی فون اور انٹرنیٹ پر ہونے والے نکاح میں بھی اتحاد مجلس بھی ایک ہی محفل یا تقریب میں دونوں دولہا اور دلہن کے ایجاب و قبول پر بات کریں گے۔ ٹیلی فون اور دیگر جدید ذرائع مواصلات پر نکاح کے حوالے سے مختلف علماء کے نظریئے اور فتاوی جات سامنے آ چکے ہیں۔

پاکستانی مسلم عائلی قوانین آرڈیننس 1961 کے تحت ہر نکاح جو اسلامی قانون کے تحت وقوع پذیر ہو گا وہ مندرجہ بالا قانون کی دفعہ 5 کے تحت رجسٹرڈ ہو گا۔ لاہور کی عدالت نے اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ ایسا نکاح جو مسلم فیملی لاء آرڈیننس 1961 کے تحت رجسٹرڈ ہوا ہو اس کے مستند ہونے پر عائلی عدالت کے سامنے سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ہاں اگر ایسا نکاح فراڈ یا دھوکہ دہی سے سرانجام دیا گیا ہو تو اس کیلئے ہرجانہ موجود ہے [1]۔

نان و نفقہ:

نکاح کے بعد عورت کی نان و نفقہ کا ذمہ دار مرد ہے۔ یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عورت کی معاشری اور معاشرتی ضروریات پوری کرے اور اسے تحفظ فراہم کرے۔ عالمگیریت نے اسلام دشمنی کی مخاصمت میں یہ شور مچایا کہ مغرب کی عورت کے حقوق زیادہ ہیں اور اسے وہاں کی عدالت کی طرف سے مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اس ضمن میں اسلامی اور پاکستانی مسلم عائلی قوانین واضح ہیں کہ نان و نفقہ عورت کا بنیادی حق ہے۔ ایک عورت جب شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر آتی ہے تو پھر اسکی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنا، اسے محفوظ رکھنا شوہر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ عدالت کے مطابق "نان و نفقہ" کا مطلب ہے کہ زندگی کی ضروریات کو پورا کرنا۔ شوہر کے ذمہ وہ تمام اخراجات ہیں جو ذہنی اور جسمانی صحت کیلئے ضروری ہیں۔ عدالت کے مطابق بچے کی ولادت کے اخراجات بھی جسمانی اور ذہنی صحت میں شامل ہیں۔

عام طور پر بچوں کی پیدائش خصوصاً پہلے بچے کی پیدائش پر عورت کے والدین ہی اخراجات اٹھاتے ہیں۔ عورت اپنے خاوند سے یہ اخراجات وصول کرنے کی حقدار ہے۔ ہمارے معاشرے میں بیوی پر عموماً صرف تب خرچ کیا جاتا ہے جب وہ شوہر کے گھر رہ رہی ہوتی ہے اور اس معاملے میں بھی زیادہ تر شوہر خرچہ ایسے دیتے ہیں کہ بیوی کی برداشت کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر مقدمات نان و نفقہ نہ ادا کرنے پر تنسیخ نکاح کے آتے ہیں اور یا پھر عورتیں نان و نفقہ کا دعویٰ دائر کرتی ہیں کہ انکے شوہر

---

1 PLD 2000 Lahore high Court 355

انکو اور انکے بچوں کو خرچ نہیں دیتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نان ونفقہ کتنا ہونا چاہئے؟ کیونکہ ہر زمانے میں چیزوں کی قیمتیں بڑھتی رہتی ہیں۔ خرچہ نان ونفقہ طے کرتے ہوئے عدالت شوہر کی معاشی حالت کو بھی سامنے رکھتی ہے۔

2012 میں لاہور کی عدالت میں ایک مقدمے میں عدالت نے کہا کہ چونکہ مدعاعلیہ کے بچے اعلیٰ انگریزی اسکول میں زیر تعلیم ہیں لہذا ان کا خرچہ نان ونفقہ مقرر کرتے ہوئے اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ مدعاعلیہ کی مالی حیثیت اچھی ہے[1]۔ نان ونفقہ مقرر کرتے ہوئے شوہر کی معاشی حالت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن بڑھتی مہنگائی کی تناظر میں عورت اور اولاد کی ضروریات کے حساب سے اضافے کی بھی اجازت ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی بار طے کرکے کئی سال اسی طے کردہ نان ونفقہ پر گزارا دیے جائیں بلکہ وقت کے مطابق اس میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے جیسا کہ ایپلٹ کورٹ نے 10 فیصد کی بجائے 15 فیصد سالانہ اضافہ نابالغ بچی کے نان و نفقہ میں کیا جو کہ چیزوں کی بڑھتی ہوئی قیمت اور روپے کی گھٹتی بڑھتی قدروقیمت کو مد نظر رکھتے ہوئے تھا[2]۔ بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد ماں اولاد کے ساتھ کسی اور جگہ رہ رہی ہوتی ہے اور اس دوران والد کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اسلامی تعلیمات بھی یہی ہیں کہ ان بچوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری دادا پر گی اور یہی فیصلہ پاکستانی مسلم عائلی قوانین کا بھی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بچے یا بیوی کا خرچہ باپ کے خلاف ڈگری ہونے کی صورت میں Execution کے دوران عدالت دادا کی جائیداد میں منسلک کرسکتی ہے، چاہے دعویٰ میں دادا فریق ہو یا نہ ہو[3]۔

شادی کے اخراجات:

شادی ایک مقدس رسم ہے لیکن پاکستان میں اسے بھی نمود ونمائش کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ امیر لوگ بہت زیادہ خرچہ کرتے ہیں جبکہ غریبوں کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوتے۔ یہ بھی عالمگیریت کے اثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ شادی جیسے اسلامی اور مقدس بندھن کو لعوولہب جیسی رسومات کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔ ریاست کو افراد کیلئے ماں کا مقام دیا جاتا ہے پرامن اور منظم معاشرے کے لئے ریاست کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے۔ افراد کی تربیت سے لیکر قانون سازی اور قانون پر عملدرآمد ریاست کی ذمہ داری ہے ریاست یہ ذمہ داری حکومت کے ذریعے سرانجام دیتی ہے، سیاسیات میں جو طرز حکومت بیان ہوئے ہیں ان سب میں سے جمہوری طرز کو بہتر خیال کیا جاتا ہے کیونکہ جمہوری طرز حکومت کو عوام کی تائید وحمایت حاصل ہوتی ہے اس لئے لولی لنگڑی جمہوریت کو بھی آمریت پر فوقیت دی جاتی ہے۔

پاکستانی معاشرہ آج جن مسائل اور بگاڑ کا شکار ہے اسکی بنیادی وجہ لڑکی کی شادی پر جہیز کی لعنت اور والدین پر بارات، منگنی، مہندی جیسی ہندوانہ رسومات کو قرار دیا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ اسلام نے نکاح کو انتہائی آسان اور زنا کو انتہائی مشکل بنایا ہے جبکہ بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ میں نکاح کو انتہائی مشکل بنا کر رکھ دیا ہے جس سے رشوت ستانی۔ کرپشن، لوٹ مار، اغواء

1 PLD 2012 Lahore High Court 420
2 CLCN 2017 Lahore High Court 16
3 PLD 2012 Lahore High Court 48

برائے تاوان ڈکیتی اور قتل جیسے سنگین جرائم کی وباء پھیلتی جارہی ہے۔ غریب والدین کی بیٹیاں شادی کے اخراجات اور جہیز کی وجہ سے بن بیاہی بیٹھی ہیں۔ ریاست اس سنگین معاملہ کا ادراک ہونے کے باوجود اس پر مؤثر قانون سازی اور عملدرآمد میں ناکام رہی ہے۔ 1967 میں جہیز کی نمائش پر پابندی عائد کی گئی اور خلاف ورزی پر ایک سال قید اور پانچ ہزار جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی لیکن جہیز لینے اور دینے پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی۔ 1976 میں غریب خاندان کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور شادی پر اخراجات اور جہیز کو ہندوانہ کلچر قرار دیتے ہوئے وفاقی حکومت نے قانون سازی کی، جہیز کی صورت میں دلہن کے تحائف کی حد پانچ ہزار روپے مقرر کی گئی اور شادی کے دیگر اخراجات کی حد دو ہزار پانچ سو روپے مقرر ہوئی، سلامی کی صورت میں مہمانوں کی طرف سے تحائف ایک سو روپے۔ تحائف دکھانا لازمی اور اخرجات و تحائف کی لسٹ لازمی تیار کیا جانا ضروری قرار دیا گیا خلاف ورزی کی صورت میں چھ ماہ قید اور دس ہزار روپے جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی لیکن بدقسمتی سے قانون پر عملدرآمد کروایا جانا کسی بھی ذمہ دار نے ضروری نہ سمجھا اور یہ محض کتابوں کی حد تک ہی محدود ہو کر رہ گیا اور اعلیٰ عدالتوں نے بھی اپنے فیصلوں میں فیملی مقدمات میں بالواسطہ اس قانون کو قانون نہ سمجھا ہے۔

وفاقی حکومت کی طرف سے شادی بیاہ پر اخرجات کے سلسلہ میں 1976 کے قانون کے تحت اخراجات کی حد 2500 روپے مقرر تھی اب اس کو تبدیل کر کے دو لاکھ مقرر کیے جانے کا امکان ہے۔ 1992 میں پاکستان لاء جسٹس کمیشن آف پاکستان نے 1976 کے قانون کا جائزہ تفصیل سے لیا اور چند ترامیم تجویز کی گئیں تحائف 5 ہزار سے بڑھا کر 50 ہزار شہری علاقوں میں جبکہ دیہی علاقوں میں 2500 روپے، سلامی سو روپے کی بجائے 400 روپے شہری علاقوں میں اور دیہی علاقوں میں 200 روپے، دولہا اور اسکی جانب سے کسی بھی صورت میں جہیز اور تحائف کی ڈیمانڈ کی اجازت نہ ہو۔ آتش بازی، فائرنگ، مجرا پر پابندی اور کھانا میں ایک ڈش سے ذیادہ کھانا کی اجازت نہ ہو۔ خلاف ورزی والے فنکشن میں شرکت کرنے والے ہر مہمان پر 5000 روپے جرمانہ عائد کیا جائے جہیز کی مکمل لسٹ والدین یا گارڈین تیار کریں جس پر نکاح خواں اور شادی کے گواہان کے لازمی دستخط کروائے جائیں مگر بدقسمتی سے کمیشن کی ان تجاویز پر عملدرآمد نہ ہوا۔

1997 میں وفاقی حکومت نے شادی پر بے جا اخراجات پر پابندی کا قانون بنایا جسکی معیاد دو سال مقرر کی گئی اس میں گھر بلڈ نگ گلی سڑک کی ڈیکوریشن پر پابندی، ہوائی فائرنگ اور آتش بازی اور کھانے پر مکمل پابندی لگائی گئی۔ مہمانوں کی تواضع صرف کولڈ ڈرنک یا چائے سے کیے جانے کی اجازت دی گئی، خلاف ورزی پر کم از کم جرمانہ ایک لاکھ روپے اور زیادہ سے زیادہ تین لاکھ روپے مقرر کیا گیا۔ 1998 میں ترمیم کر کے شادی کی تقریبات غروب آفتاب کے بعد کرنے کی ممانعت کی گئی اور قانون کی معیاد مزید دو سال کیلئے بڑھا دی گئی۔ 1999 میں نیا آرڈیننس دیا گیا جس میں 1997 والے قانون کی تمام دفعات کو شامل کر کے شادی میں مہندی، منگنی، رخصتی، ولیمہ اور اس سے متعلقہ تمام رسومات کو شامل کیا گیا اور اسکی معیاد دو سال مقرر کی گئی۔

سپریم کورٹ آف پاکستان میں میرج ہالز کے مالکان کی طرف سے 1998-1997اور 1999 کے قوانین کو آرٹیکل 184(3) کے تحت چیلنج کیا گیا جس میں ولیمہ کو اسلامی اور سنت قرار دے کر اسکے حق میں احادیث کا حوالہ دیا گیا اور بارات میں کھانے کے جواز میں موقف اختیار کیا گیا کہ لوگ بارات میں دور دراز سے آتے ہیں تقریب میں کھانا نہ ہونے کی بنا پر انھیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور شام کے بعد تقریبات کے انعقاد کو بھی مشکلات کی بنا پر ہدف تنقید بنایا گیا۔اس پٹیشن کے زیر سماعت ہونے کے دوران ہی سال 2000 میں نیا آرڈیننس نافذ کر دیا گیا جس میں 1998-1997 اور 1999 کے قوانین کی دفعات ہی شامل تھیں۔سپریم کورٹ نے اس پٹیشن کو تکنیکی وجوہات کی بناء پر منظور کر لیا کہ وفاقی حکومت کو ایسا قانون بنانے کا اختیار ہی نہیں ہے کیونکہ یہ صوبائی معاملہ ہے۔ 2003 میں پنجاب اسمبلی نے قانون سازی کی جسمیں زیادہ تر دفعات سال 2000 کے آرڈیننس کی شامل تھیں لیکن تقریب ولیمہ میں سنگل ڈش کی اجازت دی گئی اور مہمانوں کی تعداد 300 مقرر کر دی گئی اور اگر تعداد 300 سے زیادہ ہو تو صرف چائے،کولڈ ڈرنک یا سوپ دینے کی اجازت دی گئی۔ حکومت پنجاب نے شادی تقریبات آرڈیننس 2015 جو گورنر پنجاب نے 3 جنوری 2016 نافذ کیا ہے جس میں شادی سے مراد منگنی مایوں مہندی بارات نکاح رخصتی اور ولیمہ ہے اور ون ڈش سے مراد ایک سالن ایک ڈش چاول ایک سلاد ایک کولڈ ڈرنک اور ایک ہاٹ ڈرنک، روٹی نان اور ایک سویٹ ڈش ہے۔

شادی کے سلسلہ میں کسی گلی، سڑک عوامی پارک یا بلڈنگ کو ماسوائے اس بلڈنگ کے جہاں تقریب منعقد ہو رہی ہو لائٹوں سے سجانے کی ممانعت ہے اسلحہ سے فائرنگ آتش بازی یا کریکر چلانے پر پابندی ہے۔ہمسایوں کے مضرت یا خلل کے موجب بننے والے افعال پر پابندی ہے کوئی شخص اپنی شادی یا انتظام کرنے والا ون ڈش سے زیادہ کھانے میں پیش نہیں کرے گا اور نہ اسکی اجازت دے گا جبکہ اس سلسلہ میں گھر والے اور گھر میں ٹھہرے ہوئے مہمان اس پابندی سے مستثنیٰ ہونگے۔شادی کا فنکشن رات دس بجے تک لازماً ختم ہو گا۔ گورنمنٹ اس پر عملدرآمد کیلئے کمیٹیاں بنا سکتی ہے خلاف ورزی کے مرتکب افراد کو ایک ماہ سزا اور جرمانہ جو 50 ہزار سے کم نہ ہو اور 20 لاکھ سے زائد نہ ہو اور یہ جرم قابل ضمانت ہو گا[1]۔

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی اجازت:

شریعت کی رو سے مرد ایک وقت میں چار سے زائد بیویاں نکاح میں نہیں رکھ سکتا لیکن مرد کو یہ لازمی قرار دے دیا گیا کہ وہ ان کے مابین عدل کا خیال رکھے گا ورنہ ایک ہی بیوی کافی ہے۔ مغرب میں اس بات کا مذاق بھی اڑایا گیا اور یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ اسلام بلکہ پیغمبر اسلام (نعوذ باللہ) عیاشی کا درس دیتے ہیں اور عورت کی اس ضمن میں کوئی مرضی نہیں چلتی۔ عورت کو تو تعدد ازواج میں سختی کا سامنا ہے جبکہ مرد کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں عورت کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے۔ یہ ایک عالمگیر واویلا تھا جس کا اثر بھی پاکستان پر واقع ہوا اور پاکستان نے یہ قانون منظور کیا کہ دوسری شادی کے لیے مرد کو پہلی بیوی سے اجازت لینا

---

1 وڑائچ، عرفان اللہ ایڈووکیٹ، جہیز کی لعنت اور شادی کے اخراجات مشمولہ ماہنامہ القانون اسلام آباد، فروری 2017ء

ہوگی۔ یہ قانون سراسر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے اور محض عالمگیریت کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت لینی ضروری ہے اوراجازت نہ لینے کی صورت میں شادی کرنے پر سزا بھی دی جاتی ہے جیسا کہ کہا گیاہے کہ خاوند کو پہلی شادی کی موجودگی میں بلااجازت دوسری شادی کرنے پر مجسٹریٹ کی عدالت سے ایک ماہ کی سزادی گئی جس پر عدالت عالیہ نے اپیل خارج کردی۔ سپریم کورٹ میں سزا کے خلاف درخواست اجازت اپیل دائر ہوئی جو کہ سپریم کورٹ نے خارج کرتے ہوئے قرار دیا کہ ملزم خوش قسمت ہے جو عدالت نے صرف ایک ماہ کی سزادی ہے اسے ایک سال کی سزا ہوسکتی ہے جبکہ خاوند کی اپیل کی اجازت کی درخواست خارج کردی گئی[1]۔ جب خاوند نے پہلی شادی کی موجودگی میں دوسری شادی بلااجازت ثالثی کونسل رچائی تو پہلی بیوی کے علاوہ کوئی بھی شخص اس امر کی شکایت کرسکتاہے[2]۔

نکاح میں ولی کی حیثیت:

مغرب نے اس بات پر بھی اسلام کو طعن و تشنیع کانشانہ بنایا کہ اسلام میں عورتوں کی حیثیت بھیڑ بکریوں کی سی ہے جنہیں روزمرہ زندگی میں اپنے فیصلے کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ وہ نہ تو اپنی مرضی سے شادی کرسکتی ہیں اور نہ ہی اپنی مرضی سے اپنے خاوند سے علیٰحدہ ہوسکتی ہیں۔ ان دوباتوں کی حقیقت مذکور ہوچکی ہے۔ سردست یہ بات زیر بحث ہے کہ مغربی پروپیگنڈے میں اس بات کا بھی چرچا کیا گیا کہ عورت کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق نہیں ہے اور بوقت شادی اس کے ولی کا موجود ہونے ضروی ہے۔

پاکستان میں عائلی قوانین میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ عاقل اور بالغ عورت نہ صرف شادی بلکہ تمام معاہدات کرنے کی مجاز ہے اوران میں کسی بھی صورت ولی کا موجود ہوناضروری اور لازمی نہیں ہے۔ اسلامی عائلی قوانین بھی اسی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ نے اغواء کے مقدمہ میں قبل از گرفتاری ضمانت بحال کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ نکاح میں ولی کی موجودگی ضروری نہیں ہے اور جب منکوحہ نے جو20 سال کی بالغ تھی آزادمرضی سے نکاح کرنا تصدیق کیاتواس کے مطابق ضمانت منظور کرلی گئی[3]۔ ہر بالغ عورت کواپنی مرضی سے شادی کا حق حاصل ہے[4]۔ جب مغویہ لڑکی نے تفتیشی افسر کے سامنے یہ بیان دیا کہ اسے اغواء نہیں کیا گیا اس نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے اور نکاح نامہ بھی پیش کیاتو ہائی کورٹ نے تفتیش کے مرحلہ پر کاروائی منسوخ کردی[5]۔

لاہور ہائی کورٹ نے ایک جوان عورت کی رٹ درخواست پر اسکے بھائی کی طرف سے درج کرایا گیا پرچہ زیر دفعہ II حدود آرڈیننس خارج کردیااور ہائی کورٹ نے خود اس عورت کو اجازت دی کہ وہ اسی دن اپنے پسند کے مرد سے نکاح کرے[6]۔

---

1 PLD 2017 Supreme Court 187
2 PLD 1991 Supreme Court 124
3 PCR 1997 LJ 1558
4 PLJ 1998 CLC Lahore High Court 745
5 PCR 1999 LJ638
6 PLJ 1997 Lahore High Court 201

جوان لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرے تو اسکے باپ کی طرف سے اغواء اور زناء کا درج کرایا ہوا مقدمہ صحیح نہ ہو گا۔ ہائی کورٹ نے تفتیش کے مرحلہ پر دفعہ 10-11-16 حدود آرڈیننس کے مقدمات درج کرنے کا حکم دیا[1]۔ جب مغویہ نے ملزم کے ساتھ پرچہ درج ہونے سے دس ماہ قبل نکاح کر رکھا تھا تو لاہور ہائی کورٹ نے باپ کے درج کرائے ہوئے پرچہ کو تفتیش کے مرحلہ پر خارج کر دیا[2]۔ بالغ لڑکی با اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے شادی کرے اس کے لئے ولی کی رضامندی حاصل کرنا ضروری نہ ہے[3]۔ مسلمانوں کے شخصی قانون کے تحت کی گئی شادی ایک معاہدہ ہے جو لکھا جانا چاہیئے۔ ان تحریری شرائط کے خلاف زبانی شہادت کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ مسلم لاء کے تحت گواہان کی موجودگی میں فریقین کا ایجاب و قبول درست نکاح شمار ہو گا۔ رجسٹریشن نہ کروانا صرف زیر دفعہ ۴ جرم ہے اس سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا[4]۔

وراثت میں یتیم پوتے پوتی کا حصہ:

عالمگیریت کا اثر جن مسلم عائلی قوانین پر ہوا ہے ان میں سے ایک قانون وراثت بھی ہے جو یتیم پوتے یا پوتی سے متعلق ہے۔ اسلام نے صحت مند معاشرہ کو معرض وجود میں لانے کیلیئے کنبہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسکے افراد کے مفاد کو یوں ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا ہے کہ محبت و قرابت کا باہمی رشتہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ اسکے لئے جو وسائل اختیار کئے ہیں انہی میں سے ایک نظام میراث ہے۔ زندگی میں اگر کنبہ کا کوئی فرد افلاس و غربت کا شکار ہو جائے تو دوسرے افراد پر اسکے نفقہ کو فرض قرار دیا۔ اسی طرح موت کے بعد متوفی کے قریبی رشتہ داروں میں اسکی جائیداد کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تاکہ زندگی اور موت میں کنبہ کا مفاد یوں باہم پیوستہ رہے کہ جدائی کا خیال ہی ان میں راہ نہ پا سکے۔ کنبہ کے اتحاد کو برقرار رکھنے کیلیئے نظام وراثت میں قرابت کا اصول پیش نظر رکھا گیا۔ میراث میں حصہ کے ملنے یا نہ ملنے اور حصے کے کم یا زیادہ ہونے میں رشتہ کی نزدیکی اور دوری کا بہت بڑا دخل ہے۔

دوسرا اصول ضرورت ہے یعنی قریبی رشتہ داروں میں حصہ کی کمی بیشی کا مدار ضروریات (Necessity) کو قرار دیا۔ جتنی کسی کی ضروریات زیادہ اور ذمہ داریاں کثیر ہونگی اسی لحاظ سے اسکا حصہ مقرر کیا جائے گا۔ مثلاً متوفی کے والدین اور اسکی اولاد کی قرابت بالکل مساوی نوعیت کی ہے لیکن اولاد جو زندگی کے سفر کا اب آغاز کر رہی ہے اسکی ضروریات والدین کی ضروریات سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں جو اس طویل سفر کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے ہوں۔ نیز والدین کے پاس تو زندگی بھر کا کچھ نہ کچھ اندوختہ ہوتا ہی ہے اور اولاد بالکل خالی ہاتھ ہے۔ یہی فرق لڑکی اور لڑکے میں ہے، لڑکی پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں، شادی سے پہلے اسکے والدین اسکی تمام ضروریات کے کفیل ہیں اور شادی کے بعد اسکی رہائش، لباس اور خورد و نوش کی تمام تر ذمہ داری خاوند پر

1 PCR 1997 LJ 788/928
2 PLJ 1997 CRC 863
3 PCR 1984 LJ 1964
4 NLR 1987 SD 595

ہے۔ اسکی اولاد کی تعلیم و تربیت کے جملہ مصارف بھی اسکے خاوند کے ذمہ ہیں۔ مزید بر آں عملی زندگی کی سرگرمیاں جس سرمایہ کی محتاج ہیں اسکا مہیا کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔

یہ حقائق ہیں جن کے پیش نظر اسلام نے والدین اور اولاد، عورت اور مرد کے حصوں میں فرق کیا ہے اور یہ فرق ہی عین عدل ہے۔ ان امتیازات کی موجودگی میں انکے حصوں کو مساوی رکھنا مساوات تو ہوگی لیکن کھوکھلی اور ظالمانہ اور اسلام صرف اس مساوات کا علمبردار ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ تیسرا اصول تقسیم وراثت یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے اور وراثت کی تقسیم میں بھی اس اصول کو ملحوظ رکھا۔ اسلئے صرف بڑے لڑکے یا صرف لڑکوں کو ہی وارث تسلیم نہیں کیا بلکہ تمام اولاد، لڑکے اور لڑکیاں اور انکے علاوہ کئی اور رشتہ داروں کو وارث قرار دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد میں یہ دولت تقسیم ہو۔ یہ وہ تین اصول ہیں (قرابت، ضرورت اور تقسیم دولت) جن پر اسلام کا یہ بے نظیر نظام وراثت قائم ہے۔ آدمی کو اپنے کل مال کے ایک تہائی حصہ کی حد تک وصیت کرنے کا اختیار ہے اور وصیت کا یہ قاعدہ اسلئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ قانون وراثت کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں سے حق نہیں پہنچتا ان میں سے جس کو آدمی مدد کا مستحق پاتا ہو اپنے اختیار تمیزی سے اسکا حصہ مقرر کر دے۔ مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی (بیٹے کے ہوتے ہوئے) موجود ہے یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت، تکلیف کے دن کاٹ رہی ہے یا کوئی بہن، بھائی، بھاوج، بھتیجا، بھانجا یا کوئی عزیز ایسا ہے جو سہارے کا محتاج نظر آتا ہے تو اسکے حق میں وصیت کے ذریعے سے حصہ مقرر کیا جا سکتا ہے اور اگر رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہے تو دوسرے مستحقین کیلئے یا رفاہ عامہ میں صرف کرنے کی وصیت کی جا سکتی ہے۔ سارا مال وصیت کرنے کی اجازت نہ دینے میں بھی یہی فلسفہ پوشیدہ ہے کہ متوفیٰ کا خاندان کسی کا محتاج نہ ہو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دادا زندہ ہوتا ہے لیکن اس کا کوئی صاحب اولاد بیٹا فوت ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان یتیم پوتے یا پوتیوں کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے لیکن پاکستان کے عائلی قوانین میں انہیں حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے جو کہ صرف اور صرف عالمگیریت کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ پوتے اور پوتی کا والد، دادا کی وفات سے قبل وفات پا گیا ہو تو بھی دادا کی جائیداد سے 2/3 حصہ ملے گا جبکہ بقیہ جائیداد 1/3 حصہ دیگر ورثاء کو ملے گا[1]۔ بیٹی جو اپنے والد کی وفات سے پہلے فوت ہو جائے تو اسکے بچے نانا کی وراثت سے حصہ لینے کے حقدار ہیں[2]۔ متوفی بیٹے کے بچوں کو حصہ (دادا کی) وراثت سے اسی قدر ملے گا جیسا کہ اگر باپ زندہ ہوتا تو ملتا[3]۔

دوران ملازمت خواتین کو جنسی ہراساں کرنا:

اسلام میں اس بات کی وضاحت بڑے صاف اور واشگاف الفاظ میں کر دی گئی ہے کہ خواتین پردہ کریں گی۔ اسلام تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت محرم مردوں کے علاوہ سب سے پردہ کرے گی۔ تمام تر پروپیگنڈے کے باوجود اس بنیادی بات پر

---

1 PLD 1998 Karachi High Court 446
2 MR 1991 Supreme Court 281
3 PLD 2001 Lahore High Court 23

ابھی تک اسلام کے تمام مکاتب فکر کا اجماع ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں پردے کی صورت میں مختلف مشکلات پیش آتی ہیں جیسا کہ حج اور عمرہ اور شناختی کارڈ بنانے کے لیے چہرہ دکھانے کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر نہ تو شناختی کارڈ بن سکتا ہے اور نہ ہی پاسپورٹ وغیرہ۔ تو ایسی صورتوں میں فقہاء نے اجازت دی ہے۔ اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ عورت کی ذمہ داری صرف گھر تک محدود تھی لیکن پھر عالمگیریت کا ایسا طوفان اٹھا کہ عورتیں بھی ملازمت اور کمائی کے لیے باہر نکلنے لگیں۔ یہ کہا گیا کہ ملازمتوں پر عورتوں کا بھی اتنا ہی حق ہے کہ جتنا کسی مرد کا۔

اس پروپیگنڈے سے جہاں عالم اسلام متاثر ہوا وہیں پاکستان بھی متاثر ہوا۔ اسلامی دانشور اور علماء حضرات اس بات پر راضی ہو گئے کہ کسی بھی ایسی جگہ ملازمت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جہاں صرف عورتیں ہی ملازمت کرتی ہوں۔ لیکن بعد میں یہ عالمگیریت اور مغرب کی اثرات کی وجہ سے پاکستان کے تمام اداروں میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ آج انہیں تمام سرکاری اداروں بشمول فوج اور پولیس ہر ادارے میں بھرتی کیا جا رہا ہے۔ کئی ایک محکموں میں ضرورت بھی ہے جیسا کہ پولیس میں عورتوں کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر کسی وقت کسی عورت کی تلاشی لینا پڑ جائے یا اس جیسی دوسرے مواقع پر یہ کام مردوں سے نہیں کرایا جا سکتا۔ لیکن مردوں میں کھلم کھلا اختلاط کسی بھی صورت اسلامی نقطہ نظر سے جائز نہیں جو کہ آج کے اداروں میں ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے کئی ایک واقعات سامنے آئے اور حکومت کو اس سلسلے میں قانون سازی کرنی پڑی۔ بدلتے وقت کے ساتھ ہمارے معاشرے میں ایک بڑی تبدیلی یہ آئی ہے کہ اب عورتوں کی ایک بڑی تعداد ہر شعبہ زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں۔ مگر شومئ قسمت کہ ہر محکمے میں کام کرنے والی خواتین کی اکثریت کو بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ انہیں جنسی طور پر حراساں کیا جاتا ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے ایک قانون پاس کیا ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سارے ادارے چاہے وہ نجی ہوں یا سرکاری ہوں اُن کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے لئے ایسے ضوابط مقرر کریں جن کے ذریعے سے وہ اپنے ہاں جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کے مسائل سے نمٹ سکیں۔ حراساں کئے جانے کے ویسے تو بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں مگر جو طریقے زیادہ تر دیکھنے میں آتے ہیں ان میں اعلیٰ افسران کی جانب سے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال ہے۔ تعلقات قائم کرنے سے انکاری ہونے پر انتقاماً مستقبل میں ملازم کی ترقی یا تربیت کے موقع کم کر دینا، کارکردگی کی غلط رپورٹ بنانا، اپنے ملازم کے خلاف غلط یا ناشائستہ زبان استعمال کرنا اور اس کے حقوق کو محدود کرنے کے دیگر ذرائع شامل ہیں۔

اس قسم کا رویہ خوف و ہراس کا ایک حصہ ہے۔ غلط ناشائستہ مواد، مطبوعہ یا الیکٹرانک شکل میں بھیجنا یا جنسی نوعیت کے تحریری پیغامات بھیجنا بھی اسی قانون کے زمرے میں آئے گا۔ ایسی کوئی بھی بات جو ایک صنف یا دوسری صنف کی برتری کا اشارہ دیتی ہو سے گریز کرنا چاہیئے۔ اُس میں ایسے لطیفے بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی صنف کی توہین کرتی ہوں یا کسی بھی انسان کے جسم کے بارے میں ایسی غلط بات جس سے وہ نفسیاتی طور پر حراساں ہو جائے اور ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں عدم مساوات حاوی ہوتی

ہے۔اس قسم کے واقعات اگر تسلسل سے ہوں تو یہ جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کے زمرے میں ہی شمار کئے جائیں گے۔ اداروں کی انتظامیہ اس ضابطہ اخلاق کو اس کے الفاظ اور روح کے مطابق نافذ کرنے کی ذمہ دار ہو گی تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ ہراساں کئے جانے کی ہر شکایت پر پوری ذمہ داری کے ساتھ کاروائی ہو سکے۔انتظامیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ غیر جانبدار رہتے ہوئے منصفانہ تحقیقات کرائے۔انتظامیہ اس معاملے میں شکایت کرنے والے اور اس کے گواہوں کے خلاف انتقامی کاروائی نہیں کرے گی۔اس ضابطہ اخلاق کے تحت ادارہ ایک مستقل 3رکنی تحقیقاتی کمیٹی قائم کرے گی جن میں کم از کم ایک رکن عورت ہو گی۔اس قانون کے تحت تحقیقاتی کمیٹی کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ ہراساں کئے جانے کے واقعے کی اس ضابطہ اخلاق کے تحت تحقیق کرے اور ملزم کے لئے سزا تجویز کرے۔یہ عالمگیریت کا اثر تھا کہ پہلے ملازمتیں دے کر آزادانہ اختلاط کی فضا پیدا کی گئی اور بعد میں تحفظ کے لیے قانون سازی کی گئی۔

اس ضمن میں کچھ سزائیں چھوٹی نوعیت کی ہیں جیسے ملامت کرنا،ایک مقررہ مدت کے لئے اس کی محکمانہ ترقی اور تنخواہ میں اضافہ کو روکنا،ایک مخصوص مدت تک ٹائم اسکیل میں اہلیتی حد کو روکنا اور شکایت کنندہ کو قابل ادا معاوضہ ملزم کی تنخواہ یا کسی دوسرے ذرائع سے وصول کرنا۔جبکہ کچھ سزائیں بڑی نوعیت کی ہیں جیسے عہدے یا ٹائم اسکیل میں تخفیف یا ٹائم اسکیل کے نچلے درجہ میں لانا،جبری ریٹائرمنٹ،ملازمت سے برطرفی،ملازمت سے موقوفی اور جرمانہ وغیرہ۔اس سلسلے میں پولیس کو بھی درخواست دی جاسکتی ہے اوراس بات کو یقینی بنانے کے لیے حکومت نے تعزیرات پاکستان کے سیکشن 509 میں ایک ترمیم کی منظوری دی ہے جس کے تحت نہ صرف کام کانے کی جگہوں پر بلکہ ہر جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔اس جرم کی سزا پانچ (5) لاکھ روپے تک جرمانہ اور تین (3) سال تک کی قید یا بیک وقت دونوں سزائیں ہو سکتی ہیں۔ اگر کسی کارکن کو جنسی طور پر ہراساں کئے جانے کا کوئی واقعہ سامنے آیا ہو تو ادارے کی انتظامیہ اس بات کو ترجیح دے گی کہ واقعے کی شکایت ادارے کے اندر ہی دائر کی جائے لیکن انتظامیہ اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو اس بارے میں باخبر رکھے کہ ان کے پاس یہ راستہ بھی موجود ہے کہ وہ دفعہ 509 کے تحت پولیس سے رابطہ کر سکتے ہیں اور رپورٹ درج کرا سکتے ہیں۔

اس قانون کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اداروں میں کام کے ماحول کو آدمیوں اور عورتوں کے لئے بہتر بنایا جائے تا کہ وہ عزتِ نفس کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے سکیں اور عورتوں کو پیش آنے والے واقعات کا سدباب ہو سکے[1]۔

عائلی قوانین وحقوق نسواں کا مختصر جائزہ:

1947ء سے لیکر اب 2017ء تک کے 70 سالوں میں چھوٹے بڑے بے شمار قوانین بنائے گئے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ بنیادی طور پر اب تک انگریزوں کے بنائے بنیادی قوانین ہی پاکستان میں لاگو ہیں جو کہ ڈیڑھ سو سال سے بھی پرانے ہیں۔پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تو بے حد ضروری تھا کہ ایسے قوانین ہوں جو کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوں۔خواتین کے حقوق

---

1 ایڈووکیٹ، قراۃ العین زینب، عورتوں کو دوران ملازمت جنسی طور پر ہراساں کیے جانے کے خلاف قانون،ماہنامہ القانون،جولائی 2017،

کے تحفظ کے لئے مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898، مجموعہ ضابطہ فوجداری 1908 اور تعزیرات پاکستان 1860 کی کچھ دفعات تھیں مگر عائلی معاملات کے لئے مسلم شادیوں کی تنسیخ کا قانون 1939، بچپن کی شادی پر پابندی کا قانون 1929، گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ 1890 وغیرہ جیسے قوانین رائج تھے مگر بدلتے وقت کے ساتھ شدت سے محسوس ہونے لگا کہ یہ قوانین ناکافی تھے اور ایسے قوانین کی شدت سے ضرورت محسوس کی جانے لگی جو کہ بدلتے وقت کے ساتھ خواتین کے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔

اب تک پاکستان میں عائلی قوانین کے لیے جو بھی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں ان میں کسی نہ کسی طور اس نعرے کو دخل ہے کہ خواتین کے حقوق کو یقینی بنانا ہے۔ ذیل میں اب تک اس حوالے سے جتنی بھی قانون سازی ہوئی یا ترمیمات ہوئیں اُن کا جائزہ لیں گے۔ 1961 سے قبل طلاق یا شادی کے اندراج کے لئے کوئی قانون موجود نہ تھا۔ زبانی نکاح یا طلاق ثابت کرنا انتہائی مشکل ہونے لگا اور عورتوں کو خاوند کی وراثت سے بے دخل کر دیا جاتا تھا۔ نان ونفقہ، مہر، بچوں کی ولدیت اور بے شمار ایسے مسائل اور لمبی و قانونی الجھے مقدمے لوگوں کو خصوصاً خواتین کو پریشان کرنے لگے تو 1961 میں صدر ایوب نے مرتب کردہ کمیشن کی رپورٹ کو عملی شکل دیتے ہوئے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس جاری کیا۔ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس کو 1973 کے آئین میں تحفظ حاصل ہے اور اس کو قوانین کی اس فہرست میں شامل کیا گیا ان کو بنیادی حقوق کی بناء پر عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ 1964 میں عائلی عدالتوں کا ایکٹ معرض وجود میں آیا جس میں دوران مقدمہ عورتوں کو ہونے والی پریشانیوں سے بچانے کا تحفظ فراہم کیا گیا۔ ان قوانین کی موجودگی سے خواتین کو عائلی معاملات میں بہت تحفظ ملا اور بہت سارے مسائل حل ہوئے۔ آئین پاکستان 1973 خواتین کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔

پاکستان میں آئین کے تحت عورتوں کو وہ انسانی حقوق حاصل ہیں جو آئین قانون یا عالمی منشور کے تحت کسی بھی فرد کو حاصل ہوسکتے ہیں اور وہ بلاامتیاز برابر سلوک کی مستحق ہیں۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر 25 کے مطابق قانون کی نظر میں سارے شہریوں کے حقوق برابر ہیں اور صرف جنس کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں روا رکھا جاسکتا۔ آئین کے آرٹیکل 9 کے تحت ہر شخص (خواہ مرد یا عورت) کو اپنی جان اور آزادی کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آئین کے آرٹیکل 14 کے تحت ہر انسان کو عزت و ناموس کے تحفظ کا بھی بنیادی حق حاصل ہے۔ آزاد زندگی گزارنا، مذہبی، تعلیمی، تجارتی، بولنے اور عزت نفس وغیرہ جیسے بنیادی حقوق کی آزادی آئین نے دی ہے۔ 1979 میں جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس جاری کیا گیا مگر اس کے حوالے سے بہت سے تحفظات کا اظہار کیا گیا اور بالآخر 2006 میں تحفظ نسواں ایکٹ کے ذریعے زنا آرڈیننس اور قذف آرڈیننس مجریہ 1939 میں 29 ترامیم کی گئی تھیں۔ اس قانون کے تحت خواتین کے حوالے سے کافی قانون سازی ہوئی اور عورت کے اغوا، فروخت، زبردستی کی شادی، حبس بے جا اور جسم فروشی کے حوالے سے قوانین میں ترمیم کی گئی۔ عائلی مقدمات کی بڑھتی ہوئی تعداد بہت فکر انگیز تھی اور خواتین کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے عائلی قوانین میں ترامیم کی گئی جن کا مقصد فوری اور بہتر دادرسی مہیا کرنا تھا۔ فیملی کورٹ ایکٹ میں A-12 کے تحت عدالتوں پر لازم کیا گیا کہ وہ عائلی مقدمات کو جلد از جلد نمٹائیں۔ مقدمہ دائر ہونے کے 6 ماہ کی مدت کے

دوران فیصلہ کرنا ہوگا اور اگر کسی قسم کی تاخیر ہو بھی جائے تو بیوی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ جوابی دعویٰ کر سکے۔ خواتین دشمن روایات کے امتناع کا ایکٹ 2011 میں آیا۔ اس کے تحت اُن بے بس عورتوں کو تحفظ فراہم کیا گیا جو رواجوں اور رسموں کے نام پر قربان کی جارہی تھیں۔ اس قانون کے تحت تعزیرات پاکستان میں نئی دفعات کا اضافہ کیا گیا جس میں A-310 تعزیرات پاکستان کے تحت کسی بھی رسم (ونی، صوارہ، بدل صلح) کے نام پر عورت کی شادی پر زیادہ سے زیادہ 7 اور کم سے کم 3 سال قید اور 5 سال جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی۔ اس کے علاوہ A-498 کے تحت "عورتوں کو جائیداد (وراثت) سے محروم کرنے پر زیادہ سے زیادہ 10 اور کم سے کم 7 سال قید اور 10 لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں اکٹھی دی جاسکتی ہیں"۔ B-498 کے تحت زبردستی کسی لڑکی کی شادی کرنے پر 10 سال تک قید کی سزا اور 5 لاکھ جرمانہ یا دونوں سزائیں بیک وقت دی جاسکتی ہیں اور C-498 کے تحت کسی خاتون کی قرآن پاک سے شادی کرنے پر 7 سال قید اور 5 لاکھ جرمانہ کی سزا ہوسکتی ہے۔

دسمبر 2011 کو انسداد تیزاب گردی ایکٹ منظور ہوا جس کے تحت خواتین پر تیزاب پھینکنے والوں کو عمر قید اور 10 لاکھ جرمانہ یا پھر دونوں سزائیں اکٹھی بھی دی جاسکتی ہیں۔ 2015 میں مسلم عائلی قوانین آرڈیننس 1961 اور فیملی کورٹ ایکٹ 1964 میں چند اہم ترمیمات کی گئیں۔ مسلم عائلی قوانین 1961 کی دفعہ 5 میں A-2 کے ذریعے یہ ترمیم کی گئی کہ اب نکاح خواں نکاح نامہ کے سارے کالمز کو پُر کرے اور کسی بھی کالم پر لمبی لمبی لکیریں مار کر اُن کو خالی مت چھوڑے اس سے خواتین کے حقوق کو تحفظ مہیا ہوا۔ اس کے علاوہ اُسی قانون کی دفعہ 6 جس میں خاوند کی دوسری شادی سے متعلق درج ہے بیان کیا گیا کہ اگر بیوی کی دائر شکایت ثابت ہو جائے کہ شوہر نے واقعی اجازت کے بغیر دوسری شادی کی ہے تو اِسے سزا جو کہ ایک سال تک کی ہوسکتی ہے یا 5 ہزار جرمانہ کی سزا ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بہت اہم ترمیم یہ ہوئی کہ مسلم عائلی قوانین 1961 کی دفعہ 9 میں یہ بھی شامل کر دیا گیا کہ خاتون اپنے بچے کے نان ونفقہ کے لئے یونین کونسل سے بھی رابطہ کر سکتی ہے۔ پہلے عورت صرف اپنے خرچے کے لئے یونین کونسل میں جاسکتی تھی اور بچے کے خرچے کے لئے اسے عدالت کا رُخ کرنا پڑتا تھا مگر اب خاوند سے نان ونفقہ طلب کرنے کے لئے یونین کونسل بھی مجاز ہے۔

2016 میں خواتین کو گھریلو تشدد سے تحفظ مہیا کرنے کے لئے پروٹیکشن آف ویمن اگینسٹ وائلینس ایکٹ (گھریلو تشدد سے خواتین کے تحفظ کا قانون) سامنے لایا گیا۔ اس قانون کے تحت پورے صوبے میں دادرسی سینٹرز کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے تاکہ تشدد کی شکار گھریلو خواتین کو مدد دی جاسکے۔ اس جرم کو کرنے والا یا مدد کرنے والا دونوں گرفت میں آتے ہیں اور جسمانی، ذہنی، زبانی، معاشی بدسلوکی اور تشدد سب اسکے زمرے میں آتے ہیں۔ اس جرم کے تحت مقدمے عائلی عدالتوں کے تحت چلائے جائیں گے۔ اس قانون کی دفعہ 19 کے تحت یہ تحفظ بھی دیا گیا ہے کہ اگر کوئی غلط یا جھوٹی تشدد کی اطلاع دے تو اسے 3 ماہ قید اور ایک لاکھ تک جرمانے کی سزا ہوسکتی ہے یا پھر دونوں سزائیں اکٹھی بھی ہوسکتی ہیں۔

2016 میں ماڈل قندیل بلوچ کے قتل کے بعد غیرت کے نام پر ہونے والے قتل پر سنجیدگی سے قانون سازی کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس کے بعد تعزیرات پاکستان میں چند اہم ترمیمات کی گئیں اور "تعزیرات پاکستان میں غیرت کے نام پر قتل کی بیان کردہ سزا10 سال سے بڑھا کر 25 سال کر دی گئی"۔ اس کے علاوہ غیرت کے نام پر قتل کو فساد فی الارض میں شمار کرتے ہوئے ناقابل راضی نامہ کر دیا یعنی مقتولہ کے گھر والے قاتل سے کسی قسم کا راضی نامہ کر کے معافی تلافی نہیں کر سکیں گے۔ راضی نامہ کا حتمی اختیار عدالت نے اپنے پاس رکھا۔ اصل میں غیرت کے نام پر قتل کی آڑ میں خواتین کو جائیداد، ذاتی عناد و تنازعات، رسم و رواج اور اپنے حساب کتاب ٹھکانے لگانے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا اور گھر خاندان والے معافی و راضی نامہ کر کے معاملہ دبا لیتے تھے۔ آجکل انٹرنیٹ کے دور میں خواتین کو تحفظ دینے کیلئے سائبر کرائم میں بھی خواتین کے تحفظ کو مد نظر رکھتے ہوئے قانون سازی کی گئی اور Prevention of Electronic Crime Act 2015 کی دفعہ 13 (Special Protection of Women) کے تحت کسی بھی عورت کو جانتے بوجھتے ہراساں کرنا، اسکی عزت کو الیکٹرونک ذرائع کے ذریعے نقصان پہنچانا، اس کی تصویروں کو بدلنا، غلط استعمال کرنا، نقصان پہنچانے پر 1 سال تک کی قید اور 10 لاکھ روپے تک کا جرمانہ ہو سکتا ہے یا پھر دونوں سزائیں ایک ساتھ بھی ہو سکتی ہیں۔

خلاصہ مبحث:

عالمگیریت کے زیر اثر پاکستان میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین سازی ہو رہی ہے جو ایک مثبت عمل ہے تاہم اس کے باوجود عورت کی جان، عزت اور مال محفوظ نہیں ہے آئے روز تیزاب گردی، اجتماعی زیادتی، غیرت کے نام پہ قتل اور زبردستی شادی کے واقعات میڈیا کی زینت بنتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے خلاف تشدد کی روک تھام کے لئے سخت قوانین سازی کے ساتھ سخت سزاؤں کا نظام نافذ کرنا بھی از حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کی تربیت کا انتظام بھی کرے تاکہ خواتین کو ہراساں کرنے کا سلسلہ بند ہو اور خواتین کے خلاف تشدد، ہراسانی کے سلسلے کو بند کرنے کے لئے موثر فورس بنائی جائے جو فوری ایکشن کر کے خواتین کی حفاظت یقینی بنائے۔

فصل سوم

پاکستان کے تعلیمی اداروں پر عالمگیریت کے اثرات

فصل سوم:

پاکستان کے تعلیمی اداروں پر عالمگیریت کے اثرات

تعلیم کا معنی و مفہوم:

تعلیم ایک ایسا امر ہے جس کی اہمیت سے کسی کو انکار ممکن نہیں اور اس کی افادیت کے پیش نظر ہی انسان کو بچپن سے ہی اس کی جانب راغب کر دیا جاتا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام، مذاہب اور ممالک میں تعلیم کے مراکز کا قیام ایک ایسی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے جس سے کوتاہی پر صاحبان اختیار یا مقتدرہ حلقوں کو جوابدہ سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر ملک اپنے نظام تعلیم کو بہتر اور مفید بنانے کے لیے مختلف اقدامات کرتا ہے۔ دنیا کی تمام تر ترقی علم کی بدولت ہی سے شرمندہ تعبیر ہوئی ہے جس سے کسی کو انکار ممکن نہیں ہے۔ نظام تعلیم سے مراد ایک ایسا نظام ہوتا ہے جہاں سے کچھ سیکھا جاتا ہے یا کسی کو سکھایا جاتا ہے ۔

آکسفورڈ ڈکشنری:

"The process of receiving or giving systematic instruction, especially at a school or university" [1]

"کسی بھی نظام سے متعلق مخصوص ہدایات دینا خاص طور پر کسی مدرسے یا یونیورسٹی میں، تعلیم کہلاتا ہے"

کولنز ڈکشنری:

"Education involves teaching people various subjects, usually at a school or college, or being taught" [2]

"تعلیم سے مراد ہے لوگوں کو مختلف مضامین کی تعلیم دینا یا پھر خود ان سے سیکھنا اور عموماً یہ عمل مدرسے یا کالج میں سرانجام پاتا ہے".

کیمبرج یونیورسٹی:

"The process of teaching or learning, especially in a school or college, or the knowledge that you get from this" [3]

"کسی کو سکھانے یا خود سیکھنے کے عمل کو تعلیم کہا جاتا ہے اور یہ فریضہ عموماً مدرسے یا کالج میں ہوتا ہے اور یا تعلیم سے مراد وہ علم بھی ہے جو اس سے حاصل ہوتا ہے"

---

1 https://en.oxforddictionaries.com/definition/education
2 https://www.collinsdictionary.com/dictionary/english/education
3 https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/education

ان تعریفوں سے معلوم ہوا کہ تعلیم سے مراد ایک ایسا منظم اور عملی طریقہ کار ہے جس میں ایک سیکھنے والا کسی سکھانے والے مخصوص طریقے سے کچھ سیکھتا ہے۔اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد اپنی معلومات یا مہارتوں کو دوسروں تک پہنچانے کا نام تعلیم ہے۔اگر اس مفہوم کو وسیع کر دیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معلومات، اخبار، مہارتوں اور علم کو انفرادی یا اجتماعی طور پر دوسروں تک پہنچانے کا نام تعلیم ہے[1]۔

اسلام میں نظام تعلیم کے سلسلے میں رہنما اصول:

اگرچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں مسلمان علمی میدان میں بہت پیچھے ہیں اوراسی نقص کو مغربی دنیا اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے لیے بھی استعمال کرتی ہے۔حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کی پستی کو اسلام کی پستی کے ساتھ منسلک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اسلام تعلیم روکنے کی بجائے نہ صرف اسے حاصل کرنے پر اکساتا ہے بلکہ اس عمل میں منسلک افراد کو معاشرے میں عزت کا مقام بھی دیتا ہے۔اسلام نے تعلیم کی طرف بہت زیادہ توجہ دی ہے۔حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> ((إن الله وملائكته واهل السموات والارض حتى النملة في جحرها، وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير " , قال ابو عيسى: هذا حديث حسن غريب صحيح , قال: سمعت ابا عمار الحسين بن حريث الخزاعي , يقول: سمعت الفضيل بن عياض , يقول: عالم عامل معلم يدعى كبيرا في ملكوت السموات))[2]
>
> "رسول اکرم ﷺ کے پاس دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک عالم تھا اور دوسرا عابد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پہ ایسے ہی ہے جیسے کہ میری فضیلت تم میں سے کسی ادنی شخص پر ہے۔اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اوراہل آسمان وزمین حتی کہ چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی اس شخص کے لیے دعا کرتی ہیں جو نیکی اور بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں صرف اسی بات کے سیکھنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جو انسانیت کے لیے مفید ہو۔لہذا یہاں ایک سنہرا اصول دیا گیا ہے کہ ہر چیز، مہارت، علم اور علم کے سیکھنے اور سکھانے سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے کسی کو نقصان پہنچانا مقصود ہو۔یہ سنہرا اصول دے کر اسلام نے انسایت کو تباہی سے بچانے کی ایک واضح سمت متعین کی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایسی تعلیم کی اچھائی اور برائی کا ذمہ دار دونوں کو قرار دیا ہے۔یعنی اسلام کی نظر میں علم کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے پر بھی ایک عابد کو ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی فضیلت نبی کریم ﷺ کی اپنے کسی امتی پر۔

---

1 http://www.mawdoo3.com/تعریف_التعلیم

2 ترمذی، السنن، کتاب السنن، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، حدیث:2685

یعنی جو شخص کسی کو اچھی راہ دکھادے تو وہ جو نیک عمل کرے گا اس کا ثواب اس راہ دکھانے والے کو بھی ملے گا، اور جس نے کسی کو گناہ کی راہ دکھادی تو اس کو تو گناہ کرنے کا نقصان ہو گا ساتھ اس شخص کو بھی ہو گا جس نے اسے اس گناہ کی راہ دکھائی ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اسلام صرف علم سیکھنے کی طرف ہی توجہ نہیں دیتا بلکہ اسے پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے کی طرف رغبت بھی دیتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لیبلغ الشاهد الغائب، فإن الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه))[1]

"جو یہاں حاضر ہے وہ اس کو پہنچادے جو غائب ہے، کیونکہ جو حاضر ہے وہ شائد ایسے شخص کو خبر کردے جو بات کو اس سے زیادہ یاد رکھے"

اگر اسلام کے نظام تعلیم اور مقاصد کو حرز جان بنا کر ان پر عمل کیا جائے تو دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اصول یہ بھی دیا گیا ہے کہ علم کو کسی سے چھپانا نہیں چاہیے۔ اگر کسی سے کوئی بات پوچھی جاتی ہے اور وہ جواب نہیں دیتا تو اسلام اس فعل کو کسی کا ذاتی فعل گردان کر اسے حقوق کی آڑ میں پردہ فراہم نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من سئل عن علم فكتمه الجمه الله بلجام من نار يوم القيامة))[2]

"جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کا اسے علم تھا اور اس نے اسے چھپالیا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی"

اسلام کے نظام تعلیم کا ایک اور طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ یہاں تعلیم کو صرف دنیاوی مقصد اور منفعت کے لیے حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اسلام کا کہنا ہے کہ جو لوگ صرف دنیاوی مقصد کے لیے علم حاصل کرتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعے سے دنیا کمائے گے صرف ان کے بارے میں بھی سخت وعید آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله، لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضا من الدنيا، لم يجد عرف الجنة يوم القيامة" يعني: ريحها))[3]

"جس نے کوئی ایسا علم حاصل کیا جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے لیکن اس نے اسکو دنیا کا مال کمانے کے لیے حاصل کیا تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا"

اسلام میں علم حاصل کرنے کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے کہ اس سے صاحب علم دوسروں کو کمتر سمجھے یا لوگوں سے مناظرے اور مباحثہ کرتا پھرے بلکہ علم سے مقصود لوگوں کی بھلائی ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

---

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب قول النبی ربّ مبلغ اوعیٰ من سامع، حدیث:67

2 ابو داؤد، السنن، کتاب العلم، باب کراہیۃ منع العلم، حدیث:3658

3 ابن ماجہ، السنن، المقدمہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ، حدیث:252

((سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من طلب العلم ليجاري به العلماء،اوليماري به السفهاء،اويصرف به وجوه الناس إليه ادخله الله النار))[1]

"میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے علم اس لیے حاصل کیا تاکہ علماء سے مقابلہ کرے یا احمقوں سے جھگڑے یا اس کے ذریعے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو اللہ تعالی اس کو جہنم میں داخل کرے گا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مطابق جن کو اللہ نے علم دیا ہے انہیں چاہیے کہ وہ بالکل صحیح صحیح بات آگے پہنچائیں ، کچھ نہ چھپائیں اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسول پہ جھوٹ بولے جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ پہ جھوٹ باندھتا ہے تو ایسے لوگوں کے لیے قرآن پاک میں سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ؛

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[2]

"بھلا اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پہ جھوٹ باندھے تاکہ وہ لوگوں کو گمراہ کردے بغیر علم کے بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے جیسا کہ آج کل یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی سکول میں داخلے کے وقت والدین اور طلبہ سے بہت سے وعدے کیے جاتے ہیں اور ایسے ایسے سبز باغ دکھائے جاتے ہیں کہ والدین اپنے بچوں کو اس ادارے میں تعلیم دینے پر راضی ہو جاتے ہیں اور طلبہ بھی ایسی باتوں میں آجاتے ہیں لیکن بعد میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بھی کچھ نہ تھا جو داخلے کے وقت بتایا گیا تھا۔ بسا اوقات خود کو کسی بڑے معلم سے منسوب کر کے بھی تعلیمی فوائد حاصل کیے جاتے ہیں کہ فلاں نے فلاں صاحب سے تعلیم حاصل کی ہے اور اس بات سے اپنے ادارے یا خود کے لیے تعلیم کے میدان میں مفاد تلاش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کی اسلام حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے اسلام نے ایک مثال سے واضح کیا ہے کہ بہترین معلم اور بہترین نظام تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے لیے ایسی زمین کی مانند مفید ہوتا ہے جو خود بارش کو جذب کر کے اپنے وجود سے گھاس اگاتی ہے اور اس سے دوسرے جاندار اپنی خوارک حاصل کرتے ہیں۔ یعنی بہترین صاحب علم وہ ہے جس کے علم کا فائدہ صرف اسی کو نہ ہو بلکہ اس کے علم سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں اور یہی علم کا منتہیٰ و مقصود ہے ۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

1 ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ماجاء فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، حدیث:2654

2 الانعام:6/144

((إن مثل ما بعثني الله به عز وجل من الهدى والعلم، كمثل غيث اصاب ارضا، فكانت منها طائفة طيبة قبلت الماء فانبتت الكلا والعشب الكثير، وكان منها اجادب امسكت الماء فنفع الله بها الناس، فشربوا منها، وسقوا، ورعوا، واصاب طائفة منها اخرى، إنما هي قيعان لا تمسك ماء، ولا تنبت كلا، فذلك مثل من فقه في دين الله ونفعه بما بعثني الله به، فعلم، وعلم، ومثل من لم يرفع بذلك راسا ولم يقبل هدى الله الذي ارسلت به))[1]

"اللہ تعالی نے علم وہدایت کی جو باتیں مجھ کو دی ہیں ان کی مثال زور دار بارش کی طرح ہے، جو کسی زمین پر برسی، جو زمین عمدہ تھی اس نے پانی چوس لیا، اور اس نے گھاس اور سبزی خوب اگائی اور بعض زمین سخت تھی اس نے پانی تھام لیا، اللہ تعالی نے لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچایا، انہوں نے اسے پیا اور جانوروں کو بھی پلایا اور کھیتی باڑی کی۔ اسی زمین کے بعض ایسے حصے میں بارش ہوئی جو صاف چٹیل تھی اس نے نہ تو پانی روکا نہ گھاس اگائی (بلکہ پانی اس پر سے بہہ کر نکل گیا) یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کی اور جو اللہ تعالی نے مجھ کو دے کر بھیجا اس سے اسکو فائدہ ہوا، اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو بھی سیکھایا۔ اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس پر سر ہی نہیں اٹھایا اور اللہ کی ہدایت جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اسے نہ مانا"

اسلام کی نظر میں قابل رشک لوگ:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا حسد إلا في اثنتين، رجل آتاه الله مالا فسلط على هلكته في الحق، ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها))[2]

کہ رشک صرف دو آدمیوں کی خصلتوں پہ کیا جائے، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے دولت دی اور وہ اسے نیک کاموں میں خرچ کرتا ہو، دوسرے اس پر جس کو اللہ نے قرآن وحدیث کا علم دیا ہو اور وہ اسکے موافق فیصلے کرتا ہو اور لوگوں کو سکھاتا ہے"

یہ فضیلت ہے ان لوگوں کی جو دین کا علم حاصل کرکے اسے آگے بھی پہنچاتے ہیں خود عمل کرکے دوسروں کو عمل کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں ایسے لوگوں پہ رشک کرنا جائز ہے۔ اسلام نے ایک صحت مند نظام کو دنیا کے قیام کی علت بھی بتایا ہے۔ جب علم اٹھالیا جائے تو اسے ایک قیامت کی نشانی کے طور پر بیان کیا ہے یعنی دنیا کے خاتمے میں ایک علت علم کا اٹھایا جانا بھی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ دنیا دن بدن ترقی کی منازل طے کر رہی ہے اور نت نئی ایجادات کا زمانہ ہے تو پھر علم کے اٹھنے سے کیا مراد

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، باب بیان مثل مابعث بہ النبی من الھدی والعلم، حدیث:2282

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمہ، حدیث:76

ہو سکتا ہے؟ قیامت اور علم کو اس کی نشانی کے طور بیان کرنے سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ علم نافع اٹھالیا جائے گا اور دنیا میں اس وقت ایسا علم ہو گا جس سے برائی کا راستہ سہل ہو گا اور بربادی کی راہیں کھل جائیں گی صرف نقصان پہنچانے والا علم باقی رہ جائے گا۔اس بات کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويثبت الجهل،ويشرب الخمرويظهر الزنا))[1]

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ دین کا علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی، زنا عام ہو جائے گا ،اور لوگ شراب کثرت سے پیئیں گے ،مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو گی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک مرد ہو گا"

یہاں بہت سی برائیوں کا تذکرہ موجود ہے جو علم کے اٹھنے کی وجہ سے پھیل جائیں گی۔یعنی علم کے اٹھنے کی وجہ سے معاشرہ برائی کا مرکز بن جائے گا اور دنیا تباہی کے دہانے پر جا پہنچے گی اوران تمام باتوں کی وجہ علم کے ارتقاع کو بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسے نظام تعلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس سے معاشرے میں برائی کی بجائے خیر کا ظہور ہو تاکہ معاشرے میں بربادی اور تخریب کی بجائے بھلائی اور تعمیر کا عمل تیز ہو تاکہ انسانیت کو فائدہ حاصل ہو۔

پاکستان میں تعلیمی صورتحال عالمگیریت کے تناظر میں:

عالمگیریت نے جہاں سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی میدانوں میں پاکستان سمیت عالم اسلام پر اپنے وسیع اثرات مرتب کیے ہیں وہیں تعلیمی میدان میں بھی واضح نقوش ثبت کیے ہیں۔ان میں کچھ اثرات کو مثبت بھی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ کمرہ ہائے جماعت میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرنا تاکہ بچوں کو کسی چیز کے سیکھنے میں مدد مل سکے، سائنس لیب قائم کرنا، کمپیوٹر کا استعمال کرنا اوراس جیسے دیگر امور۔لیکن اس بات سے سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ عالمگیریت نے پاکستان کے تعلیمی نظام پر منفی اثرات بھی وضع کیے ہیں جیسا کہ اپنی قومی زبان کو کوئی اہمیت نہ دینا اوراس کے مقابلے میں انگریزی زبان کو کامیابی کے لیے لازمی قرار دینا، والدین کے لیے "انگلش میڈیم" جیسے الفاظ میں واضح دلچسپی لینا وغیرہ۔

اگرچہ کوئی بھی زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن یہ بات باعث تعجب ہے کہ انگریزی زبان کو ترقی کا ضامن کہا جائے جبکہ اسی دور میں چین، جاپان اور جرمنی وغیرہ کی مثالیں موجود ہوں۔عالم اسلام کی طرح پاکستان میں بھی عالمگیریت نے تعلیمی میدان میں بھی اپنے اثرات نقش کیے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ پہلی کلاس جس میں بچہ مکمل طور اپنی مادری زبان پر گرفت نہیں رکھتا، سے انگریزی زبان کو لازمی قرار دیا گیا اور عربی وغیرہ جو چھٹی کلاس سے لازمی ہوتی تھی اسے اختیاری ورجہ دے دیا گیا جیسا کہ نویں تعلیمی پالیسی میں واضح کیا گیا کہ؛

---

1 مسلم، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضہ وظہور الجہل والفتن فی آخر الزمان، حدیث: 2671

"SDPI نے ایک رپورٹ 2004 میں جاری کی جس کے مطابق ایک طرف انگریزی کو پہلی جماعت سے لازمی قرار دیا گیا ہے جبکہ دوسری طرف عربی تدریس جو پہلی جماعت سے لازمی تھی کو اختیاری مضمون کی حیثیت دے دی گئی ہے تاکہ نونہال اسلام ماخذ قرآن وحدیث کو بھی سمجھنے کے قابل نہ ہو سکیں"(1)

تعلیم ہی ایک ایسی بنیادی کلید ہے جس کے ذریعے کسی قوم کو بھی بغیر جنگ کیے مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس وقت بہت سے مغربی ممالک پاکستان کے ذہین طلبہ کو اپنے وظائف دیتے ہیں اور اس طرح پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کے ذہین دماغ وہاں چلے جاتے ہیں اور وہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس دائرے کو مزید وسیع کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جیسے یوتھ ایکسچینج اینڈ سٹڈی پروگرام (YES) کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے میں ایکسچینج یعنی تبادلے کا لفظ استعمال کیا گیا لیکن اس لفظ پر عمل کرنے کی بجائے صرف پاکستان کے ذہین طلبہ اور اساتذہ کو ہی امریکا بھیجا گیا اور وہاں سے کوئی بھی طالب علم یا استاذ یہاں نہ آیا اور اس بات کو سیکیورٹی کی بہانہ کر کے ٹال دیا گیا۔ محمد طلحہ قریشی اس بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ؛

"اسمبلی میں اس ایشو کو بہت discuss کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ اس طرح کا معاہدہ نہ کیا جائے لیکن اس کے باوجود بھی اس معاہدے کو ہونے سے نہ روکا جا سکا۔ امریکا میں نوجوانوں کے تبادلہ اور تعلیمی پروگرام (YES) کے تحت ایک طالب علم کا حال پڑھتے ہیں جو کہ نہ صرف تعلیم کے حصول کی خاطر امریکا بھیجا گیا بلکہ پس پردہ مقصد وہاں کی تہذیب کو مسلمانوں کی تہذیب پر حاوی کرنا ہے۔ خبر و نظر کے شمارے میں محمد طلحہ قریشی کی تحریر میں اپنے امریکا کے تعلیمی سفر کے بارے میں جو کچھ لکھتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایسا کلچر اور ایک ایسی تہذیب کو مسلم نوجوانوں میں راسخ کیا جا رہا ہے جو کہ دین اسلام اور اس کی اقدار سے بہت مختلف ہے"(2)

کسی دوسرے ملک میں جا کر تعلیم حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن عموماً اس بات کو اس طرح باور کرایا جاتا ہے کہ وہ ملک گویا طلبہ پر احسان کر رہے ہوتے ہیں کہ انہیں تعلیم کی دولت سے مالا مال کر رہے ہوتے ہیں لیکن در حقیقت اسی بہانے وہ ان کو اپنی ثقافت میں رنگ رہے ہوتے ہیں تاکہ یہ عالی دماغ یہیں کے ہو کر رہ جائیں اور ان کے ممالک کی خدمت کریں۔ اگر واپس بھی جائیں تو ان کی ثقافت کے سفیر بن کر جائیں تاکہ وہاں کے نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیوں کی کوشش کریں جو ان کا مقصود ہے اور یوں وہ تعلیم کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ طلحہ قریشی اس بات کو بات کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ؛

"امریکا میں قیام اور تعلیم حاصل کرنے کا میرا تجربہ اس وقت شروع ہوا جب میں 8 جون 2006 کو واشنگٹن ڈی سی پہنچا۔ میرے ساتھ یوتھ ایکسچینج اینڈ سٹڈی پروگرام (YES) کے دوسرے پاکستانی طلبہ بھی تھے۔ شروع

---

1 Sustainable Development Policy Institute Report Mrach 2014

2 قریشی، محمد طلحہ، نوجوانوں کے تبادلہ اور تعلیم کا پروگرام مشمولہ خبر و نظر، سفارتخانہ ریاست ہائے متحدہ امریکا، مئی 2008، ص:8

شروع میں مجھے نئی ثقافت سے ہم آہنگ ہونے میں مشکل پیش آئی لیکن دو ہفتے کے اندر اندر یہ مشکل دور ہوچکی تھی ۔ ستمبر میں ، مَیں نے ڈرامے میں شرکت کی جس میں ایک کورین فوجی "ہوجون" کا کردار ادا کیا۔ میری میزبان فیملی بھی یہ کھیل دیکھنے آئی اور میری اداکاری کو پسند کیا۔ نومبر کے آخر میں، مَیں نے ڈراماکلب کے ساتھ تین روزہ Thespianr کانفرنس میں شرکت کی جہاں میں نے سٹیج پر اداکاری کی اور تاثرات کے اظہار اور مکالموں کے بارے میں تربیت حاصل کی ۔ دسمبر میں مجھے کرسمس کا بڑا انتظار تھا کیونکہ میں پہلی بار کرسمس منا رہا تھا۔ 29 مئی 2007ء کو اپنی سولہویں سالگرہ منائی۔ جب میں سرٹیفکیٹ لینے سٹیج پر گیا تو سب دوستوں نے تالیاں بجا کر داد دی۔ میں نے نے محسوس کیا کہ میں پاکستان کا ایک کامیاب سفیر ثابت ہوا ہوں"[1]

پاکستان کے نظام تعلیم میں عالمگیریت کا ایک اثر یہ ہوا کہ اس پر سیکولرازم کا رنگ چھانا شروع ہوا اور آج کل کے دور میں ان اثرات کی ایک واضح چھاپ بھی طلبہ پر نظر آتی ہے۔ آج کل کے طلبہ میں ایسے موضوعات کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان پر بحث بھی ہوتی ہے اور یہ بحث طلبہ کو ایسے نظریات کی طرف لے کے جاتی ہے جو دین اسلام کے بنیادی عقائد کے متضاد ہوتے ہیں۔ یہ تمام باتیں سیکولرازم کی دین ہیں۔ یورپ کا سیکولرازم دراصل انویزیشن مذہبی بازپرس کی تحریک کا ردعمل تھا اور مذہب سے دوری کا سبب بھی یہی تھا۔ اس موقع سے لامذہب لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور جذبے کو ہوا دی اور ایک فرقے کے لیے ناراضی اور نفرت کو بڑی چالاکی سے مذہب کی طرف موڑ دیا، یوں انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی پوری دنیا سیکولرازم کی لپیٹ میں آ گئی۔ الحاد پرستوں کی ایک جماعت سائنسدانوں ، تاریخ دانوں اور فلاسفرز میں سے نکلی اور اس کے ساتھ ہی مذہب کو کاروبار دنیا سے نکال دیا گیا[2]۔

انہی نظریات کی وجہ سے آج ملک پاکستان کے تعلیمی ادارے مذہبی تعلیمات سے خالی ہو چکے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں مذہبی اقدار پر عمل کرنے سے روکا جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی تعلیمات کو عام کرنے اور مختلف نظریات کو اسلام کی روشنی میں بیان کرنے کا رجحان نہیں ہے۔ تعلیم پر عالمگیریت کے ایسے اثرات مرتب ہوئے ہیں کہ اسلام کا نام لینا یا مسلمان ہونا احساس کمتری کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ ابتدائی لیول پر بچوں کی دینی تعلیم ، ان کو نماز روزہ سکھانے ، قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھانے اور دینی تعلیمات کے لیے اتنے اچھے استاذ کا بندوبست نہیں کیا جاتا جیسا کہ انگلش، ریاضی اور سائنس کے مضامین کے لیے کیا جاتا ہے اور نہ ہی دینی استاذ کو اتنا معاوضہ دیا جاتا ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ملک پاکستان میں ان مضامین کی اہمیت دینی مضامین کی اہمیت اور افادیت سے زیادہ ہے جو ایک لمحہ فکریہ ہے۔

---

1 قریشی، خبر و نظر، ص:8

2 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور 1997، ص:33-32

بسا اوقات اس بات کو اس پیرائے میں بھی دیکھا جاتا ہے بلکہ اب تو مختلف چینلز پر بھی یہ بات بڑے زور و شور اور شد و مد کے ساتھ اور متواتر کی جاتی ہے کہ مذہب کا ریاست کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات کی تائید میں یورپ کی مثال پیش کی جاتی ہے کہ وہاں بھی پادریوں کا ریاست پر بہت زیادہ عمل دخل تھا اور اسی وجہ سے ریاست بہت پیچھے رہ گئی تھی لیکن پھر مذہب کو ریاست سے الگ کر دیا گیا اور یورپ ترقی کے زینے چڑھتا گیا۔ اس طرح کے نظریات تعلیمی اداروں میں بھی زیر بحث رہتے ہیں اور یہ پاکستان کے اداروں پر عالمگیریت کے اثرات کی ایک جھلک ہے۔ حالانکہ یورپ میں جب اس کا آغاز ہوا تو وہاں ریاست مذہب نہیں بلکہ خود ساختہ مذہبی نظریات کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی اور نوبت یہاں تک جا پہنچی تھی کہ فطرت تک کو استعمال کرنے کے لیے جادوگری اور ساحری کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ قرون وسطیٰ کی تاریخ میں کئی سو سال تک مذہب کے نام پر نسل انسانی کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا، کئی ہزار افراد زندہ جلا دیے گئے، لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کو بے گھر کر دیا گیا اور کئی اقوام کو ان کے مذہب، ان کی ثقافت اور ان کی شناخت سے دور کر دیا گیا۔ آج کا یورپ اس کو ایک نعمت اور قیمتی دریافت سمجھتا ہے جس نے اسے پادریوں کے جبر سے نجات دلائی اور مذہب کے نام پر مفاد پرست طبقے کی اجارہ داری ختم کی[1]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی مثال دے کر پاکستان سے مذہب کو دیس نکالا دینا بایں معنی ایک غلط استدلال پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اسلام کسی کو اس کی ثقافت، شناخت اور گھر سے محروم نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو بلاوجہ قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ اسلام اقلیتوں کو تحفظ دیتا ہے اور نہ ہی اسلام پاکستان میں ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ نہ تو یہاں اسلامی نظام کا نفاذ کسی بھی دور میں کیا گیا ہے اور نہ ہی یہاں علماء کسی دور میں صاحبان اقتدار رہے ہیں۔ لہٰذا تعلیم نظریات میں اس بات کو شامل کرنا مناسب نہیں ہے۔ سیکولرازم اور عالمگیریت کی آڑ میں پاکستان کو طعن و تشنیع کی نشانہ بنایا جاتا ہے اور پاکستان کی زبوں حالی کو تعلیم اور مذہب کی پیداوار قرار دیا جاتا ہے اور اس کا یہ علاج تجویز کیا جاتا ہے کہ مذہب کو ریاست سے دور کیا جائے اور تعلیم میں جدید نظریات کو شامل کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ عربی اور اسلامیات جیسے مضامین کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور نہ ہی ان کی طرف اتنی توجہ کی جاتی ہے جتنی توجہ اور وقت دوسرے مضامین کو دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ پاکستان میں تعلیمی سہولت سے فائدہ اٹھا کر ان نظریات کو عام کر دیا جائے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے اسلام یا پاکستان کے تعلیمی نظریات کو نقصان نہیں ہوگا جو کہ محال ہے کیونکہ دراصل یہ دین اور دنیا میں تفریق کا ایک سہل ذریعہ ہے جیسا کہ ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں کہ: "یہ مغرب کا نظریہ ہے جو دین اور دنیا کی تفریق پر منتج ہوتا ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جسے مغرب نے صدیوں کی کشمکش کے بعد اختیار کیا ہے کیونکہ ان کے یہاں چرچ اور ریاست میں کئی صدیاں کشمکش جاری رہی۔ اہل مذہب اور ارباب حکومت میں کئی سالوں تک خونریز جنگیں ہوتی رہیں جس میں آخر کار چرچ کو شکست ہوئی"[2]۔

---

1 کاشمیری، ڈاکٹر محمد گجر خان، سیکولرازم اصول و مبادی، ترجمان القرآن لاہور 1986، ص:39-36

2 علوی، ڈاکٹر خالد علوی، سیکولرازم اور اسلام، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص:13

پاکستان ہی کیا عالم اسلام میں تعلیمی میدانوں میں عالمگیریت کے اثرات کو عالمی سطح پر سپورٹ کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کا شمار بھی مذہبی طور ایک بنیاد پرست ریاست میں شمار کیا جاتا ہے اور عالم اسلام کے ایسے ممالک میں عالمگیریت یا جدت پسندی کو فروغ دینے کے لیے ان نظریات کا تعلیمی میدانوں میں عام کرنا ضروری ہے کیونکہ جب کم سنی میں ہی ایک طالبعلم کو ایسے نظریات کا حامل استاذ مل جائے گا تو عالمی ایجنڈے کا نفاذ آسان ہو گا۔ اس بات کی وضاحت مشہور امریکی تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن کی ایک رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق امت مسلمہ چار حصوں میں تقسیم ہے؛

1۔ بنیاد پرست

2۔ روایت پرست

3۔ جدت پسند

4۔ سیکولرسٹ

رینڈ کارپوریشن نے یہ فیصلہ کیا کہ جدت پسند حضرات کو سب سے زیادہ مدد فراہم کی جائے اور ان کے علمی کام کو ایسی سستی قیمتوں پر فروخت کیا جائے۔ ایسے نظریات کے حامل افراد کو لکھنے کی طرف رغبت دلائی جائے اور ان کے نظریات کو تعلیم کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ ایسے حضرات کو اپنے نظریات کے اظہار اور فروغ کے لیے پبلک پلیٹ فارم بھی مہیا کیے جائیں کیونکہ یہی وہ حضرات ہیں جن کے ذریعے اسلام پرستوں اور بنیاد پرستوں کی اسلامی تشریحات کو چیلنج کیا جاسکتا ہے اور ان میں ضروری تبدیلیاں بھی کرائی جاسکتی ہیں۔ ایسے حضرات لبرل کلچر کو ایسے انداز میں پیش کریں گے کہ گویا یہی متبادل کلچر ہے[1]۔

یہاں اس بات کا واضح اعلان ہے ایسے حضرات کو مختلف پلیٹ فارم مہیا کیے جائیں گے تا کہ ان کے نظریات کے ذریعے عوام الناس کے ذہنوں میں شکوک وشبہات کی فصل بوئی جاسکے اور جہاں تک تعلیمی اداروں کا تعلق ہے تو اس ضمن میں کہا گیا ہے کہ ایسے حضرات کے نظریات کو کتابی صورت میں بہت سستے داموں لوگوں تک پہنچایا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ ان کے نظریات کو مختلف اسباق کی صورت میں نصاب کا حصہ بنایا جاسکے۔ جب یہ نظریات نصاب کی صورت میں اسباق بن کر طلبہ کے ذہنوں تک جائیں گے ان کے دلوں میں اسلامی تعلیمات سے متعلق شکوک وشبہات خود بخود گھر کر جائیں گے۔ عالمگیریت کے اثرات کا نتیجہ ہی تھا کہ پاکستان میں سکولوں اور کالجوں میں مختلف ناولوں اور افسانوں کو اہمیت دے دی گئی تا کہ طلبہ کا دل ان کی طرف مائل ہو اور ان ناولوں اور افسانوں میں لکھی گئی کہانیاں اور سوال وجواب کے پیرائے میں عقائد اور نظریات میں شک کے بیج بوئے جاسکیں۔ یعنی ٹھوس دلائل کی بجائے نئی نسل کی ذہن سازی قصوں کہانیوں سے کی جائے تا کہ وہ اپنی بنیادوں سے دور ہو جائیں یا نظریاتی لحاظ سے کمزور ہو جائیں تا کہ کسی بھی موقع پر انہیں ملک وملت کے خلاف استعمال کیا جاسکے۔ ضرورت اس امر کی ہے اس کا ٹھوس بنیادوں پر رد کیا جائے۔ مولانا مودودی اس آیت؛

---

1 Cherl Benard Smith, Civil Democratic Islam, Partners Resources and Strategies, Rand Corporation 2003. P.36-35

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَشۡتَرِى لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾[1]

"اورانسانوں میں کئی ایسے بھی ہیں جو دلفریب کلام خرید کر لاتے ہیں تا کہ بغیر علم ہی لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا سکیں اوراس راستے کی دعوت کی طرف دعوت کو بھی مذاق میں اڑادیتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے"

کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"لہوالحدیث ، یعنی ایسی بات جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کرکے ہر دوسری چیز سے غافل کردے۔لغت کے اعتبار سے تو ان الفاظ میں ذم کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے لیکن استعمال میں ان الفاظ کا اطلاق بری اور فضول اور بیہودہ باتوں پر ہی ہوتا ہے مثلاً گپ، خرافات، ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے وناول، گانابجانااوراسی طرح کی دوسری چیزیں"[2]

پاکستان کے تعلیمی اداروں پر عالمگیریت کے اثرات کا کیا نتیجہ نکلاہے اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آج تعلیمی اداروں میں اکثریت پردے سے عاری ہوچکی ہے بلکہ جدید پاکستان کی جدید سوسائٹی میں اسے جہالت کی علامت اور ترقی کی آڑ سمجھ لیاگیاہے۔یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر تعلیمی اداروں میں اس کی جانب رغبت دلائی جاتی ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی واضح ہدایات دی جاتی ہیں۔اس وجہ سے عورت کے اندر بے حیائی پیدا ہو جاتی ہے اوراس کی عریانیت کی وجہ سے مردوں کو لذت حاصل ہوتی ہے اوراسی وجہ سے اس پر نہ تو اعتراض کیاجاتا ہے اور نہ ہی پابندی کا مطالبہ کیاجاتا ہے۔ابتدائی سطح پر نہ روکنے کی وجہ سے اب عورت کے لباس میں فیشن کے نام پر عجیب وغریب قطع وبرید شروع ہوچکی ہے جس سے اس کے جسم کے پیچ وخم نمایاں ہوجاتے ہیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اسے انفرادی حق کہہ کر نہ صرف اسے فطرت کے مطابق کہاجارہاہے بلکہ اس کے حق میں دلائل بھی دیے جارہے ہیں[3]۔انسان اور خصوصاً مسلمان نے یہ سفر یقیناً ایک جست میں طے نہیں کیا بلکہ ذہنوں کو بچپن میں ہی تعلیمی اداروں میں اس جانب راغب کیاگیااور تعلیم ایک ضروری امر ہے جس سے کسی صورت صرف نظر ممکن نہیں ہے لہذا تعلیمی اداروں کو ہدف بنایاگیا کہ اگر یہاں ایسے نظریات کی آبیاری ہوگئی تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔تعلیمی میدان میں عالمگیریت کے اثرات کے نتیجے میں ایک تبدیلی زبان سے متعلق درآئی ہے۔اس ضمن میں یہ بات عقیدے کی حد تک عوام کے ذہنوں میں جڑ پکڑ چکی ہے کہ انگریزی زبان ترقی کے لئے ازحد ضروری ہے اوراردو یعنی قومی زبان بچے کی ترقی اور ذہانت

---

1 لقمان:31/6

2 مودودی، تفہیم القرآن، ص:4/8

3 عمری، سید جلال الدین، مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ، اسلامی ریسرچ اکیڈمی کراچی، ص:56

میں گراوٹ کا باعث بنتی ہے۔ حالانکہ عالمی لسانی جائزے کے مطابق دنیا کے ہر ملک میں آئینی تقاضوں کے پیشِ نظر وہاں کی مشترکہ زبان، قومی زبان یا حسبِ ضرورت کوئی ایک یا دو ملکی / غیر ملکی زبانیں بطور سرکاری زبان نافذ ہیں[1]۔

اس ضمن میں چائنا کی مثال دی جاسکتی ہے جو دوسری بڑی زبان کے طور پر متعارف ہوئی ہے اوراس کی وجہ سے تعلیمی یا کاروباری میدان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں آرہی۔ ہر ملک کی اپنی زبان ہوتی ہے جس کے بغیر اس کی آزادی کا تصور بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ اس کے جداگانہ تشخص کی علامت بھی ہے۔ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اپنی قومی زبان کو ہی سرکاری زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن ترقی پذیر ممالک ان کی ترقی سے خائف ہو کر بجائے رشک اور جدوجہد کرنے کے، ان کی زبان کو اختیار کر کے ترقی کی منازل طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ملک پاکستان میں گاڑی الٹی سمت میں چل رہی ہے۔

لہٰذا اس ضمن میں چاہیے کہ عالمگیریت کے دباؤ میں آنے کی بجائے قومی زبان کو ہی تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے اور اسے سرکاری زبان کے طور پر نافذ کرنے میں رکاوٹوں کو دور کرنا چاہیے کیونکہ اس سے بہت سے خطرات بھی جنم لے سکتے ہیں۔ لسانی بنیادوں پر انتشار وافتراق پیدا کرنے وطن دشمن عناصر کو تقویت ملے گی جس سے قومی سلامتی و یکجہتی کی کوششوں کو نقصان پہنچے گا[2]۔ مزید یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ بسا اوقات کسی بالائی سوسائٹی میں اردو بولنے والوں کو طنزیہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے برعکس کسی پسماندہ طبقے میں انگریزی زبان بولنے والوں کو نفرت کا اور تنقید کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور یہ سب طبقاتی نظام تعلیم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ یکساں نظام تعلیم وقت کی ضرورت ہے کیونکہ انگریزی زبان طبقاتی نظام میں فروغ کا باعث بن رہی ہے، عوام اور حکمرانوں میں فاصلوں اور ب میں اضافہ ہو رہا ہے اور مزید اس کی وجہ سے افراد کی تخلیقی صلاحیتیں اور توانائیاں بھی ضائع ہوں گی اور قوم ذہنی طور پر غلام، پژمردہ، احساس کمتری میں مبتلا اور حقیقی ترقی کے ثمرات سے محروم رہے گی[3]۔

مخلوط تعلیمی نظام:

تعلیمی میدان میں مخلوط نظام تعلیم بھی عالمگیریت ہی کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ پاکستان میں سکول لیول پر پرائمری تک بالعموم اور زیادہ تر پرائیویٹ سکولوں میں مڈل تک اور کئی سکولوں میں ہائی کلاسوں تک مخلوط نظام تعلیم رائج ہے۔ اگرچہ کئی سکولوں میں کلاسیں الگ الگ ہوتی ہیں لیکن سکول کی عمارت ایک ہی ہوتی ہے۔ مخلوط کلاس ہو یا ایک ہی عمارت کے اندر الگ الگ کلاسیں ہوں لیکن تعلیم مخلوط ہو، دونوں صورتوں میں کئی ایک مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ نقصانات صرف آپس کے تعلقات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ اس سے لڑکے اور لڑکیوں کی نفسیات پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام صنفی اختلاف کی وجہ دونوں کو الگ الگ رکھنے کا حکم دیتا ہے اور اسی وجہ سے اسے دین فطرت بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ ﴿وَلَيْسَ

---

1 مرزا، محمد الیاس، قومی زبان کا نفاذ، ترقی کیوں اور کیسے، ماہنامہ آئین لاہور، مئی 2006، ص:91

2 مرزا، محمد الیاس، پوسٹ ماڈرن ازم، ماہنامہ آئین لاہور، جون 2006، ص:106

3 مرزا، قومی زبان کا نفاذ، ترقی کیوں اور کیسے، ص:912

الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ﴾[1] اور مذکر چاہے لڑکا ہو یا مردمؤنث یعنی عورت کی طرح نہیں ہے چاہے عورت یا کوئی لڑکی۔اس آیت میں یہ اعلان واضح ہے کہ دونوں کی جنسوں میں بہت وسیع فرق ہے۔یہ فرق حیاتیاتی بھی ہے اور نفسیاتی بھی۔اس میں شک نہیں ہے کہ مردوں اور عورتوں کی نشو و نما کے عمل میں بھی بہت سے فرق پائے جاتے ہیں مثلا بلوغت کے دور میں لڑکیوں میں لڑکوں کی نسبت زیادہ سنجید گی اور سمجھداری پائی جاتی ہے[2]۔

یہ مخلوط تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کو، ہر جگہ بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار بنالیتا ہے اور پاکستان جہاں ابھی تک والدین کی طرف سے اپنے اولاد کو اتنی آزادی نہیں دی جاتی، میں یہ مسائل زیادہ ہوسکتے ہیں۔اگر امریکا جیسے آزاد ممالک میں مخلوط تعلیم کا نتیجہ بہت سے مسائل کو جنم دے سکتا ہے تو پاکستان میں اس حشر سامانی کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔مشہور ماہر نفسیات میری پائیفر تحریک نسواں کی پرجوش حامی ہیں لیکن پھر بھی امریکا میں مخلوط نظام تعلیم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کررہی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مخلوط تعلیم طلبہ کو کس موڑ پر لا کھڑا کرتی ہوگی اور مسلم ممالک بشمول پاکستان میں اس کی تباہ کاریاں کس حد تک ہوں گی۔مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت سے نوازا ہے اور یہ فطرت بدلتی نہیں ہے چاہے وہ کہیں بھی چلے جائیں۔میری پائیفر لکھتی ہیں کہ روز بروز ایسی لڑکیوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے جو سکول جانے سے انکاری ہیں اور جب ان سے وجہ پوچھی جاتی ہے تو ان کا کہنا ہوتا ہے کہ سکول میں ان کے ساتھ کچھ ایسا ہوتا ہے جس کا سامنا کرنا ان کے بس کے بات نہیں[3]۔

عالمگیریت کے تعلیمی اثرات ہی کا نتیجہ ہے کہ زیادہ شادیاں عشق کے نتیجے میں ہونے لگی ہیں اور شادیوں میں اس کے بنیادی مقاصد سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے مادی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ محض سمجھا جاتا ہے اور والدین بننے سے صرف نظر کیا جانے لگا ہے۔گھر کی ذمہ داری بنیادی طور مرد کی ہوتی ہے لیکن آج مسلم معاشروں میں بھی کماؤ بہو کی تلاش کا کام زور شور سے کیا جاتا ہے۔عالمگیریت کے تعلیمی نظریات کی وجہ سے نوجوان لڑکے کسی ایسی شریک سفر کی تلاش میں رہتے ہیں جو کمانے والی ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے ہزاروں سال کی انسانی تہذیب کے خلاف ہے اور آج کے نظام کی مرہون منت ہے[4]۔

یہ ایک خطرناک امر ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت کی زد میں آتی ہیں، عورت اپنی فطرت اور نسوانیت کے خلاف بغاوت کر دیتی ہے، وہ آزادی کی راہ اختیار کر لیتی ہیں، ہر چیز میں مردوں کے برابر مسابقت کی کوشش کرنے لگتی ہیں، خانگی زندگی سے ان کی نفرت ان بڑھ جاتی ہے اور ان میں ضبط تولید کی رغبت پیدا ہو اجاتی ہے تو اس قوم کے عروج کا ستارہ بھی غروب ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے نشانات تک مٹ جاتے ہیں۔یونانی، رومی اور ایرانی قوم کا انجام اس سلسلے میں

---

1 آل عمران:3/36

2 Amerrican Journal of Social Sciences, World Scholars, LLC, USA. Vol: 15, P.41-45

3 Mary Pipher, Saving the Selves of Reviving Ophedia Girls, Oxford Press New York 1994, P. 21

4 Braonislaw Malinowski, Marriage Past and Oresent, Boston University Press USA, P.48

ایک عبرت ناک مثال ہے۔عالم اسلام کو بھی ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان کا انجام بھی ایسا ہی نہ ہو کیونکہ آج وہ اسی دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں ان کی زندگی، ان کے رہن سہن، ان کے رسم ورواج اور طریقہ ہائے زندگی مکمل طور مغرب کے تابع ہوتے چلے جارہے ہیں اور بہت سوں کی حالت ایسی ہے کہ وہ اپنے دین سے بیزار ہیں یا اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے شرمندگی محسوس کرتے ہیں[1]۔

تعلیمی اداروں میں عالمگیریت کے اثرات کا ایک پرتو لباس پر بھی نظر آتا ہے جیسا کہ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ ملک پاکستان میں تمام سکولوں اور کالجوں کا لباس مکمل طور پر مغربی طرز معاشرت کی عکاسی کرتا ہے۔یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر طلبہ اس لباس سے تنگ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سکول یا کالج سے واپس آتے ہی وہ اس لباس کو اتار پھینکتے ہیں اور اپنے قومی لباس میں خود کو سہل محسوس کرتے ہیں لیکن ان کے ادارے اسے کوڈ آف کنڈکٹ کے لبادے میں اسی لباس کی زیب تنی پر بضد ہیں۔یہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں زیر بحث لباس کی حلت و حرمت نہیں ہے بلکہ نقطہ مقصود تعلیمی اداروں میں مغربی عالمگیریت کی برتری کا ہے۔اس کی مثال بھی دی جاسکتی ہے کہ تعلیمی اداروں میں ٹائی کا پہننا بھی ضروری قرار دے دیا گیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کسی ادارے میں ٹوپی کو لازمی قرار نہیں دیا گیا بلکہ اگر کوئی ٹوپی پہن بھی لے تو اسے کہا جاتا ہے کہ سکول آئے ہو کسی مسجد میں نہیں۔اس تصور کو جدید تعلیمی اداروں سے ہی ابھارا گیا ہے کہ ٹوپی مولویوں کے ساتھ خاص ہے یعنی اسے اسلام طرز لباس سے الگ کر دیا گیا ہے جیسا کہ حنیف جالندھری کا بیان ہے کہ ان کے ساتھ ایک سفر کے دوران ایک جرمن باشندے نے کہا کہ تم لوگ ٹوپی کیوں پہنتے ہو؟ تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ انگریز ٹائی کیوں پہنتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ انگریز ثقافت کا ایک حصہ ہے۔ حنیف جالندھری نے جواب دیا کہ جس طرح ٹائی پہننا انگریز ثقافت کا حصہ ہے اسی طرح ٹوپی مسلمان طرز بودوباش کا حصہ ہے اور لڑائی جھگڑے کے دوران بسا اوقات حریف کے ٹائی کھینچنے کی وجہ سے مقابل کا سانس گھٹنے کی صورت میں موت کا بھی خدشہ ہے لیکن ٹوپی پہننے میں اس طرح کی تشویش بھی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ٹوپی پہننا طعن و تشنیع کی وجہ ہے لیکن ٹائی تعلیم اور تہذیب کی علامت سمجھی جاتی ہے[2]۔یہ تصور ظاہر ہے کہ تعلیمی نظریات کے ذریعے ہی لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں عالمگیریت کس قدر گہرے اثرات رکھتی ہے۔

اسلام ایک کامل دین ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔جدید دنیا کا اس وقت کون سا ایسا شعبہ ہے جس کے متعلق اسلامی تعلیمات میسر نہ ہوں؟ اسلام صرف عبادات کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مفید اور کامل رہنمائی ملتی ہے۔اسلام کا اپنا ایک طرز تعلیم اور اس عمل کو مفید بنانے کے لیے رہنما اصول بھی درج ہیں۔اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد وافکار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔اسلامی افکار کی روشنی میں زندگی کے آداب سکھاتا ہے اور اخلاق حسنہ کی تربیت

---

1 ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص:435

2 جالندھری، مولانا محمد حنیف، ماہنامہ پکار ملت لاہور، مارچ 2007، ص:16

دیتا ہے[1]۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلامی نظام تعلیم کا مقصد بچوں کو ایسی تعلیم سے وابستہ کرنا ہے جس سے وہ اسلامی عقائد کو سمجھنے کے ساتھ اچھے اخلاق کے حامل بن سکیں۔ لیکن پاکستان میں تعلیم اخلاق کے بجائے نوکری کے حصول کا ایک وسیلہ گردانی جاتی ہے۔ اسی طرح تعلیم کے چاروں عناصر یعنی معلم، متعلم، والدین اور نصاب تعلیم سب پر عالمگیریت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اساتذہ تک مغرب سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں۔ وہ بجائے مغربی تہذیب کا توڑ کرنے کے الٹا اسی رنگ میں رنگتے جارہے ہیں اور اس سے مرعوب بھی ہیں۔ اسی طرح طلبہ کی بھی یہی حالت ہے۔ نصاب تعلیم تک کی یہی حالت ہے کہ کئی ایک اسباق کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں امیر اور غریب کے لیے الگ الگ نظام تعلیم رائج ہے۔ اس ضمن میں کئی ایک حکومتوں نے یکساں نظام تعلیم کا نعرہ بلند کیا لیکن سب سے نے اس بھاری پتھر کو چوم کر ایک طرف رکھ دیا۔

مولانا مودودی کے مطابق نصاب تعلیم اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ایک ایسی قوم تیار ہو جس میں ذہنی ہم آہنگی پائے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو مختلف نظریات کے انسان کل معاشرے میں ٹکراؤ کا باعث بنیں گے۔ اسی عدم یکسانیت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ایک طرف ایک ایسا طبقہ تیار کیا جارہا ہے جس سے وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ بغیر خدا کے چل رہا ہے، ان علوم سے بہرہ شناس ہونے کے بعد وہ سمجھتا ہے کہ یہاں خدا، رسول اور وحی کی حاجت نہیں ہے اور وہ سارے نظام کو اسی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس کے بعد دینیات کی کلاس میں اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ موجود ہے اور اس کے بغیر کائنات کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ یوں وہ معاشرے میں ایک ہاتھ میں اسلامی علوم کی گتھی لیے اور دوسرے ہاتھ میں مغربی تصورات کی پوٹلی لیے اپنے ذہن میں آنے والے سوالات کو سلجھاتا رہتا ہے[2] اور یوں ایک ایسا معاشرہ تیار ہو جاتا ہے جس میں افراد ذہنی کشمکش کا شکار ہوتے ہیں۔ لہذا بہترین صورت یہی ہے کہ طلبہ کو اسی آب و ہوا میں پروان چڑھائیں، انہیں اپنے نصاب تعلیم سے بہرہ یاب کریں اور انہیں اپنی تعلیم سے روشناس کریں۔ اس ماحول میں نوجوان طلبہ کو جتنی زیادہ مناسبت ہو گی ان کے ذہنوں میں اسی قدر بالیدگی پیدا ہو گی اور اس چمن میں اسی قدر زیادہ بہار آئے گی[3]۔ مدرسہ یعنی سکول بذات خود ایک نہایت اہم اور حساس ادارہ ہے اور اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ قوموں کی عروج وزوال کی داستانیں اس کی تعلیمی درسگاہوں سے ہی لکھی جاتی ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں تعلیمی اداروں کو دل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر دل ٹھیک ہو گا تو سارا جسم ٹھیک ہو گا اور اگر یہ بیمار ہو گا تو معاشرے کے مقدر میں بھی بیماری ہی ہو گی۔ مدرسہ ایک قدر افزا ادارہ ہے جو فرد کی تراش خراش کر کے اسے معاشرے کے لیے زیادہ مؤثر بناتا ہے۔ یہیں حاصل کردہ نظریات انسان کو ساری زندگی متحرک رکھتے ہیں اور اسے فکری اور عملی قوت مہیا کرتے ہیں[4]۔

---

1 عامر شہزاد، تعلیم: مفہوم، اہمیت اور طریقہ کار، ماہنامہ نظامت اپریل 2004، ص: 20

2 مودودی، سید ابوالاعلی مودودی، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص: 36-135

3 مودودی، سید ابوالاعلی مودودی، نظریہ تعلیم اور اسلام، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص: 8

4 مرزا، طارق سہیل، تعلیمی ادارے کا کردار، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، نومبر 1996، ص: 85

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان طالب علمی کے دور میں مغربی تصورات کی غذا حاصل کرے گا تو وہ بڑا ہو کر مغربی نظریات کا ہی پرچار کرے گا اور اس سے آہستہ آہستہ پورا معاشرہ مغربیت زدہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر انسان کو بچپن میں اسلامی نظریات کی تعلیم دی جائے گی، اپنے ملک کی محبت، اس کے وجود اور قیام کی غرض وغایت اور ملک سے وفاداری کا سبق دیا جائے گا، اسے اپنی ثقافت اور معاشرت کے فوائد بتائے جائیں گے تو اس سے ایک ایسی نسل تیار ہو گی جو ملک پاکستان سے وفادار ہو گی، اس سے محبت بھی کرے گی، اسے ایک نعمت بھی سمجھے گی، نظریہ پاکستان کی حامی بھی ہو گی اور اپنی روایات، اپنی ثقافت، اپنی معاشرت اور اپنے نظام زندگی پر فخر بھی کرے گی اور یہی کسی بھی نصاب تعلیم یا کسی بھی ادارے کا مقصود ہوتی ہے۔

اگر تعلیم، تعلیمی اداروں اور نصاب کے مقاصد کو دیکھا جائے تو ملک پاکستان عالمگیریت کے اثرات کی وجہ سے ان اقدار سے دور ہو چکا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد صرف علم حاصل کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طلبہ کو بالکل غیر جانبدارانہ تعلیم دی جانی چاہیے تا کہ زندگی میں آنے والے مسائل اور حقائق کا معروضی انداز میں مطالعہ کریں اور خود ہی ان سے آزادانہ نتائج اخذ کریں۔ لیکن وہ بات بھول جاتے ہیں کہ اسطرح کے نتائج صرف کیمرے حاصل کیا کرتے ہیں انسان نہیں۔ انسان کی آنکھ کے پیچھے اس کا دماغ بھی ہوتا ہے جس سے وہ سوچتا ہے اور مسائل، حقائق اور معاملات سے متعلق ایک مخصوص سوچ اور زاویہ بھی رکھتا ہے۔ انہی نظریات کی روشنی میں وہ ایک مخصوص زندگی گزارتا ہے جسے ثقافت کہتے ہیں۔ مسلمان ایک الگ قوم ہیں جن کا اپنا ایک نظریہ، ایک کلچر، ایک ثقافت، کچھ اصول اور اپنے عقائد ہیں۔ لہذا یہاں آزادانہ تربیت اور تعلیم کی بجائے ایک ایسی نسل تیار کی جانے چاہیے جس سے مسلمان قوم ہی تیار ہو سکے[1]۔ تعلیم حیات انسانی کا وہ تجربہ ہے جس پر اس کے وجود اور بقا کا انحصار ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو حیات انسانی کے قافلے کو رواں دواں رکھتی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی کہتے ہیں کہ؛

> "تعلیم ہی کے ذریعے ایک نسل کے تجربات دوسری نسل تک پہنچتے ہیں اور تعلیم ہی وہ اثاثہ ہے جس پر حیات انسانی کی عمارت قائم ہے۔ اگر غور کریں تو تعلیم ایک Process ہے جس کے ذریعے سے ابلاغ علم ہوتا ہے۔ اس نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہو گا کہ اصل چیز وہ ہے جس کا ابلاغ ہو رہا ہے۔ ماہرین تعلیم نے بلاشبہ طرق ابلاغ اور مقاصد تعلیم پر دل نشیں بحثیں کی ہیں جو نظام تعلیم کے سلسلے میں بے حد اہم ہیں"[2]

پاکستانی تعلیم پر عالمگیریت کے اثرات واضح ہیں۔ اس کے اثرات کے بارے میں ڈاکٹر انیس احمد رقم طراز ہیں کہ مغربی خطوط پر مسلم نوجوانوں کی تعلیم جو مغربی ثقافتی تجربات اور اقدار پر مبنی ہے، اسلام دشمنی سے کیسے پاک ہو سکتی ہے؟ یہ توقع نہیں کی جا سکتی لیکن بعض صورتوں میں ذہین نوجوانوں کے بچ نکلنے کے امکانات موجود ہیں۔ یہ تعلیم لازمی طور پر مسلمانوں کے نبی اکرم ﷺ کے پیغامات پر ایمان کو کمزور کرتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام اصولوں کے بجائے مغربی نظام کے مطابق زندگی

---

1 مودودی، سید ابو الاعلی مودودی، تصریحات، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص:7

2 علوی، ڈاکٹر محمد خالد، تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص:8

بسر کرنے لگتے ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دانشور طبقے نے مغربی اقدار کے مطابق زندگی گزاری جس کی وجہ سے ان کے مذہبی عقائد رفتہ رفتہ کمزور ہوتے چلے گئے۔دانشوروں کی اس طرح کی زندگی گزارنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مغربی سائنس نے کچھ ایسے دلائل فراہم کیے ہیں جو اسلامی طرز زندگی کی خامیوں کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مغرب کی جدید فضامذہب کے سخت خلاف ہے اوراس کے اثرات مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو کچلنے کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں[1]۔

مخلوط طرز تعلیم کی خامیاں:

مخلوط طرز تعلیم عالمگیریت ہی کے اثرات کا نتیجہ ہے اوراس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ غیر فطری ہے۔اس بات سے کون متفق نہیں ہے کہ معاشرے میں مرد اور عورت کی الگ الگ ذمہ داریاں اوراسی حساب سے اللہ تعالیٰ نے جسمانی ساخت اور قوت بھی عطا فرمائی ہے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں اور نصاب میں اس کردار کو مد نظر رکھاجائے تاکہ وہ معاشرے میں اپنے اپنے حصے کا کردار بخوبی ادا کرسکیں۔ان کو اپنی ذمہ داریوں، حقوق، فرائض اور کردار سے تعلیم کے ذریعے ہی تیار کیاجاسکتاہے اور مخلوط طرز تعلیم اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔علامہ اقبال نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہاتھا کہ؛

"کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ہندویوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیایہی ہے معاشرت کا کمال؟ مرد بیکاروزن تہی آغوش"[2]

ان حالات میں ضروری ہے کہ تعلیم کو ملکی تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کیا جائے کیونکہ بقول مشہور مفکر نکوسل کے، تعلیم چاہے روایتی ہو غیر روایتی وہ اپنے ماحول سے ضرور سے متاثر ہوتی ہے۔اس لحاظ سے تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو اس معاشرے کے مطابق بچوں کو ذہنی طور پر تیار کرسکے اور معاشرے کے رویوں کو بھی جان سکے تاکہ انسان بڑا ہوکر ان سے ہم آہنگ ہوسکے[3]۔اسلام کسی بھی طرح تعلیم حاصل کرنے سے نہیں روکتا بلکہ اس عمل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن اگر تعلیم کی وجہ سے انسان اسلامی طور طریقوں سے ناواقف بن جائے،اسے اسلام کی تعلیمات بری لگنے لگیں،وہ اسلامی تعلیمات کوزندگی گزارنے کے لیے ناکافی سمجھنے لگے،اس کا ذہن اللہ اوراس کے رسول کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو جائے یا اس معاشرے کے قیام کی غرض وغایت ہی انسان کے ذہن سے نکل جائے تو اسلام ایسی تعلیم سے بچنے کرنے کی تلقین کرتاہے۔پاکستان میں بھی مغربی طرز تعلیم اور عالمگیریت کے اثرات کے نتیجے میں کی جانے تبدیلیاں ایسی صورتحال کا باعث بنی ہیں اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ انگریزی زبان کو ایک بین الاقوامی زبان سمجھتے ہوئے اسے تعلیم کا ایک ذریعہ سمجھ لینے سے مشرق میں تقریباً سارے ممالک میں

---

1 ڈاکٹر انیس احمد، معاشرتی بگاڑ اور خواتین کا حصول تعلیم، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اگست 2004، ص:97-93

2 علامہ، ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، نظم: عورت، اقبال اکادمی پاکستان، ص:717

3 Nicholas C. Burbules & Carlos Alberto Torres, Globalization and Education, Routlege Press NY USA 2000, P. 3

مغربی کلچر کی افتاد ٹوٹ پڑی ہے [1]۔مادیت پرستی کی وجہ سے تعلیم میں روپیا کمانا ہی اصل مقصود بن چکا ہے اور خود تعلیم کو بھی نوکری اور پیسے کمانے کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ تعلیم کا ہرگز مقصد نہیں تھا۔شاید یہی وجہ ہے کہ بیشتر سکولوں کا یہ عالم ہے کہ وہاں پڑھانے کے بعد سکول کا وقت ختم ہو جانے کے بعد ٹیوشن سنٹر کھول دیا جاتا ہے۔یہ سوچنے کی بات ہے کہ طلبہ سے سکول کی فیس لینے کے بعد انہیں اس نہج پر تعلیم کیوں نہیں دی جاتی کہ انہیں ٹیوشن کی ضرورت ہی نہ پڑے۔اگر سکول میں تعلیم کا معیار ٹھیک ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے اور اگر پھر بھی اس کی ضرورت پڑے تو اس کے لیے دوبارہ فیس لینا نہیں بنتا ۔شاید یہی وجہ ہے کہ اسلامی مدارس اور مکاتب میں یہ طریقہ رائج تھا کہ پڑھائی کے بعد طلبہ میں جو طالب علم سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا اس کی یہ ذمہ داری لگائی جاتی تھی کہ باقی طلبہ کو اس دن کا پڑھایا ہوا سبق دوبارہ پڑھائے [2]۔

لیکن اس طریقے کو ختم کر دیا گیا اور یہ عالمگیریت کا اثر ہے جو تعلیمی میدانوں تک میں اپنے پنجے میں گاڑ چکا ہے ورنہ اگر یہ طریقہ قائم رہے تا تو اس سے ٹیوشن فیس سے جان چھڑا کر نہ صرف غریب طلبہ کی اشک شوئی کی جاسکتی تھی بلکہ تعلیم کو کاروبار بنانے سے بھی روکا جاسکتا تھا۔اس میں یہ امر بنیادی اہمیت رکھتا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اس کی بقا اب یہاں کے باسیوں پر ہے۔اس کے لیے ضروری تھا کہ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کیوں اور کن حالات میں بنا تھا۔یہ بات تعلیم کے ذریعے ہی ممکن تھی اور اس کے لیے ایک ایسا نصاب تعلیم چاہیے تھا جو معاشرے کو متحد کرتا لیکن پاکستان کے نظام تعلیم پر عالمگیریت کے ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ ترقی کے لیے معروضی حالات دیکھے بغیر یورپ کی نقالی کی گئی۔

آج کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں مختلف تعلیمی نظاموں کی وجہ سے ایک منتشر سا معاشرہ وجود میں آرہا ہے۔یعنی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کا نظام تعلیم ایسے اصولوں پر مبنی نہیں ہے جو اتحاد کا داعی بن سکے [3] اور اس کی وجہ سے معاشرے میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی تفریق بڑھتی جارہی ہے [4]۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا کی ہر قوم کو ایک مفید اور کامل نظام تعلیم کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے [5]۔اس پہلو کے اعتبار سے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کی واضح ترجیحات ہونی چاہیے ۔یعنی اگر کسی تعلیم کو صرف تعلیم کی حد تک رکھا جائے اور ان مقاصد کو نظر میں نہ رکھا جائے جو در حقیقت تعلیم کا مقصد ہیں تو اس تعلیم کے اثرات سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔پاکستان میں عالمگیریت کے اثرات کا ایک نتیجہ اور اثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ یورپ کی نقالی میں اس بات کا خیال نہیں رکھا گیا کہ پاکستان کے لیے تعلیمی ترجیحات کیا ہیں ؟ اور یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی سمت

---

1 Robyn Bateman Driskell, the Impact of Globalization on Local Communities inSamir Dasgupta & Ray Kiely,Sage Publications2006.P.241-45

2 مولانا، شبلی نعمانی، الغزالی، رحمانی پریس دہلی 1925، ص:12

3 Iqbal M. Education in Pakistan, Aziz Publishers Lahore 1981. P.11

4 Sayan Fida & Hussain, Pakistan Existing Education System 2008, Retrieved from www.eric.articles/pak/edu .

5 Naseem J. Q. Problem of Education in Pakistan, Royal Book Company Karachi 1990. P.41-43

اورواضح جہت کے تعین کے ایک تعلیمی سفر جاری ہے اوراس وجہ سے یہاں معاشرتی برائیوں کا اضافہ ہوا ہے اور ساتھ میں بیروزگاری بھی بڑھی ہے[1]۔

خلاصہ بحث:

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام کا اپنا ایک الگ، جداگانہ اور منفرد نظام تعلیم ہے لیکن پاکستان میں اسے نافذ کرنے کی بجائے الٹا تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ پاکستان کے معروضی حالات کو دیکھے بنا صرف یورپ کی نقالی کی گئی جس کے نتائج مختلف برائیوں کی صورت میں نکلے۔ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں عالمگیریت نے واضح اثرات مرتب کیے ہیں جو طلبہ کی تعلیم، ان کے رہن سہن، ان کی زبان، ان کے لباس، ان کے کردار اور گفتار وغیرہ میں کثرت سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح مخلوط نظام تعلیم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو یونیورسٹی اور پرائمری کی سطح پر تو موجود ہے ہی لیکن اب یہ سکولوں کی حد تک اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔ معروضی حالات کو صرف نظر کرنے سے تعلیم کے مقاصد پورے نہیں ہو رہے اور یہی وجہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نشے کی وبا بھی پھیلنے لگی ہے، ملک کے پوش تعلیمی اداروں میں نشہ کرنے والے طلبہ کی حد خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے آئے روز میڈیا میں اس بارے میں رپورٹنگ ہوتی رہتی ہے، لوگوں کو مذہب سے یکسر دور کر دیا گیا، تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم کا خاطر خواہ نظام موجود نہیں ہے، والدین اور خود طلبہ بھی دینی علوم سے متعلق مضامین کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جتنی دوسرے مضامین کو دیتے ہیں اور یہی حال وقت کا بھی ہے۔ تمام تر توجہ صرف تعلیمی حد تک ہی ہے اور عملی لحاظ سے طلبہ کی تیاری ہنوز تشنگی کی حامل ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں تعلیم کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیروزگاری بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ان تمام اثرات کا نتیجہ عدم برداشت کی صورت میں نکل رہا ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ تعلیمی حالت زار کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور پاکستان کے معروضی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی نظام اور نصاب کو نئی بنیادوں پر تشکیل دیا جائے۔ کیونکہ کسی بھی قوم کا تعلیمی نصاب اس کی اخلاقی اقدار کا ترجمان ہوتا ہے، اگر پاکستان کی نئی نسل کو اسلامی اخلاقیات واقدار کے ساتھ مضبوطی سے جوڑے رکھنا ہے تو پھر حکومت کو اس ضمن میں مثبت اقدامات اٹھانے ہوں گے۔ تعلیم ایک ایسا امر ہے جس کی اہمیت سے کسی کو انکار ممکن نہیں اوراس کی افادیت کے پیش نظر ہی انسان کو بچپن سے ہی اس کی جانب راغب کر دیا جاتا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام، مذاہب اور ممالک میں تعلیم کے مراکز کا قیام ایک ایسی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے جس سے کوتاہی پر صاحبان اختیار یا مقتدرہ حلقوں کو جوابدہ سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر ملک اپنے نظام تعلیم کو بہتر اور مفید بنانے کے لیے مختلف اقدامات کرتا ہے۔ دنیا کی تمام تر ترقی علم کی بدولت ہی سے شرمندہ تعبیر ہوئی ہے جس سے کسی کو انکار ممکن نہیں ہے۔ نظام تعلیم سے مراد ایک ایسا نظام ہوتا ہے جہاں سے کچھ سیکھا جاتا ہے یا کسی کو سکھایا جاتا ہے۔

1 Government of Pakistan, Ministry of Education,: National Assessment Finding, National Education System Islamabad 2006. P.23

اسلام تعلیم کے ساتھ تربیت پہ بھی زور دیتا ہے کیونکہ تربیت کے بغیر صرف ڈگریاں جاری کرنے سے ملک و قوم کو کم ہی فائدے حاصل ہوں گے اس لئے چاہئے کہ ملک میں اخلاقی اقدار کو مضبوط کرنے کے لئے تمام تعلیمی اداروں کے نصاب میں یکساں طور پہ ایسا مواد شامل کیا جائے جو اس ضمن میں مددگار ثابت ہو۔ طلبہ و طالبات کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے اسلامی تعلیمات پر مبنی نصاب از سر نو مرتب کر کے شامل کیا جائے اور اس کو مکمل یکسوئی کے ساتھ پڑھایا جائے نہ کہ صرف طلبہ کو پاس کرنے کے لئے، کیونکہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اسلامیات جیسے اہم مضمون کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے جس سے اس کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسلام کا اصل مدعا و مقصود ایک ایسا طرز تعلیم ہے جس سے نہ صرف خود تعلیم دینے والا فائدے میں رہے بلکہ اس کے علم سے دوسرے انسان بلکہ کائنات کی تمام مخلوق کو فائدہ ہو۔ ایک ایسا طرز تعلیم جس سے دنیا امن کا گہوارہ بنے اور لوگوں کی ایسی ذہن سازی کی جائے کہ کوئی کسی کو تکلیف پہنچانے کا تصور بھی نہ کرے۔ اسلام کسی بھی ایسے طرز تعلیم سے منع کرتا ہے جس سے ایک ایسی نسل تیار ہو جو اس علم کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں کا مالی، جانی، اخلاقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی یا اخلاقی استحصال کرے یا دوسروں کی کم علمی کا فائدہ اٹھائے۔

فصل چہارم

جدید ذرائع ابلاغ کے پاکستانی معاشرے پر اثرات

فصل چہارم:

جدید ذرائع ابلاغ کے پاکستانی معاشرے پر اثرات

میڈیا کا معنی و مفہوم:

ذریعہ کا مطلب وسیلہ ہے جبکہ ابلاغ کا مطلب اپنی بات دوسروں تک پہنچانا۔ اس لحاظ سے ذرائع ابلاغ سے مراد وہ تمام طریقے اور وسائل ہیں جن سے کوئی انسان اپنی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے یا انہیں اپنی بات سمجھاتا ہے۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ ذرائع ابلاغ سے مراد وہ تمام ذرائع ہیں، جن کی مدد سے ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ اردو میں ذرائع ابلاغ اور انگریزی میں اسے میڈیا کہتے ہیں۔ اس میں روزنامے، اخبارات، کتب و رسائل، ریڈیو، انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن اور دورِ جدید کا سوشل میڈیا اپنے تمام تر اقسام وغیر کے ساتھ سب میں شامل ہیں۔ اردو زبان میں انہیں ذرائع ابلاغ جبکہ عربی میں وسائل الاعلام کہا جاتا ہے۔

عربی مشہور آن لائن ڈکشنری "المعانی" میں یہی مذکور ہے کہ اس سے مراد وہ مختلف وسائل ہیں جن کے ذریعے افراد آپس میں اپنی بات ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں[1]۔ انگریزی زبان میں اس کا متبادل لفظ میڈیا (Media) ہے جس کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے؛

> “The term media is defined as "one of the means or channels of general communication in society, as newspapers, radio, television etc.”[2]

"میڈیا ایک اصطلاح ہے جس کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے کہ اس سے مراد معاشرے میں بات چیت کے تمام وسائل اور ذرائع ہیں جیسا کہ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ"

انگریزی زبان سے متعلق مشہور اور معتمد ڈکشنری (dictionary.com) میں میڈیا کی تعریف کچھ یوں مذکور ہے؛

> “a plural of medium, (*usually used with a plural verb*) the means of communication, as radio and television, newspapers, magazines, and the Internet, that reach or influence people widely”[3]

"میڈیا جمع ہے جس کی واحد میڈیم ہے اور عموماً اسے جمع کے صیغے سے ہی بولا جاتا ہے۔ اس سے مراد بات چیت کے وہ تمام ذرائع ہیں جیسا کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، رسائل اور انٹرنیٹ وغیرہ جو لوگوں تک رسائی پاتے ہیں اور انہیں ایک وسیع پیمانے پر متاثر بھی کرتے ہیں"

---

1 www.almaany.com/ar/dict/ar-ar/وسائل-الإعلام/
2 https://en.wikipedia.org/wiki/Media_(communication)
3 http://www.dictionary.com/browse/media

کولن ڈکشنری میں میڈیا کی تعریف اس طرح کی گئی ہے؛

"All the means of communication, as newspapers, radio, and TV, that provide the public with news, entertainment, etc. usually along with advertising" (1)

"میڈیا سے مراد اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی جیسے بات چیت کے وہ تمام ذرائع ہیں جو انسان کو خبریں اور تفریح مہیا کرتے ہیں اور عموماً مختلف کاروباری اشتہارات بھی چلاتے ہیں"

آکسورڈ یونیورسٹی کے تعریف کے مطابق میڈیا سے مراد وہ تمام وسائل ہیں جن کے ذریعے انسان ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتا ہے اور اپنی بات ایک دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ مزید وضاحت اس طرح کی ہے کہ میڈیا کا لفظ لاطینی زبان سے آیا ہے جو کہ لفظ میڈیم کی جمع ہے۔ اسی روایتی پس منظر کی وجہ سے یہ لفظ انگریزی میں جمع کے معنٰی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، رسائل اور انٹرنیٹ وغیرہ تمام ذرائع مراد لیے جاتے ہیں جیسا کہ براڈ کاسٹنگ، پبلشنگ اور انٹرنیٹ وغیرہ (2)۔ مشہور بزنس ڈکشنری میڈیا کی تعریف یوں کرتا ہے:

"رابطے کے وہ تمام ذرائع جن سے تفریح، تعلیم، ڈیٹا یا پیغام رسانی کی جاتی ہے میڈیا کہلاتے ہیں۔ اس سے مراد براڈ کاسٹنگ یا نیرو کاسٹنگ کے تمام ذرائع مراد ہیں جیسا کہ اخبارات، رسالے، ٹیلیویژن، ریڈیو، خطوط، ٹیلیفون، فیکس اور انٹرنیٹ وغیرہ۔ یہ لفظ میڈیم کی جمع ہے جبکہ موقع محل کی مناسبت سے اسے واحد اور جمع دونوں طرح استعمال کیا جا سکتا ہے" (3)

ذرائع ابلاغ کے پاکستانی معاشرے پر اثرات کا جائزہ:

میڈیا کی بنیاد دو چیزوں ہیں: ایک تکنیکی وسائل اور آلات اور دوم؛ تنظیمی اور مالی وسائل۔ اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں چیزیں مغرب کے پاس ہیں اور مسلمان ممالک صرف ان کے صارف یا درآمد کنندگان ہی ہیں اور اسی برتری کا نتیجہ ہے کہ مغرب اپنے میڈیا کی طاقت کے بل بوتے پر سیاہ کو سفید بنا کر پیش کر رہا ہے۔ پاکستان کے تناظر میں یہ بات بھی اہم ہے کہ یہاں میڈیا کو اس انداز میں دیکھا جا رہا ہے کہ لوگوں کو وہ چیز یا مواد مل رہا ہے کہ جو وہ چاہتے ہیں حالانکہ اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ جو وہ چاہتے ہیں وہ ان کی ضرورت بھی ہو (4)۔ پاکستان میں جدید ذرائع ابلاغ کی مقبولیت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2000ء سے لے کر 2008ء تک صرف پرائیویٹ ٹی وی چینلز کی تعداد میں پچاس کا اضافہ ہوا ہے (5)۔ ایک

---

1 https://www.collinsdictionary.com/dictionary/english/the-media

2 https://en.oxforddictionaries.com/definition/media

3 http://www.businessdictionary.com/definition/media.html

4 Muhammad Ashraf & Muqeem ul Islam, Media Activism and Its Impacts on the Psychology of Pakistani Society, ISSRA Papers 2014, P. 76

5 Marco Mezzera and Safdar Sial, Media and Governance in Pakistan, Country Case Study Pakistan, October 2010, IFP Paper Research, P. 10

ٹی وی رپورٹ کے مطابق اس وقت پاکستان میں تقریباً آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ ٹی وی کے ناظرین موجود ہیں جن میں سے کیبل ٹی وی کو ناظرین تین کروڑ اسی لاکھ ہیں جب کہ ٹیرسٹیریل ناظرین کی تعداد چار کروڑ اسی لاکھ ہے۔ جو ایک کروڑ بائیس لاکھ ٹی وی سیٹ کی مدد سے معلومات حاصل کرتے ہیں۔ ہالی ووڈ اور بالی ووڈ پاکستانی معاشرے پر بہت زیادہ منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں ہے حتیٰ کہ وزیر اعظم پاکستان عمران خان صاحب نے بھی کہا کہ: "ملک میں بالی ووڈ اور ہالی ووڈ کے فحاشی والے کلچر کی وجہ سے فیملی سسٹم ٹوٹ رہا ہے اور طلاقیں بڑھ رہی ہیں"[1]۔

جدید ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں وہ اپنا کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ تعمیر و تخریب، ہر دو صورتوں میں ان کی اہمیت اور واقعیت سے مفر ممکن نہیں ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والے واقعات تک رسائی میڈیا کی بدولت ہی ممکن ہوئی ہے۔ رائے عامہ کی تشکیل میں بھی میڈیا ایک بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک کی طرح پاکستان بھی میڈیا کے اثرات سے ماورا نہیں ہے۔ باقی دنیا کی طرح پاکستان میں بھی میڈیا کو مثبت اور منفی دونوں لحاظ سے دیکھا جاتا ہے اور اسی ضمن میں لوگوں کی آراء بھی مختلف ہیں۔ میڈیا کے مثبت اور منفی اثرات ایک حقیقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پاکستانی معاشرے پر مرتب ہونے والے دونوں کے اثرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

اخبارات:

اپنے وجود سے کر آج کے دور تک اخبارات کی اہمیت مسلمہ رہی ہے۔ اس کی اہمیت میں یہ بات کلیدی ہے کہ اسے کسی بھی وقت پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے پڑھنے کے لیے الیکٹرانک میڈیا کی طرح کسی ایک جگہ کا مخصوص کرنا یا اس کا پابند ہونا لازمی نہیں ہے۔ اگر مختلف اخبارات کی سرکولیشن کو دیکھا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کی آبادی کے لحاظ سے یہ سرکولیشن کم ہے جس کی وجہ شرح خواندگی کے کمی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اس سے دلچسپی میں کمی بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان اخبارات کا شائع ہونا اس بات کا بھی غماز ہے کہ لوگ اس میں دلچسپی لیتے ہیں اور ان کی اہمیت پاکستانی معاشرے میں مسلمہ ہے۔ 1988ء میں پاکستان میں جب انتخابات واقع ہوئے تو اس دوران میں اخبارات کی تعداد ایک سو اٹھائیس (128) تھی[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہم مواقع پر لوگ اخبارات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ الیکشن جو سراسر ایک سیاسی عمل ہے، اسی طرح دوسرے اہم مواقع پر لوگوں کا رجحان اخبارات کی طرف بڑھتا ہے اور اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ انتخابات کے دوران نئے اخبارات کا اضافہ ہوا۔ پاکستان میں اخبارات کی اہمیت جانچنے کے پیش نظر ایک سروے 1999ء میں کرایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اخبارات کا مستقبل کیا ہے؟ اس سروے کے مطابق پاکستان میں سینتالیس فیصد (47٪) لوگ باقاعدہ اخبارات پڑھتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس کبھی کبھی

---

1 WWW.JANG.COM.PK 24JAN,2020

2 Pakistan Year Book 1987-88, East West Publishing Co. Karachi 1988. P.91-93

اخبارات پڑھنے والوں کی تعداد دیکھی جائے تو ترپن فیصد (53٪) ہے [1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانیوں کی ایک وسیع تعداد اخبارات سے متعلق ہے۔ پاکستان میں اخبارات اور صحافت مشکل دور سے گزرے ہیں۔ مختلف ادوار میں ان پر کڑی پابندیاں رہی ہیں اور کسی مخصوص نقطہ نظر کو شائع کرنے یا کسی خاص نظریہ کی اشاعت سے انہیں روکا جاتا رہا ہے۔ اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ جنرل ایوب خان سے لے کر ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خاتمے تک پاکستانی اخبارات ایک سخت سنسر شپ کا شکار رہے ہیں [2]۔ ان پابندیوں کے باوجود وہ پاکستانی عوام کو جہاں ایک طرف تازہ ترین حالات سے باآخر رکھا وہیں یہ فریضہ بھی ادا کیا کہ لوگوں میں معاشی، معاشرتی، اور سیاسی مسائل کے بارے میں آگاہی اور شعور بھی پیدا کیا۔ ان بنیادی مقاصد کے ساتھ اخبارات نے تفریح کے میدان میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ تفریح کے ضمن میں اخبارات نے اپنی سرکولیشن بڑھانے کے لیے فلم، فیشن، جنسیات ، جرائم اور تشدد کی خبریں شائع کرنے کے لیے باقاعدہ میگزین شائع کیے اور مخصوص قسم کی اشاعت کے لیے کچھ ہفتے کا کوئی نہ کوئی دن بھی مخصوص کیا [3]۔

اس طرح کی خبریں شائع کرنے سے پاکستانی معاشرے پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات واقع ہوئے۔ اس جہت کا مثبت پہلو یہ ہے کہ لوگ تشدد، جنس، جرائم اور چوری جیسے واقعات سے باخبر ہوگئے اور انہیں یہ شعور حاصل ہوا کہ انہیں اس طریقے سے بھی تشدد اور دوسرے جرائم کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ منفی اثرات یہ مرتب ہوئے کہ جرائم پیشہ لوگ مختلف قسم کے واقعات پڑھ کر نئی نئی منصوبہ بندیاں کرنے لگے اور ان کے دماغ کو ایک مہمیز بھی مل گئی۔ اس طرح فلم اور ڈراموں میں پیش کیے جانے جانے واقعات سے لوگوں کو جرائم کے نئے طریقوں سے آشنائی ہوئی۔

جن اخبارات میں کھیلوں اور فلموں سے متعلق خبریں زیادہ ہوتی ہیں، اکثر نوجوان نسل اس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس طرح کا زیادہ کام عموماً شام کے اخبارات میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شام کے اخبارات کو صبح کے اخبارات کے مقابلے میں زیادہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی ہے، لیکن ان میں محض "مرچ مصالحے" نما مواد پیش کیا جاتا ہے اور منفی خبریں زیادہ ہوتی ہیں۔ مختلف جذبات کو مہمیز کرتے ہوتی ہوئی شہ سرخیاں ان اخبارات کے ماتھے کا جھومر ہوتی ہیں اور یہی ان کا گہنا ہوتا ہے۔ اس طرح کے اخبارات کا پاکستانی معاشرے پر برا اثر مرتب ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کی صحافت بھی داغدار ہوئی، ترجیحات میں فرق آیا ہے اور عوام میں اعتبار بھی کم ہوا ہے۔ انہی اثرات کا نتیجہ ہے کہ صحافت مدح سرائی، مذمتی بیانات، کسی کی قصیدہ خوانی اور مفاداتی تبصروں کا مرقعہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس ضمن میں شام کے کراچی کے "عوامی قومی اخبار" اور "پبلک" کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان جیسے سنسنی، فحاشی اور شہوت انگیز مواد پر مبنی اخبارات بلیک میلنگ بھی کرتے ہیں اور لوگ اپنی بدنامی سے بچنے کے لیے ان کی خواہشات کی بھینٹ بھی چڑھ جاتے ہیں تاکہ عزت محفوظ رہے۔ انہی اثرات کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں

1 Gallup Profile of Pakistan, 1999
2 Zamir Niazi, Press in Chains, Royal Book Co. Karachi 1996
3 Zohra Yusuf, “the press did no fail” the Daily Dawn Karachi , June 23, 1992

نوجوانوں میں صحافی بننے کا رجحان پیدا ہوا ہے تاکہ پولیس سے محفوظ رہا جائے یا بیوروکریسی کی قربت حاصل کی جائے۔اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ پولیس اور بیوروکریسی ان سے خوفزدہ رہتی ہے[1]۔اس طرح کے اثرات کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک طرف تو یہ مثبت رجحان طے پایا ہے کہ بیوروکریسی اور پولیس ان حالات سے خائف ہو کر کسی بھی غیر قانونی اور غیر اخلاقی کارروائی کو دیدہ دلیری سے کرتے ہوئے گھبراتی ہے۔لیکن یہ برے اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں کہ مختلف جرائم پیشہ لوگ اس میدان سے وابستہ ہو کر اپنے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں یا مختلف محکموں کو بلیک میل کرتے ہیں۔ صحافت سے وابستہ حضرات اپنی دوستی اور دشمنی کے بنیاد پر کسی برے انسان سے متعلق اچھی رائے یا کسی اچھے انسان سے متعلق بری رائے بنا لیتے ہیں۔پاکستانی معاشرے پر اخبارات کے اثرات کا یہ پہلو صرف شخصیات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار ثقافتی حدود تک بھی پھیلا ہوا ہے۔اخبارات کے خصوصی ایڈیشن جو فلم،ڈراموں،ٹی وی،خواتین اور طلبہ کے لیے شائع کیے جاتے ہیں ان میں فلمی اداکاراؤں کی نیم عریاں تصاویر شامل ہوتی ہیں۔

نوجوان نسل اور خصوصاً طلبہ پر اس کے برے اثرات واقع ہوتے ہیں۔ثقافت کے ضمن میں بسنت اور ویلنٹائن ڈے کی مثالیں اخبارات کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔2000ء اور 2001ء کے اخبارات کا اس حوالے سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس دور کے تمام انگریزی اور اردو اخبارات نے بسنت اور ویلنٹائن ڈے کے موقعوں پر رنگین صفحات شائع کیے ،خصوصی ایڈیشن بنائے اور ان صفحات پر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک دوسرے کے نام محبت بھرے پیغامات بھی شائع کیے۔ان سالوں میں اخبارات کی بدولت پاکستانی معاشرے پر ان تہواروں کے ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ نوجوانوں نے ان میں خصوصی دلچسپی لی اور اسی دلچسپی کے مد نظر ان کو اس طرح منایا گیا کہ ہندو انتہا پرست بال ٹھاکرے کو بھی کہنا پڑا کہ پاکستان میں بسنت کا یوں منایا جانا ہندو تہذیب کی بہت بڑی کامیابی ہے اور اس میں ہلاک ہونے والے تمام نوجوان شہید ہیں۔اگر مسلمان قیام پاکستان سے قبل بھارتی ثقافت کو اس طرح قبول کر لیتے تو تقسیم کے نتیجے میں ضائع ہونے والی لاکھوں زندگیوں کو بچایا جاسکتا تھا[2]۔آج کے اخبارات کے مختلف رنگین صفحات پر شائع ہونے والا مواد پاکستانی معاشرے کی اقدار سے کسی صورت میچ نہیں ہوتا۔ان صفحات میں ایسے پوز دیے جاتے ہیں اور لباس کے نام پر ایسے پہناوے دکھائے جاتے ہیں جن سے نوجوان نسل میں بے حیائی پھیلتی ہے اور ان منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔اس کا نتیجہ ہے کہ پاکستانی معاشرے پر اثرات واقع ہو رہے ہیں۔لوگوں میں منفی رویوں اور خطرناک رجحانات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ غیر ضروری چیزیں اہم بنائی جاتی ہیں۔لوگ سنجیدہ علمی و سائنسی

---

1 ماہانہ "ساحل" کراچی،جون 1997،ص:59-52

2 صفیہ اکرم،پی ٹی وی پر اخلاق باختہ پروگراموں کا فروغ،روزنامہ انصاف،4 فروری 2001

اور دوسری مثبت خبروں کی بجائے سطحی خبروں میں پڑ کر حقائق سے دور ہو جاتے ہیں اور یوں معاشرہ مثبت سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں کی کمی کا شکار بن جاتا ہے۔

رسائل:

پاکستان میں مختلف موضوعات پر مختلف زبانوں تقریباً دو ہزار کے لگ بھگ رسالے شائع ہوتے ہیں، جن میں انگریزی، اردو، سندھی، پشتو، بلوچی، پنجابی، گجراتی اور سرائیکی وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں بعض سہ ماہی، بعض ہفت روزہ، کچھ پندرہ روزہ اور کچھ ماہانہ بنیادوں پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ان سب رسالوں کی مجموعی سرکولیشن دو لاکھ کے قریب ہے۔ پاکستان میں مقامی رسالوں کے علاوہ کچھ بین الاقوامی رسالے بھی شائع ہوتے ہیں جیسا کہ ریڈرز ڈائجسٹ، بزنس ویک اینڈ، ٹائم، نیوز ویک، اکانومسٹ، فار ایسٹرن اکنامک، ریویو اور ایشین ویک قابل ذکر ہیں۔ ان رسالوں کی تقریباً چالیس ہزار کاپیاں منگوائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں خواتین اور بچوں کے لیے بھی رسائل شائع کیے جاتے ہیں لیکن عام معاشرتی میگزین ایک بڑی تعداد میں اردو اور انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ یہ رسالے زیادہ تر معیشت، معاشرت، ریڈیو، ٹیلیویژن، فلموں، سیاست، مختلف مہمات اور جاسوسی کے مواد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ رسائل پیشہ ورانہ موضوعات سے متعلق بھی ہوتے ہیں جیسا کہ بینکنگ، دفاع، مارکیٹنگ، اکنامکس، مینجمنٹ، پبلک ایڈمنسٹریشن، میڈیسن، زراعت، ٹیکسٹائل وغیرہ[1]۔ کچھ رسائل اور جریدے تو پاکستانی ثقافت اور معاشرتی اقدار کو فروغ دینے میں مدد و معاون تحریریں شائع کرتے ہیں، لیکن کچھ ان کی نفی بھی کرتے ہیں اور تشکیک کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ جس سے یہاں کی ثقافت کا نقشہ بدلنے لگا ہے۔ لوگ ان رسالوں میں اپنی دلچسپی کے مضمون پڑھ لیتے ہیں، تاہم ان سے مناسب رہنمائی نہ پانے کی وجہ سے متضاد رویوں کا شکار ہو جاتے ہیں بعض اوقات اسلام کے حق اور بے حیائی کے رد سے متعلق تعلیمات کے ساتھ حیاباختہ تصاویر اور تحریریں بھی شامل کر لی جاتی ہیں[2]۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ضمن میں رسائل کے بھی پاکستان پر اثرات کسی نہ کسی طور دیکھے جاسکتے ہیں کیونکہ مختلف ترقی یافتہ ممالک اپنی ثقافت اور سوچ کو بڑی آسانی کے ساتھ ترقی پذیر ممالک میں اس کے ذریعے متعارف کرا رہے ہیں، جس کے اثرات سے ترقی پذیر ممالک نفسیاتی کمزوری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ان اثرات کا رد نہیں کیا جاتا۔ اور متبادل بیانیہ بھی پیش نہیں کی جاتا، جس کی وجہ سے ان رسائل اور کتابوں میں دیے گئے پیغامات سے لاشعوری طور پر قومیت دھندلا سی جاتی ہے[3]۔

---

1 Saeed, Abdul Ghani, Unpublished Research Article, Media and Values, Karachi

2 Film Asia, Magazine Karachi, August 1991

3 مہدی حسن، جدید ابلاغ عام، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔ مارچ 1990، ص:205-198

ریڈیو:

ذرائع ابلاغ میں ریڈیو سب سے پرانا ذریعہ ہے۔ یہ اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اسے کہیں بھی اٹھا کر چلتے چلتے سنا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بجلی کے ہونے یا نہ ہونے کا بھی محتاج نہیں ہے۔ محض ایک سیل ڈلنے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، تاہم ٹیلی ویژن کی آمد نے اس کے وجود کو معدوم کے مترادف کر دیا۔ شہروں تو شہر ہیں، اب دیہاتوں میں بھی ریڈیو کے وجود کو موبائل فون نے ختم کر دیا ہے۔ اگرچہ اس کا ظاہری وجود ختم ہونے کو ہے لیکن اس کے باوجود دنیا کے تمام ممالک میں نہ صرف پرائیویٹ سطح پر بلکہ سرکاری سطح پر بھی ریڈیو کا وجود برقرار ہے جو اس کی افادیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے ذریعے ادبی، ثقافتی، سیاحتی اور حالات حاضرہ وغیرہ سے متعلق ہر طرح کے پروگرام نشر کیے جاسکتے ہیں۔ ٹیلی ویژن عام نہ ہونے کے زمانے میں ریڈیو ہی حکومتی پالیسیوں سے آگاہ ہونے کا واحد ذریعہ تھا، اور مختلف مسائل کے حل جاننے کا بھی۔ اسی طرح جنگ اور امن کے زمانے میں خبروں اور معلومات کا بھی تیز ترین ذریعہ بھی تھا۔ پاکستان میں اگر ریڈیو کے اثرات پر ایک نظر دوڑائی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ریڈیو پاکستان نے ہر میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس ضمن میں زراعت کے میدان ریڈیو کا کردار بہت جاندار جانا جاتا ہے۔ کسانوں کی مختلف فصلوں، ان کی دیکھ بھال، مختلف بیماریوں اور ان سے بچاؤ کے طریقے کسی دور میں ریڈیو پاکستان سے نشر کیے جاتے تھے۔ اس سے کسانوں کو نہ صرف آگاہی حاصل ہوئی بلکہ انہیں مفت بہت سی معلومات بھی دی گئیں۔ اس کے ساتھ انسانوں اور جانوروں کی بیماریوں سے متعلق لائیو پروگرام نشر کیے گئے جن میں فون کر کے لوگ اپنے مختلف مسائل کے بارے میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ دینی رہنمائی کے پروگرام جیسے "حی علی الفلاح" وغیرہ کے ذریعے قوم کو دینی خطوط پر استوار کرنے کی کوشش بھی بڑی اہمیت کی حال تھی جہاں مختلف مسائل کے جوابات کے لیے نامور علمائے دین کو بلایا جاتا تھا۔ اس طرح کے پروگراموں کے پاکستانی قوم پر بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن باقی اقوام کی طرح پاکستان بھی عالمگیریت کی زد میں آیا تو ان کی طرز پر یہاں بھی مختلف ایسے پروگرام نشر کیے جانے لگے جن میں سامعین کی آوازیں براہ راست نشر کی جانے لگیں، شعر سنائے جانے ، گپ شپ ہونے لگی اور فرمائشی فلمی گانوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ اس ضمن میں FM-100 کا نام قابل ذکر ہے کیونکہ اس چینل کی نشریات میں کوئی تعطل یا وقفہ نہیں تھا اور دوسرے یہاں ایک مخصوص وقت کے علاوہ تمام وقت گانوں کے لیے صرف تھا۔ اس طرح کے پروگراموں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے گہری دلچسپی لی۔ ایک سروے کے مطابق بیاسی فیصد (82٪) نے یہ اقرار کیا کہ اس چینل نے ان کے ریڈیو سننے کی عادت میں اضافہ کیا ہے۔ اس چینل کے پاکستانی معاشرے پر اثرات کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ یہاں زیادہ تر پروگراموں میں سامعین کو براہ راست شامل کیا جاتا تھا جبکہ اس سے قبل ریڈیو پاکستان کے پروگراموں میں زیادہ تر ریکارڈڈ کال سنائی جاتی تھیں اور اگر کہیں براہ راست فون کی سہولت موجود تھی تو وہ کسی خاص جہت یا مسائل کی رہنمائی کے لیے تھی جس کے حل یا مشورے کے لیے اسی فورم پر کسی ذمہ دار یا ماہر کو بٹھایا جاتا تھا لیکن FM-100 میں یہ کالیں گپ شپ کے لیے بھی تھیں، اس کے ساتھ موسیقی کا بھی وافر سامان موجود تھا اور اس کے ساتھ ٹریفک

کے بارے میں بھی موجودہ حالات اور رہنمائی موجود تھی[1]۔ شہروں میں ٹریفک کا مسئلہ عموماً موجود رہتا ہے اس لیے ڈرائیور حضرات اس چینل کو گاڑی میں ہر وقت ٹیون رکھتے تاکہ کسی بھی جگہ ٹریفک جام سے بچا جاسکے۔ اس چینل کی پذیرائی کو دیکھتے ہوئے ہی حکومت پاکستان نے FM-101 جاری کیا۔ لیکن بعد میں بہت سے ایسے چینل بھی وجود میں آئے جنہوں نے پاکستانی ثقافت اور گانوں کی بجائے انڈین گانوں کو ترجیح دی۔ اس ضمن میں FM-99 کا نام بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

ٹیلی ویژن:

کسی بھی معاشرے میں ٹیلیویژن کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ جدید برقی ذرائع ابلاغ میں یہ ایک ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جو انسانی سوچ پر واضح اثرات مرتب کرتا ہے اور اس کی اس خصوصیت کو آواز کے ساتھ متحرک تصویر کئی گنا زیادہ کردیتی ہے۔ پاکستانی معاشرے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہاں اس کا آغاز 1964ء میں ہوا۔ سرکاری ٹی وی کا مقصد اطلاع، تعلیم اور تفریح قرار پایا۔ لیکن بعد میں تعلیم اور اطلاع کا عنصر ناپید ہوتا چلا گیا جبکہ اس مقابلے میں تفریح کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے بعد جب مختلف پرائیویٹ چینلز کا غلبہ ہوا تو حکومت پاکستان نے بھی یہ محسوس کیا کہ مقابلے کی یہی ایک صورت ہے کہ مختلف چیزوں کو الگ الگ کردیا جائے۔ اسی سوچ کا نتیجہ تھا کہ خبروں یعنی اطلاع کے لیے ایک پی ٹی وی نیوز، تفریح کے لیے پی ٹی ہوم اور کھیلوں کے لیے پی ٹی وی سپورٹس کا اجرا کیا گیا۔ اس لحاظ سے کھیل، تفریح اور اطلاع یعنی خبروں کے لیے تو ایک ایک چینل مخصوص کردیا گیا لیکن تعلیم کے لیے سرکاری سطح پر کوئی چینل موجود نہیں ہے۔ ٹیلی ویژن کی اسی مقبولیت کے پیش نظر بہت سے اہل ثروت حضرات پرائیویٹ ٹی وی چینل کھول لیے جن میں انگلش اور انڈین فلموں کی بھرمار ہوگئی۔ اس سے پہلے لوگ سرکاری ٹی وی پر چلنے والی فلموں پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے۔ شہری علاقوں میں لوگ سینما بھی چلے جاتے تھے۔ لیکن ان دونوں طرز ہائے فلم میں پاکستانی فلموں کو ہی فوقیت حاصل رہی۔ لیکن وی سی آر (VCR) کی آمد نے سینما کے شائقین کی تعداد میں کمی کردی کیونکہ اس میں وقت اور پیسے اور دور نزدیک جانے کے لیے سفر کی بھی بچت تھی۔ ٹی وی اور فلموں کے پاکستانی معاشرے پر اثرات کے ضمن میں بڑا کردار وقت نے ادا کیا۔ تمام مشہور ڈرامے آٹھ بجے لگتے تھے اور اس کے علاوہ سینما کا وقت بھی عموماً پچھلے وقت سے شروع ہر آدھی رات تک جاری رہتا تھا۔ اس چیز کے پاکستانی معاشرے پر یہ اثرات مرتب ہوئے کہ لوگ اپنے خاندان کو وقت دینے کی بجائے اسے سیر و تفریح کا سامان جاننے لگے اور یوں اس چیز کی مانگ نے گلی محلوں تک ویڈیو اور سی ڈی کی دکانیں کھولنے کی راہ آسان کردی۔ اس نوجوان نسل پر ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ پاکستان میں اوسطاً دس لاکھ افراد روزانہ فلم دیکھنے لگے اور بعدازاں 1998ء میں یہ تعداد پچیس لاکھ تک جا پہنچی۔ ان میں اٹھائیس فیصد کو ایسی لت پڑی کہ وہ باقاعدگی سے فلمیں

---

1 Rabeiah Naheed, FM-100 as Trendsetter of Radio Listening, The Case of Lahore, Listeners, Unpublished Thesis, M.A Mass Communication, University of Punjab Lahore 1998, P.39

دیکھنے لگے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ تینتیس فیصد لوگ انگریزی فلمیں دیکھے تھے جبکہ مقامی فلموں کے دیکھنے والوں کی تعداد صرف تین فیصد تھی[1]۔ مقامی فلموں کے مقابلے میں انگریزی فلموں کی زیادہ مانگ سے جدید ذرائع ابلاغ کے پاکستانی معاشرے پر اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ 1991ء کا دور ٹیلی ویژن کی دنیا میں وسعت لے کر داخل ہوا۔ اس دور میں مواصلاتی سیاروں کے وجہ سے ڈش انٹینے لگانے کی وجہ سے پاکستان میں مختلف ممالک کے ٹی وی چینلز دکھائی دینے لگے۔ صرف کراچی میں 1995ء میں 25000 ڈش انٹینے لگ چکے تھے[2]۔

پاکستان میں ٹی وی کے اثرات کی ذیل میں دوسرے ممالک کی ثقافت اور بے راہروی پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اوراس لحاظ سے یہاں سرکاری یا پرائیویٹ چینلز بہت زیادہ نہیں تھے جس کی وجہ سے ڈش پر زیادہ تر چینلز غیر ملکی دکھائی دیتے تھے جو اپنے اپنے ممالک کی ثقافت کے آئینہ دار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 1996ء میں پاکستان میں ڈش پر چالیس انڈین چینل جبکہ امریکی چینلز کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ جذبات مہمیز کرنے والے پروگراموں کی بہتات کی وجہ سے پاکستان میں ڈش نے بڑی تیزی سے جگہ بنائی اور ایک سروے کے مطابق پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات کی پہلی ترجیح زی ٹی وی (Zee TV) دوسری ترجیح میوزک ٹی وی ٹھہرا۔ یہ دونوں چینلز اب کیبل پر بھی آسانی کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں[3]۔ بعد ازاں یہ تعداد اس قدر تیزی سے بڑھی کہ متوسط طبقے کے پینتالیس فیصد (45٪) لوگ زی ٹی وی دیکھنے لگے۔ انڈین ڈراموں کا مشہور چینل سٹار پلس دیکھنے والوں کی تعداد تینتالیس فیصد (43.33٪) جبکہ ایم ٹی وی دیکھنے والوں کی تعداد تینتیس فیصد (33.33٪) ہو گئی[4]۔

ٹی وی کے انہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ ملک پاکستان میں فیشن اور مختلف معاشرتی رجحانات پیدا ہو گئے جو پاکستانی معاشرت اور ثقافت سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اس کے ساتھ لبرل ازم نے بھی اپنا رستہ بنایا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ہونے والے تحقیق کے مطابق جب طلبہ وطالبات سے مختلف انڈین چینلز دیکھنے کی وجہ معلوم کی گئی تو ان میں تینتیس فیصد (33٪) کا جواب تھا کہ وہ فیشن اور نئے معاشرتی رجحانات کی وجہ سے انڈین چینلز دیکھتے ہیں۔ باقی انتیس فیصد (29٪) نے انڈین چینلز دیکھنے کی وجہ لبرل ازم

---

1 Gallup, Profile of Pakistan 1999

2 Sarwar Naseem, Reseach Article, Computer and Communication, Department of Mass Communication, University of Karachi, June. 1997,P.1/64

3 خان، محمد انور، سیٹلائٹ نشریات کے پنجاب یونیورٹی کے طلبہ وطالبات پر اثرات، غیر مطبوعہ مقالہ، ایم اے ابلاغیات، پنجاب، یونیورسٹی لاہور 1997، ص:9

4 Nabiha Fatima, Effects of Satellite Channel Zee TV on Lahore Middle Class, M.A Mass Communication, University of the Punjab Lahore 2000, P.52

کو بتایا[1]۔ اس کا مطلب ہے کہ اس دور میں بھی ٹیلیویژن پاکستانی معاشرے پر اس قدر اثرات مرتب کر چکا تھا کہ ان کی ترجیحات میں فیشن اور لبرل ازم سر فہرست تھا یا اپنی جگہ بنا رہا تھا۔

پاکستانی معاشرے پر میڈیا کے مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ ان رجحانات سے لگایا جا سکتا ہے، جن کی وجہ سے لوگ انڈین اور دوسرے غیر ملکی چینلز دیکھنے کی طرف راغب ہوئے۔ ان عالمگیر اثرات کا نتیجہ تھا کہ اکہتر فیصد (71٪) کی رائے میں غیر ملکی چینلز کو ملکی چینلز سے بہتر قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ ستائیس فیصد (27٪) نے فلم کو، اکیس فیصد (21٪) نے ڈرامے کو جبکہ انیس فیصد (19٪) نے موسیقی کے پروگراموں کو پسند کیا۔ رپورٹ کے مطابق ان چینلز کو دیکھنے کے بعد نوجوانوں اور دیگر لوگوں کی سوچ میں ایسے اثرات مرتب ہوئے کہ چھیاسٹھ فیصد (66٪) نے کہا کہ ان کی سوچ مکمل تبدیل ہو چکی ہے۔ یہ سوچ زندگی کے مختلف پیراؤں میں تھی جیسا کہ چوراسی فیصد (84٪) کے کھانے کی ترجیحات تبدیل ہوئیں، چھیالیس فیصد (46٪) کے طرز لباس میں واضح تبدیلی دیکھی گئی جبکہ پچاس فیصد (50٪) لوگوں کی زبان میں تبدیلی آئی جن میں سے ساٹھ فیصد (60٪) لوگ اپنی روزمرہ گفتگو میں اردو الفاظ ہونے کے باوجود انگریزی زبان کے الفاظ بلاوجہ استعمال کرتے رہے۔ چونسٹھ فیصد (64٪) کی زبان میں ہندی کے الفاظ شامل ہو گئے۔ یہ تبدیلی صرف ظاہری زندگی تک محدود نہ رہی بلکہ چونتیس فیصد (34٪) لوگوں کی غم سے متعلقہ روایات بھی تبدیل ہو گئیں اور مذہب کے حوالے سے تمام تر تعلیمات میں نو فیصد (9٪) لوگوں میں سنجیدگی کم ہو گئی۔ یعنی انہوں نے روزمرہ معاملات میں مذہب کو ایک طرف رکھ دیا[2]۔

جدید ذرائع ابلاغ کے انہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ ملک پاکستان میں غیر ملکی چینلز کو پذیرائی حاصل ہوئی اور لوگوں کو ان کو زیادہ قابل اعتماد قرار دیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انچاس فیصد (49٪) نے غیر ملکی چینلز کو معتمد علیہ قرار دیا۔ سوچ کے واقع ہونے والے ان اثرات کا صرف ذاتی زندگی پر ہی وقوع نہیں ہوا بلکہ ملک پاکستان کے قومی اور بین الاقوامی موقف میں تبدیلی دیکھی گئی ہے جیسا کہ چھیاسٹھ فیصد (66٪) نے یہ اقرار کیا کہ کشمیر جیسے مسائل پر غیر ملکی نظریات دیکھنے کے بعد ان کی سوچ پہلے جیسے نہیں رہی[3]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کا پاکستانی معاشرے پر ایک گہرا اثر واقع ہوا ہے۔ یہ اثر اگر طلبہ پر واقع ہوا تو اور بھی سنگین ہے کیونکہ یہ نوجوان نسل پاکستان کا مستقبل ہے اور اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے مستقبل کی سوچ تبدیل ہو رہی ہے جو کہ ایک فی نفسہٖ ایک خطرناک عمل ہے۔ یہ طلبہ و طالبات کل کے والدین، کل کے استاذ اور کل کے دانشور ہوں گے تو اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ کل کے والدین اپنی اولاد کو، کل کے دانشور اپنی قوم کو اور کل کے اساتذہ اپنے شاگردوں کو

---

1 خان، محمد انور، سیٹلائٹ نشریات کے پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات پر اثرات، ص:10

2 ایضاً، ص:16

3 ایضاً، ص:20

یہ سبق پڑھائیں گے کہ غیر ملکی چینلز دیکھو، پاکستانی ثقافت گئی گزری ہے۔ کشمیر کے موضوع پر پاکستان کا موقف کمزور ہے اوراس معاملے پر بھارت حق بجانب ہے۔ یہ کل کی ایک خطرناک تصویر ہے۔

یہ اثرات اس وقت تک ایک محدود دائرے میں روبہ سفر تھے جب تک ان چینلز کی وسعت صرف ڈش انٹینے تک محدود تھی کیونکہ وسائل یاعدم واقفیت کی وجہ سے ملک کا بڑا طبقہ جو دیہاتی علاقوں تک محدود تھا، اس چیز سے واقف نہیں تھا۔ یہ امر اس لحاظ سے بہتر تھا کہ غیر ملکی ثقافتی یلغار اور پاکستان اوراسلام کے خلاف ان چینلز پر کیا جانے پر وپیگنڈا صرف ایک طبقے تک محدود تھااور شہروں میں ہر گھر میں ڈش کی سہولت میسر نہ تھی لیکن بعد میں کیبل ٹی وی نے اس سلسلے کو ہمہ گیریت عطا کی۔ ڈش ٹی وی کے لیے لوگوں کو انٹینااور ریسیور لازمی تھے کیونکہ ڈش پر آنے والے زیادہ تر چینلز سیٹلائٹ تھے جن کے لیے یہ لوازمات ضروری تھے اور سالانہ فیس بھی ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن کیبل نیٹ ورک نے اس کو آسان کر دیا۔ اب تین سو سے پانچ سو روپے تک فیس ادا کر کے ان تمام سہولیات کو خریدا جاسکتا ہے، ماضی میں جن کے لیے ڈش، انٹینااور ریسیور کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ 1996ء میں صرف چالیس فیصد (40٪)لوگ ڈش ٹی وی دیکھتے تھے لیکن کیبل کی وجہ سے انہی چینلز تک رسائی پانے والے لوگوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو چکاہے اور لوگ پہلے سے زیادہ چینلز دیکھنے کی پوزیشن میں ہیں۔ اس وقت ٹیلی ویژن کی بدولت ہالی وڈ، میکسیکو، نیویارک، پیرس، ماسکو اور انڈیا سے کھلی فحاشی کے مناظر سر عام دکھائے جارہے ہیں[1]۔

جدید ذرائع ابلاغ کے ملک پاکستان پر مثبت و منفی ہر دو طرح کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ انہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ ملکی سلامتی کے خلاف پروپیگنڈا کرنے، پاکستانی ثقافت پر وار کرنے، اسلام کے خلاف طنز کرنے اور پاکستانیوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کے باوجود ان چینلز کو نہ صرف پذیرائی حاصل ہوئی بلکہ دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہی دیکھنے میں آیااور شاید یہی وجہ ہے کہ پرویز مشرف کے دور میں کیبل ٹی وی کو نہ صرف ایک شناخت ملی بلکہ اسے سرکاری سرپرستی بھی عطا ہوئی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ضروریات زندگی آئے روز مہنگی ہوتی جارہی ہیں لیکن اس طرح کا سامان سستا ہوتا چلا جارہاہے اوراسی ضمن میں کیبل ٹی وی کے کنکشن بھی پہلے کی نسبت سستے ہو چکے ہیں اوران میں تنوع اس قدر ہے کہ ایک ہی شہر میں دو یا دو سے زائد کیبل نیٹ ورک موجود ہیں۔ یہ اثرات صرف نچلے طبقے تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ پرویز مشرف کے دور میں ان کو حکومتی آشیر باد ملی اوراس ضمن میں یہ فلسفہ تراشا گیا کہ اس سے ملک پاکستان کے زر مبادلہ میں اضافہ ہو گا۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ ٹی وی اور فلمیں دیکھ کر ان کی سی عادات اپنانے لگے اور بچے چیٹنگ کی لت کا شکار ہوگئے۔ اس سے بچوں کی یاداشت پر کافی برااثر پڑا کیونکہ اس سے بچوں کی یادداشت اور جسمانی نشوونما پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اوروہ ذہنی ونفسیاتی امراض اور بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں

---

1 خالد یزدانی، کیبل نیٹ ورک فیچر کلوز اپ، سنڈے میگزین، نوائے وقت لاہور، 30اپریل2000ء

[1] ۔جدید ذرائع ابلاغ کے پاکستان پر واقع ہونے اثرات کے ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ جب ڈش اور کیبل ٹی وی کا آغاز ہوا تو اس کے خلاف ایک مزاحمتی شعور بیدار ہوا لیکن بعد میں وہ ختم ہو گیا جس کا مطلب ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کے اثرات کی قوت اوران کا استحکام زیادہ تھا بنسبت اس مزاحمتی بیانیے جو اس وقت بیدار ہوا اوراس کی تعداد بھی کافی زیادہ تھی جیسا کہ ایک رپورٹ سے ظاہر ہے کہ اس وقت ساٹھ فیصد (60٪)لوگوں نے اس کی مخالفت کی تھی جبکہ حمایت کرنے والوں کی تعداداس وقت محض چالیس فیصد (40٪) تھی۔اس تعداد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات قابل غور ہے کہ چالیس فیصد کی تعداد میں تو اضافہ ہوا ہے لیکن ساٹھ فیصد کی تعداد کیوں کم ہوئی؟اورآج تقریباً پورا پاکستان اس کی لپیٹ میں ہے۔اگر کسی جگہ یہ نہیں ہے تو اس کی وجہ اس کے خلاف مزاحمت نہیں ہے بلکہ اس کا نہ ہونا ہے۔کیبل نیٹ ورک کے کئی ایک چینلز پر جوا بھی کھیلا جاتا ہے اوراس وجہ سے پاکستان کے کئی ایک ہوٹلوں میں بھی اسی چینلز کو ثالث مان کر جوا کھیلا جاتا ہے اوراسی وجہ سے پاکستان میں جوئے میں اضافہ ہوا ہے۔باقی دنیا کی طرح یہاں مختلف میچوں خصوصاً کرکٹ میچوں اور گھڑ دوڑ کے مقابلوں پر جوا لگایا جاتا ہے۔اس سلسلے میں مخصوص جگہوں پر بکنگ کی جاتی ہے اوربسا اوقات لڑائی جھگڑوں بھی ہو جاتے ہیں۔اس سلسلے میں لوگ حکومت کو تو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں لیکن خود اپنے کردار کی طرف دھیان نہیں دیتے کہ انہوں نے ان امور کو ختم کرنے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ان کی گلی محلے کی سطح پر اگر یہ کام کیا جارہا ہے تو انہوں نے اس سلسلے میں کیا اقدامات اٹھائے ہیں؟جبکہ بعض افراد کے مطابق اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس سے جدید اور دلچسپ معلومات مہیا ہوتی ہیں اور مختلف ممالک کے بارے میں اوران کے پروپیگنڈے کا بھی علم ہوتا ہے[2]۔

لوگوں کا یہ کہنا بالکل بجا ہے لیکن یہ معلومات اس وقت کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں جب خود دیکھنے والے میں اتنا شعور ہو کہ وہ دکھائے جانے والے پروپیگنڈے اور معلومات سے متاثر نہ ہو بلکہ اس کا توڑ بھی جانتا ہو تا کہ اپنے حلقہ احباب میں اپنے ملک، مذہب ،ثقافت،اقدار اورروایات کے خلاف کیے جانے والے غیر ملکی پروپیگنڈے کا رڈ کر سکے اوران کے مقابلے میں اپنی تہذیب و تمدن کی خصوصیات اوران کی ثقافت کے مابین ایک حقیقت پسندانہ تقابل اور تجزیہ کر سکے۔لیکن پاکستان میں معلومات اور پروپیگنڈے کے نام پر ان چینلز کے سندجواز فراہم کرنے والے اس حقیقت سے ناآشنا ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ بجائے مغربی اورانڈین ثقافت کے توڑ کے یہ دونوں ثقافتیں اوران کی سوچ دن بدن زیادہ اور مروج ہوتی جارہی ہے۔اگر یہ چینلز لوگ محض اس لیے دیکھتے ہوتے کہ ان سے معلومات سے آشنائی ہو گی اوران کے پاکستان اوراسلام مخالف نظریات کا توڑ ہو سکے گا تو آج اس کے اثرات کسی نہ کسی سطح پر تو نظر آتے۔یہ اثرات تو نظر نہیں آتے اوراگر نظر آتے بھی ہیں تو صرف تحریر اور تقریر کی حد تک جبکہ عملی صورتحال یہ

---

1 قادری،ڈاکٹر محمد طاہر،بچوں کی تعلیم وتربیت اوروالدین کا کردار،منہاج القرآن پرنٹرز لاہور2016،ص:309

2 Daily The News, Article Being Informed in the Global Village, Special Supplement, Feb 4, 2001.

ہے کہ ان کی ثقافت پہلے سے زیادہ عام ہوگئی ہے اور کشمیر جیسے صاف اور بالکل واضح مسئلے پر اور دریاؤں پر ڈیم بنانے کے مسئلے پر بھی دنیا پاکستان کے حق بجانب مؤقف کو بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ایک اخباری رپورٹ کے مطابق پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کے مطابق کئی ایک لوگ کیبل نیٹ کی مشہوری اوراس کی پذیرائی کی وجہ سے اس کاروبار کو غیر قانونی طریقے سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔اس ضمن میں اگر صرف کراچی کی مثال دی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تقریباً ڈیڑھ لاکھ (150000)لوگ اس کاروبار سے وابستہ ہیں۔پاکستان میں ٹیلی ویژن کے کردار سے متعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صدر ریوب خان کے دور میں اس کے دو مقاصد بتائے جاتے ہیں؛ایک صدر ایوب کے کارہائے نمایاں کو گھر گھر پہنچانا اور دوم اس ملک کو اسلامی نظریات سے پاک کرنا۔اوراس بات کے ثبوت میں دینی حلقے اس بات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جو بات اس وقت سرکاری ٹی وی کی پالیسی وضع کرنے والی کمیٹی کے صدر ذوالفقار بخاری نے کہی تھی کہ؛

> "اس مقصد کو اس خوبی سے انجام دیا جائے گا کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں۔اگر آپ نے یہ کام کرلیا تو یاد رکھیے کہ ہم ہمیشہ کے لیے مذہبی جنونیوں اور ملاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کر دیں گے۔آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کرسکتے ہیں کہ منافقت اور متضاد کردار کے لیے منفی ڈرامہ کرداروں کی داڑھی لگائے۔مضحکہ خیز کرداروں اوراناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے جو ہمارے ترقی یافتہ معاشرہ میں سو سال بعد رائج ہونا چاہیے اور جو ایک فیصد اوپر کے طبقے میں رائج ہے"[1]

کمپیوٹر اورانٹرنیٹ:

پاکستان میں تقریباً تین ملین لوگ انٹرنیٹ سے وابستہ ہیں، جن میں آٹھ ملین لوگ سوشل میڈیا کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی اسی فیصد تعداد کم از کم ایک گھنٹے سے زائد وقت سوشل میڈیا پر گزارتی ہے[2]۔جدید ذرائع ابلاغ میں کمپیوٹر کے اثرات بہت گہرے ہیں۔اگر اس کے ساتھ انٹرنیٹ کی سہولت بھی شامل ہو جائے تو اس کا نشہ دوآتشہ ہو جاتا ہے۔یہ دونوں پاکستانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔کمپیوٹر اورانٹرنیٹ کے بھی پاکستانی معاشرے پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات واقع ہوئے ہیں۔ان کی وجہ سے بہت مہنگی اور نایاب کتابیں اب آسانی سے دستیاب ہوتی ہیں۔یہ بات طلبہ کے لیے تعلیم کے میدان میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔کسی بھی طرح کی معلومات تک

---

1 ندوی، نذرالحفیظ، مغربی میڈیا اوراس کے اثرات، دارالندہ پریس لکھنو2001، ص:48-247

2 Muhammad Ashraf & Muqeem ul Islam, Media Activism and Its Impacts on the Psychology of Pakistani Society, P.56

رسائی کے لیے صرف نام کے ساتھ گوگل کیاجائے تو معلومات، کتابوں اور مختلف مضامین کا ایک جہان کھل جاتا ہے۔ انہی کی مدد سے ہر مضمون پر آڈیو اور ویڈیو لیکچر تک دستیاب ہیں۔ یہ ان کا ایک رخ ہے لیکن بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں ان چیزوں کے مثبت استعمال کی بجائے بد قسمتی سے منفی استعمال زیادہ ہوا ہے۔ معلومات اور تعلیم کی بجائے اسے سستی تفریح کا ایک ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ ان دونوں کا استعمال زیادہ تر گانے سننے، فلمیں دیکھنے، مختلف ڈرامے تلاش کرنے اور انہیں ڈاؤن لوڈ کرنے میں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ فیس بک، ٹوئٹر اور دوسری سوشل ویب سائٹس کا استعمال بھی ایک حقیقت ہے۔ وی سی آر سے کمپیوٹر اور ویڈیو کیسٹ سے سی ڈی (CD) تک کا سفر آسان ہونے سے فلمیں اور دوسری دلچسپی کے امور تک رسائی آسان ہوئی ہے اور اس وجہ سے کمپیوٹر کے مثبت استعمال کی بجائے منفی استعمال اور وقت کا ضیاع ہی ہوا ہے۔ کمپیوٹر کو ایسی پذیرائی ملی کہ رفتہ رفتہ یہ گلوبل نیٹ ورک میں تبدیل ہوا اور ایک رپورٹ کے مطابق 1997ء تک پچاس لاکھ سے زائد کمپیوٹر بمع انٹرنیٹ کے استعمال ہو رہے تھے۔ اس کے بعد انٹرنیٹ کے استعمال میں قدر تیزی آ گئی کہ دنیا میں ویب سائٹس کاروبار ایک مشغلہ بن گیا، جس کی وجہ سے ویب سائٹس کی تعداد تقریباً سات کروڑ (72398092) تک جا پہنچی۔ صدر پرویز مشرف کے دور میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی طرف بہت زیادہ اہمیت دی گئی اور انٹرنیٹ کافی سستا کر دیا گیا جس سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس جانب متوجہ ہوئی اور یوں تعمیر کے نام پر تخریب کا ایک ایسا عمل جاری ہوا جس کی حشر سامانیاں آئے روز بڑھتی ہی جارہی ہیں۔ پاکستان میں انٹرنیٹ صارفین کے تعداد بہت زیادہ بڑھ چکی ہے۔ ان میں کچھ لوگ بیرون ملک رشتہ داروں سے انٹرنیٹ کے ذریعے رابطہ کرتے ہیں جبکہ دس فیصد لوگ دوسرے مختلف مقاصد کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں[1]۔ ڈان نیٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستانی معاشرے پر تعلیمی میدان میں انٹرنیٹ کے بہت سے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ درس و تدریس سے منسلک افراد کی بہت سی مشکلات تھیں جو انٹرنیٹ کی وجہ سے حل ہو گئیں، جن میں الیکٹرونک لائبریری، آن لائن ای بکس، اور مختلف تعلیمی موضوعات پر آڈیو، ویڈیو لیکچرز تک گھر بیٹھے رسائی ممکن ہوئی۔ اس کے علاوہ کئی پاکستانی نوجوانوں نے ذاتی کوششوں سے تعلیمی ویب سائٹس قائم کیں جن پر طلبہ و طالبات کو مختلف تعلیمی نوٹس، سابقہ پرچے، تعلیمی اعلانات اور گفتگو کرنے کا مواقع مل رہا ہے[2]۔ پاکستان کئی فحش الفاظ یا ان کی تلاش میں ان ممالک میں سر فہرست ہے جہاں یہ الفاظ اس مواد تک رسائی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ کئی ممالک پاکستان سے کہیں آگے نکل چکے ہیں لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے فحش مواد تک آزادانہ رسائی میں بے حد اضافہ ہوا ہے بالخصوص جب سے ملک میں تھری جی اور فور جی انٹرنیٹ کی سہولت دستیاب ہوئی ہے[3]۔

---

1 روزنامہ جنگ لاہور، 31مارچ2000ء

2 https://www.dawnnews.tv/news/1030179

3 https://www.qaumiawaz.com/science-technology/dangerous-trends-of-internet-article-by-mazhar-hasnain

بقول جاوید غامدی پاکستان میں انٹر نیٹ دور جدید میں بے حیائی کے فروغ کا سب سے آسان اور مؤثر ذریعہ بن چکا ہے۔ یہ بات انٹر نیٹ کے آغاز کے وقت ہی بڑی صراحت کے ساتھ نمایاں ہو کر سامنے آگئی تھی۔ نوے کی دہائی میں انٹر نیٹ امریکہ اور یورپ میں غیر معمولی سرعت کے ساتھ پھیل گیا تھا۔ اس کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ اس پر دستیاب فحش اور عریاں لٹریچر تھا۔ ٹائم میگزین نے 1995 میں انٹر نیٹ کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی، جس کے مطابق انٹر نیٹ پر ان سائٹس کا تناسب جن پر فحش اور عریاں مواد دستیاب تھا محض ۳۰. ۰ فیصد تھا یعنی ۱۰۰۰ میں سے صرف ۳ سائٹس۔ تاہم انٹر نیٹ استعمال کرنے والے سو میں سے چوراسی لوگ انہی ۳۰. ۰ فیصد سائٹس کا رخ کرتے تھے۔ خدا خوفی سے خالی معاشروں میں، جہاں ایسی چیزوں سے لوگ صرف معاشرتی دباؤ کی بنا پر دور رہتے ہیں، جب ایسی سہولت میسر آ جائے تو کون ہو گا جو اس محفوظ ذریعہ سے مستفید نہ ہو۔ پاکستان میں ابھی تک اس طرح کے منظم سروے کا اہتمام تو نہیں کیا گیا تاہم غیر رسمی معلومات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نوجوانوں کی غالب ترین اکثریت انٹر نیٹ کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ ہم اپنی ایک دوسری تحریر میں اس بات کی طرف توجہ دلا چکے ہیں کہ ہمارے ہاں نوجوانوں کی شادی کو غیر ضروری طور پر مؤخر کرنے کا چلن عام ہو چکا ہے۔ ان حالات میں اس مقصد کے لیے انٹر نیٹ کا استعمال کرنے والوں کی تعداد مغرب سے کہیں زیادہ ہو گی۔ اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ نئی نسل اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو رہی ہے۔ حیا اور شرم جیسی اقدار کمزور اور رشتوں کا تقدس مجروح ہو رہا ہے۔ فطرت کی پاکیزگی رخصت ہو رہی ہے اور ذہنی آلودگی بڑھ رہی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان چیزوں کے اثرات معاشرے پر تباہ کن ہوں گے۔ خصوصاً ایک ایسے معاشرے میں جو ترقی کے ہر میدان میں جدید دنیا سے پیچھے ہے اور جس کا کل سرمایہ یہی اقدار ہیں۔ یہ بھی نہ رہیں تو معاشرہ اپنے استحکام کی واحد اساس بھی کھو دے گا[1]۔

سوشل اور موبائل میڈیا کے اثرات:

بی بی سی (BBC) کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں موبائل اور سوشل میڈیا کا کردار ہر گزرتے دن کے ساتھ اہم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ کردار مرکزی نوعیت اور جامع حیثیت کا حامل ہو گا۔ یہ رجحانات کی نئی جہت ہیں اور کئی ایک رائے عامہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے پاکستانی معاشرے پہ یہ اثرات مرتب ہوئے ہیں کہ ان سے عام آدمی بھی بحث میں حصہ لے سکتا ہے جیسا کہ مشہور سیاسی شخصیات جن تک عام آدمی کی رسائی ممکن نہیں تھی، ان کے سوشل اکاؤنٹ اور موبائل نمبر کی بدولت ان تک پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان کے نظریات پر ان کے سوشل اکاؤنٹ پر بحث کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کا کردار تبھی صحت مندانہ ہو سکتا ہے جب ہر کسی کو یہ سہولت میسر ہو۔ سوشل میڈیا پر پاکستانی صارفین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت فیس بک (facebook) پر پاکستانیوں کے اکاؤنٹ کی تعداد اسی لاکھ سے زیادہ ہے جو کل آبادی کا چار فیصد بنتے ہیں۔ لیکن یہ تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اس بات کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ

1 http://www.javedahmadghamidi.com/books/view/be-hayai-ka-farogh

صرف جنوری 2013ء میں دس لاکھ سے زائد افراد نے اس پر اپنے اکاؤنٹ بنائے[1]۔ پاکستان میں تقریباً تین ملین لوگ انٹرنیٹ سے متعلق ہیں جن میں آٹھ ملین لوگوں کا تعلق سوشل میڈیا کے ساتھ ہے اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی اسی فیصد تعداد کم از کم ایک گھنٹے سے زائد وقت سوشل میڈیا پر گزارتی ہے[2]۔

یہ تعداد 2013ء کے اعداد کے مطابق ہے اور اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر اس وقت سوشل میڈیا میں دلچسپی کا یہ عالم تھا تو آج اس میں کس قدر اضافہ ہو چکا ہوگا۔ انہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ سوشل اور موبائل میڈیا کی افادیت اس وقت اجاگر ہوئی جب انہیں مخالف سیاسی سرگرمیوں میں ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا جیسا کہ وکلا کی تحریک کے دوران پیغامات رسانی اور اپنے موقف کے ابلاغ کے لیے فیس بک اور ٹوئٹر وغیرہ کو استعمال کیا گیا اور اس کے مثبت اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اس سے نہ صرف احتجاج مضبوط ہوا بلکہ ملک کے کونے کونے میں پھیل گیا۔ اور تب سے ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی افادیت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا ہے اور یہ احتجاج وغیرہ کے لیے ایک لازمی جزو بن گیا اور اس صورت میں اس کی افادیت میں اور بھی اضافی ہو جاتا ہے جب کسی بھی وجہ سے سرکاری یا نجی ٹی وی چینلز کسی بھی وجہ سے کسی بھی پارٹی یا گروہ کی اجتماعات یا پروگرموں کو براہ راست یا ریکارڈڈ صورت میں نشر کرنے سے انکار کر دیں۔ سوشل میڈیا کے انہی اثرات کا نتیجہ ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں نے بھی اس طرف توجہ کی ہے اور تحریکوں کا زور بڑھانے کے لیے سوشل اور موبائل میڈیا کا زیادہ سے زیادہ استعمال شروع کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان تحریک انصاف کے عمران خان نے اس طرف رخ کیا کہ اس کا اصل حلقہ وہ اعلیٰ طبقہ ہے جو ای میلز کے ذریعے رابطہ قائم کرتا ہے اور فیس بک کا استعمال کرتا ہے۔ تحریک انصاف کے سوشل میڈیا کے مشیر اواب علوی کا کہنا تھا کہ چونکہ میڈیا پر سرمایہ کاری کرنے کے لیے درکار وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پارٹی کا رخ سوشل میڈیا کی جانب ہوا اور یہی ان کی زمین ہے[3]۔

نوائے وقت کی ایک رپورٹ کے مطابق سوشل میڈیا کی وجہ سے معاشرے میں بہت سی اخلاقی وسماجی خرابیوں نے فروغ پایا اور ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں ایک دوسرے سے نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور خلفشار کا سبب بن رہی ہیں۔ معاشرے میں بیشتر افراد اسے لوگوں کو بدنام کرنے کیلئے بے بنیاد خبروں کو پھیلانے، تصاویر اور خاکوں میں ردوبدل جیسے طریقوں کے ذریعے غلط استعمال کر رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر کسی بھی خبر یا افواہ کی تحقیق سے بھی پہلے وہ پوری دنیا میں نشر کر دی جاتی ہے۔ معلومات درست ہوں یا غلط، کوئی اس جھنجھٹ میں پڑتا ہی نہیں ہے۔ نوجوان نسل کے ذہن ودماغ پر سوشل میڈیا جنون کی حد تک حاوی ہو چکا ہے، وہ اپنے کام اور پڑھائی کے اوقات بھی سوشل میڈیا پر

---

1 بی بی سی میڈیا ایکشن، پالیسی بریفنگ نمبر9، ستمبر 2013، ص:16

2 Muhammad Ashraf & Muqeem ul Islam, Media Activism and Its Impacts on the Psychology of Pakistani Society, P.56

3 بی بی سی میڈیا ایکشن، پالیسی بریفنگ نمبر9، ستمبر 2013، ص:18

صرف کر رہا ہے، جس سے انکی تعلیم پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر کسی قسم کی کوئی روک تھام کا نظام موجود نہیں، ہر شخص اچھی بری بات کہنے اور لکھنے میں آزاد ہے۔ کوئی شخص بلا روک ٹوک کسی بھی مذہبی شخصیت اور مذہبی نظریات کو مطعون کر سکتا ہے اور مخالف مذہبی سوچ کی محترم شخصیات پر کیچڑ اچھال سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر مخالفین کیخلاف پروپیگنڈے کی مکمل آزادی کی وجہ سے معاشرے میں انتہا پسندی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسے معاشروں میں پاکستانی سماج بھی شامل ہے، جہاں ہر ٹیکنالوجی کے منفی اثرات اسکے مثبت اثرات کے مقابلے میں زیادہ شدت سے فروغ پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں سوشل میڈیا کا منفی استعمال دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستگی رکھنے والے افراد فیس بک پر مخالف سیاست دانوں کیلئے انتہائی نازیبا زبان استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ فیس بک سمیت بیشتر سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس پر اس طرح کی زبان استعمال کرنے اور اس نوعیت کی تصاویر اور وڈیوز اپ لوڈ کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ اس رجحان کے باعث نہ صرف فیس بک پر بلکہ عملی زندگی میں بھی مختلف سیاسی و مذہبی مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان کدورتیں اور دوریاں بڑھ رہی ہیں جس کی روک تھام اشد ضروری ہے[1]۔ وائس آف امریکا(VOA) کے مطابق پاکستانی معاشرے میں سوشل میڈیا کی جڑیں بہت تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ اس کے استعمال کرنے والوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سر فہرست ہیں۔ یہ نوجوان کیسے نظر آنا چاہتے ہیں، ان کے شب و روز کا معمول کیا ہے، وہ کب اٹھتے اور کب سوتے ہیں۔ یہ سب کچھ سوشل میڈیا کے آئینے میں صاف نظر آتا ہے۔

پاکستان ایڈورٹائزرز سوسائٹی نے 'زی سوشل پرائیوٹ لمیٹڈ' کی مرتب کردہ ایک تحقیقی رپورٹ جاری کی ہے جس میں تسلیم کیا گیا ہے کہ سوشل میڈیا نے دنیا بھر کے لوگوں کے درمیان آپسی رابطوں میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اب سوشل میڈیا کی بدولت لوگ ہر وقت ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔ انتہائی پاور فل سوشل میڈیا نے پرنٹ، آن لائن اور یہاں تک کہ الیکٹرونک میڈیا کو بھی بعض حوالوں سے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ متذکرہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سماجی رابطے کی ویب سائٹس 'فیس بک'، 'ٹویٹر' اور 'لنکڈ ان' سے بچہ بچہ واقف ہے۔ ان سائٹس پر آکر پاکستانی عوام کیا کچھ تلاش کرتی ہے اور اس کا رجحان کس طرف ہے اسے نہایت دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق پچھلے مہینے یعنی جنوری 2014ء میں 10 لاکھ لوگوں نے فیس بک جوائن کی۔ مجموعی جائزہ لیں تو پاکستان میں ہر مہینے ایک کروڑ چھبیس لاکھ افراد فیس بک پر کوئی نہ کوئی سر گرمی ضرور دکھاتے ہیں۔ ان میں پچاس 50 فیصد سے زائد افراد کی عمریں 18 سے 34 سال کے درمیان ہیں جبکہ باقی افراد میں اکثریت 18 سال سے کم عمر نوجوانوں کی ہے (2)۔ ایک ٹی وی رپوٹ کے مطابق ملک میں سماجی رابطوں کی ویب سائٹس میں سب سے زیادہ فیس بک استعمال کی جاتی ہے۔ ملک بھر میں 2 کروڑ 70 لاکھ افراد فیس بک استعمال کرتے ہیں۔ ان میں 78 فی صد مرد اور 22 فی صد خواتین ہیں۔ ان صارفین میں اکثریت کی عمریں 18 سے 24 سال ہیں۔ چھیاسٹھ فیصد پاکستانیوں کو موبائل فون کی سہولت حاصل ہے ان میں سے صرف 12 فی صد پاکستانی موبائل فون پر سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں۔

---

1 https://www.nawaiwaqt.com.pk/28-Nov-2017/714355

2 https://www.urduvoa.com/a/pakistanis-on-social-media/1854820.html

بی بی سی (BBC) کے مطابق پاکستان میں سوشل میڈیا خصوصاً ٹوئٹر کی اہمیت سے انکار اگر پہلے تھا تو اب بلا شک وشبہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستانی سوشل میڈیا پر 'ٹرولز، تنخواہ دار اور تربیت یافتہ ٹرینڈنگ مشینری' کے زیرِ اثر اہم مواقع پر عوام کے حقیقی مزاج کی عکاسی نہ کرنے کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے وہ گذشتہ چند دنوں سے جاری پارلیمان کے مشترکہ اجلاس کی کارروائی کے دوران زائل ہوا۔ اس سارے عمل کے دوران سوشل میڈیا کے مزاج، سوچ اور رجحانات میں تبدیلی نظر آئی وہیں حقائق اور سچائی کو توڑنے مروڑنے کی کوششیں بھی نظر آئیں اور فوری طور اس کی تردید اور حقائق سامنے لانے کے لیے لوگوں کا ڈٹ جانا بھی دیکھا گیا۔ جب پاکستان کے بعض نیوز چینلز نے مظاہرین کے پولیس سے تصادم کے دوران سات ہلاکتوں کی خبریں نشر کیں تو سوشل میڈیا پر ہی حقائق سامنے لانے اور دلائل سے ان خبروں کو مسترد کرنے کا عمل ہوا۔ اسی طرح جب پارلیمان کا مشترکہ اجلاس شروع ہوتا ہے تو ساتھ ہی پاکستانی ٹوئٹر جاگتا ہے اور پارلیمان میں خطابات کی ہر اہم بات اور نکتہ ٹویٹ کیا جاتا ہے اور مقررین کا نام فوری ٹوئٹر پر ٹرینڈ کر جاتا ہے[1]۔

اس سلسلے میں ضروری ہے کہ کوئی ضابطہ اخلاق اپنایا جائے جیسا کہ مذکور ہے کہ ڈان اخبار کا ضابطہ اخلاق برائے میڈیا اور ہدایات برائے سوشل میڈیا موجود ہیں جو عمومی طور پر میڈیا کوریج کے دوران شائستگی، معروضیت اور دیانتداری قائم رکھنے جیسے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان ضابطوں میں دو نکات مد نظر رکھے جاتے ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہ کی جائے، کسی کو دکھ یا رنج نہ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ کسی بھی موضوع پر لکھتے ہوئے اس کے دونوں رخ دیکھے جائیں اور ان کا حقیقت پسندانہ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے[2]۔

الغرض کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی ہر میدان میں سوشل میڈیا کے اثرات واقع ہوئے ہیں۔ یہ اثرات نہ تو کلی طور پر مثبت ہیں اور نہ منفی، لیکن پاکستان میں سوشل میڈیا کا مثبت سے منفی استعمال زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج سوشل میڈیا کو جھوٹ کا پلیٹ فارم کہا جاتا ہے جہاں لوگوں کی عزت سے ہولی کھیلی جاتی ہے اور اسی وجہ سے پاکسان کے کئی بڑے صحافیوں نے فیس بک پر اپنے اکاؤنٹ بند کر دیے ہیں اور اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ ان کا نام پر جھوٹے اور فرضی اکاؤنٹ بنا کر لوگوں کو بدنام کیا جا رہا ہے یا اپنی خواہشات کی تکمیل کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پاکستان کے جو مسائل عالمی عدالتوں میں واقع ہیں ان پر کسی قسم کی ایسی رائے نشر نہیں کی جائے گی جو پاکستانیوں کے دلوں میں تشکیک کا بیج بوئے یا انہیں شش وپنج میں مبتلا کر دے۔ جدید زندگی کے حوالے سے عالمگیریت جن چیزوں کا سہارا لے کر اسلام کے نظام حیات کو تنقید کا نشانہ بناتی ہے ان کا شافی حل پیش کیا جائے۔ لوگوں کے سامنے اس بات کی وضاحت کی جائے کہ ان کے مقابلے میں اسلامی نظام حیات کئی درجے بہتر ہے۔ اس بات کو قابل عمل بنانے کے لیے مختلف دانشوروں کو کسی پلیٹ فارم پر جمع کر کے لوگوں کے سامنے ایک تقابلی

---

1 https://www.bbc.com/urdu/interactivity/2014/09/140904_social_media_pak_zs

2 عکس، تسنیم احمر، خواتین، میڈیا اور اخلاقیات، عکس ریسرچ سنٹر 2 اسلام آباد،، ص:18

جائزہ اور بحث بھی کی جاسکتی ہے جس میں اس بات کا بیان ہو کہ مغربی عالمگیریت نے وہاں کے معاشروں میں کس قسم کی تخریب کی ہے اور اس کے مقابلے میں اسلامی نظام حیات کس قسم کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔

ان اثرات کو زائل کرنے کے لیے میڈیا کو اس بات کا پابند کیا جانا چاہیے کہ وہ منفی خبروں کی بجائے مثبت خبروں کو فروغ دے گا۔ مختلف رپورٹوں میں بیانیہ اس نہج پر ہونا چاہیے کہ وہاں سے مثبت فکر اور سوچ کی عکاسی ہو تاکہ معاشرے میں مثبت رجحانات کو فروغ حاصل ہو۔ برائیوں کے مقابلے میں اچھائیوں کی تعلیمات میڈیا کا فرض اوّلین اور پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ ایسے پروگراموں سے احتراز کرنا چاہیے جن میں بے حیائی دکھائی گئی ہو، جہاں مرد وعورت کا آزاد اختلاط ہو یا ایسے رویوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو جو کسی بھی حوالے سے پاکستانی معاشرے کی تعلیمات کے خلاف ہوں۔ اس ضمن میں پاکستان کے علماء اور دانشوروں کو بھی مرکزی کردار ادا کرنا چاہیے۔ میڈیا کو اس بات کا پابند کیا جانا چاہیے کہ وہ اپنے پروگراموں میں پاکستان کے جید علماء دین اور دانشوروں کو بلائے گا اور ان کی فکر اور سوچ کو عام کرے گا جو کسی بھی حوالے سے داغدار نہ ہوں اور فرقہ پسندی کی بجائے امن واتحاد اور مسلکی رواداری کے پیامبر ہوں۔ حکومت کے ساتھ ساتھ والدین سمیت معاشرے کے ہر فرد کو اس کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ تاکہ اقدار، تہذیب اور اخلاقیات کی حفاظت ہوسکے۔ معاشرے میں شعور بیدار کرنا ہو گا، انفرادی اور اجتماعی سطح پر جدوجہد کرنی ہو گی۔ اس کے لیے عالمی سطح پر تمام اسلامی ممالک' تنظیموں اور اداروں کو "تھنک ٹینک" بنانے چاہئیں۔ یہ تھنک ٹینک پورے وژن سے موثر حکمت عملی ترتیب دیں۔ میڈیا کانفرنسیں مستقل بنیادوں پر منعقد کی جائیں تاکہ وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ جدید ٹیکنالوجی کو دنیا میں اسلام کی حقیقی تصویر اُجاگر کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تیاری کے ساتھ اسلامی پروڈکشن ہاؤسز بنانے چاہئیں۔ اس کے تجربے سے استفادہ کرکے پوری دُنیا میں اسلامک الیکٹرونک میڈیا کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جو معاشرے کی اخلاقی اور تہذیبی بنیادوں پر تربیت کرنے، اسلامک میڈیا انسٹی ٹیوٹ کے ذریعے پروڈیوسرز، اسکرپٹ رائٹرز، کیمرہ مین، ایڈیٹنگ اور اینکر پرسنز کو تربیت دی جائے تاکہ اسلامی حدود و قیود کے اندر بہترین اینکر پرسنز، پروڈیوسر، اسکرپٹ رائٹرز، کیمرہ مین، ٹیکنیشن کی ایک کھیپ تیار کی جاسکے جو مکمل اسلامی شعور اور ادراک کے ساتھ ابلاغ کی دُنیا میں اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھ سکے۔

خلاصہ باب

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جہاں اسلام قانون کے نفاذ کا نعرہ وقتاً فوقتاً لگایا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی ہے لیکن پاکستان میں بسااوقات خواتین کے ساتھ ایسے واقعات ہوئے جن میں مرد حضرات کے قصور کے ساتھ ساتھ عالمگیریت کا بھی عمل دخل تھا۔ جیسا کہ عورتیں دفاتر میں ملازمت کرنے لگیں اور یہاں ان کے ساتھ جنسی زیادتی اور ہراسگی کے واقعات پیش آئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر ان کی ملازمت ناگزیر تھی تو حکومت عورتوں ان کے لیے الگ دفاتر کا انتظام کرتی لیکن عالمگیریت کے اثرات کی وجہ سے ایسا تو نہ ہوا لیکن ماحول میں ان کی حفاظت کے لیے قوانین میں بہت دفعات متعارف کرائی گئیں اور عوامی مقامات پر ان کی حفاظت کے لیے مختلف اوقات میں کئی ایک آرڈیننس بھی لائے گئے ۔یہ سب کچھ عالمگیریت کی وجہ سے تھا لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے وہیں مثبت اثرات بھی طاری ہوئے اور پاکستان کی عورت کو کچھ ایسے حقوق بھی ملے جو اس سے پہلے ممکن نہیں تھے یا اگر موجود بھی تھے تو صرف کاغذی حد تک جن سے پورے معاشرے کو آگاہی حاصل نہیں تھی۔ عالمگیریت کی وجہ سے پاکستانی عورت کو ان سے آگاہی حاصل ہوئی اور طبعیتاً ظالم مرد حضرات کو بھی خوف لاحق ہوا جس سے چہروں پر تیزاب پھینکنے جیسے واقعات کی حوصلہ شکنی ہوئی ۔عالمگیریت کے زیر اثر پاکستان میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین سازی ہو رہی ہے جو ایک مثبت عمل ہے تاہم اس کے باوجود عورت کی جان، عزت اور مال محفوظ نہیں ہے آئے روز تیزاب گردی، اجتماعی زیادتی، غیرت کے نام پہ قتل اور زبردستی شادی کے واقعات میڈیا کی زینت بنتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے خلاف تشدد کی روک تھام کے لئے سخت قوانین سازی کے ساتھ سخت سزاؤں کا نظام نافذ کرنا بھی از حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کی تربیت کا انتظام بھی کرے تاکہ خواتین کو ہراساں کرنے کا سلسلہ بند ہو اور خواتین کے خلاف تشدد، ہراسانی کے سلسلے کو بند کرنے کے لئے موثر فورس بنائی جائے جو فوری ایکشن کر کے خواتین کی حفاظت یقینی بنائے۔ پاکستان میں اکیسویں صدی میں خاندانی نظام کے متعلق عالمی اداروں کی ہدایات کے زیر اثر قانون سازی کی گئی بالخصوص طلاق اور خلع کے عمل کو آسان کرنے کے نام پر خلع کی یک طرفہ ڈگریاں جاری کرنے کے لئے قانون سازی کی گئی، 2001ء، 2005ء، 2010ء اور 2015ء میں قانون سازی کر کے خلع کے عمل کو اتنا آسان کر دیا گیا کہ ملکی سطح پر 2016 میں طلاق کی شرح میں سب سے زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا۔ علماء وفقہاء کے نزدیک قانون خلع میں مذکورہ تبدیلی قرآن وسنت کے متصادم ہے لیکن ابھی تک اس میں کی گئی تبدیلی واپس نہیں کی گئی جس کا نتیجہ طلاق کی بلند شرح ہے۔ اگرچہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ میڈیا کے مثبت اثرات بھی ہیں اور ان کی افادیت اور واقعیت پاکستان میں دیکھی اور محسوس بھی جا سکتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ منفی اثرات کا دائرہ کار زیادہ ہے جیسا کہ سابقہ بحث سے

ظاہر ہوا۔ مذکورہ بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کی رائے مذہبی معاملات اور پاکستان کے قومی مسائل تک میں تبدیل ہوئی ہیں اور کشمیر جیسے مسئلے پر بھی ان ذرائع ابلاغ کا اثر واقع ہوا ہے اگرچہ قلیل مقدار میں ہی ہوا ہو لیکن بالائی طبقہ ہونے کی وجہ سے اس قلیل مقدار کی اثر انگیزی اور اثر پذیری فکر انگیز ہے۔اس ضمن میں حکومت پاکستان کو بھی اور پاکستانیوں کو بھی ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہیے تاکہ ان ذرائع ابلاغ کے پاکستانی معاشرے ایسے اثرات کا ازالہ کیا جائے جو پاکستان کی قومی سلامتی، داخلی اور خارجی اقوام، مذہبی اور ثقافتی ترجیحات کے خلاف ہوں۔ ان اثرات کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے کہ اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل کیا جائے، انہیں عام کیا جائے اور معاشرے میں ان کے فروغ کے ساتھ ساتھ ان پر عمل کرنے کی حکمت عملی بنائے جائے۔ کسی بھی پروگرام یا کسی بھی میڈیا گروپ کو اس شرط کے ساتھ کام کرنے یا پروگرام نشر کرنے کی اجازت دینی چاہیے کہ وہ پاکستان کی بنیادی اساسوں کے خلاف کسی قسم کا کوئی مواد نشر نہیں کریں گے۔ بلکہ انہیں اس بات کا بھی پابند کیا جائے کہ وہ ملک پاکستان سے فائدہ اٹھانے کے ضمن میں ان مفروضات کا بھی رڈ کریں گے جو کسی بھی حوالے سے بھی پاکستان کے خلاف ہوں۔

میڈیا کانفرنسیں مستقل بنیادوں پر منعقد کی جائیں تاکہ وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ جدید ٹیکنالوجی کو دنیا میں اسلام کی حقیقی تصویر اُجاگر کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، تیاری کے ساتھ اسلامی پروڈکشن ہاؤسز بنانے چاہئیں۔ اس کے تجربے سے استفادہ کرکے پوری دُنیا میں اسلامک الیکٹرونک میڈیا کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جو معاشرے کی اخلاقی اور تہذیبی بنیادوں پر تربیت کرنے، اسلامک میڈیا انسٹی ٹیوٹ کے ذریعے پروڈیوسرز، اسکرپٹ رائٹرز، کیمرہ مین، ایڈیٹنگ اور اینکر پرسنز کو تربیت دی جائے تاکہ اسلامی حدود و قیود کے اندر بہترین اینکر پرسنز، پروڈیوسر، اسکرپٹ رائٹرز، کیمرہ مین، ٹیکنیشن کی ایک کھیپ تیار کی جاسکے جو مکمل اسلامی شعور اور ادراک کے ساتھ ابلاغ کی دُنیا میں اسلامی انقلاب کی بنیاد رکھ سکے۔

خاتمہ

نتائج وسفارشات

نتائج

عالمگیریت ایک ایسی حقیقت ہے جس نے اقوام عالم کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کو بھی متاثر کیا۔ اکیسویں صدی میں اس نے بالخصوص مسلم ثقافت، سیاست، معاشرت اور معیشت کو تغیر آشنا کیا ہے۔ عالمگیریت نے دنیا پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات مرتب کیے ہیں۔

◄ مثبت نتائج:

- شروع میں ذرائع آمد و رفت اور وسائل ابلاغ کے محدود ہونے کی وجہ سے دنیا کے مختلف خطے ایک دوسرے سے دور تھے، لیکن جدید ٹیکنالوجی کے نتیجے میں دنیا نے ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کر لی ہے، جس میں مختلف خطے اور ممالک ایک دوسرے کے ساتھ تجارتی طور پر منسلک ہوئے، ایک دوسرے کی تہذیب سے متعارف ہوئے اور ایک دوسرے کی اقدار کو اپنانے لگے۔
- یہ ایک حقیقت ہے کہ دور جدید میں کوئی بھی ملک اپنی تمام ضروریات میں خود کفیل نہیں ہے۔ اسے ضرورت کی بہت سی چیزیں دیگر ممالک سے منگوانی پڑتی ہیں اور زر مبادلہ کمانے کے لیے اپنی ضرورت سے زائد چیزیں دوسرے ممالک کو بیچنی پڑتی ہیں۔ عالمگیریت کی وجہ سے درآمدات اور برآمدات کا یہ سلسلہ وسیع بھی ہوا ہے اور آسان بھی۔
- ہر ملک کی اپنی کرنسی ہوتی ہے، جو اس کی شناخت بھی ہوتی ہے۔ عالمگیریت کی وجہ سے ڈالر ایک بین الاقوامی کرنسی کے طور متعارف ہوا جس کی بدولت دنیا میں موجود مختلف اداروں اور ممالک کے لیے باہمی لین دین میں آسانی پیدا ہوئی۔
- عالمگیریت کی وجہ سے تمام دنیا پر تعلیم کے دروازے کھلے۔ پہلے بسا اوقات اگر کوئی فرد کسی خاص میدان میں اعلیٰ تعلیم کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے ملک میں اس کے لیے درکار سہولیات دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے سے محروم رہتا تھا۔ عالمگیریت نے اس بات کو بھی ممکن بنا دیا ہے کہ انسان کسی بھی ملک میں جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح آن لائن تعلیم بھی عالمگیریت کا ایک مظہر ہے۔
- عالمگیریت سے حکومتیں بھی فائدے اٹھا سکتی ہیں۔ اگر کوئی ملک کسی خاص شعبے مثلاً صحت، تعلیم، ٹیکنالوجی یا انجینئرنگ کے شعبے میں کمزور ہو تو وہ اس سلسلے میں دوسرے ممالک کی ترقی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ حکومتیں

کسی بھی حوالے سے اپنے ممالک کے مختلف شعبوں میں بہتری لا سکتی ہیں اور یہ عالمگیریت کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔

- صحت کے شعبے میں عالمگیریت کے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ پہلے کسی ملک میں صحت کی مطلوبہ سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے کئی افراد موت کا شکار ہو جاتے تھے۔ لیکن اب عالمگیریت کی وجہ سے اگر کسی ملک میں علاج کی مطلوبہ سہولت میسر نہ ہو تو مریض کسی بھی ملک میں جا کر اپنا علاج کرا سکتا ہے۔
- عالمگیریت کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مختلف رفاہی اداروں کو کسی بھی آفت زدہ ملک میں جا کر رفاہی کاموں میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے۔ ۲۰۰۵ میں پاکستان میں آنے والا زلزلہ اس کی ایک مثال ہے۔
- معلومات تک رسائی بھی عالمگیریت کا ایک مثبت اثر ہے۔ آج مختلف ممالک کی معلومات مختلف ذرائع سے دوسرے ممالک کے باشندوں تک پہنچتی رہتی ہیں اور اس سے انہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں کے شہریوں کو کس درجے کی سہولیات مہیا ہیں۔ اس طرح ان ممالک کی حکومتوں کو عوامی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں یہ سہولیات مہیا نہیں ہوتیں اور یوں حکومتیں اپنے عوام کو بھی ایسی سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔
- عالمگیریت کا ایک مثبت اثر تحفظ کی فراہمی ہے۔ مجرم کو پکڑنے کے لیے جدید طریقوں کا استعمال کرنا اور جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانا عالمگیریت کا نتیجہ ہے۔ کسی ملک میں ایسی سہولیات کا ہونا دوسرے ممالک کو ان سہولیات کی فراہمی پر اکساتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک عالمگیریت کی وجہ سے ان سہولیات کو حاصل کر سکتے ہیں۔
- تعلیم کے میدان میں بھی عالمگیریت کے بہت سے مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں جیسا کہ پاکستان کو تعلیمی شعبے میں مختلف ممالک سے مدد ملی جس کی بدولت ایسی بہت سی اصلاحات متعارف کرائی گئیں جن کی مدد سے طلبہ اور اساتذہ کی حاضری اور کارکردگی کو بہتر بنانے میں مدد ملی۔
- عالمگیریت کی وجہ سے خواتین کو اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی اور انہیں معاشرے میں تحفظ کا احساس ہوا۔ مثلا دفاتر اور ملازمت کی جگہوں میں خواتین کو ہراساں کیے جانے کے خلاف قانون سازی کی گئی۔ اس طرح عالمگیریت کی وجہ سے خواتین کے تحفظ کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے۔
- عالمگیریت کی وجہ سے پاکستان کے خاندانی نظام میں بھی کئی ایک مثبت رجحانات پیدا ہوئے۔ مثلاً تعلیم کی کمی کی وجہ سے بسا اوقات والدین اپنی اولاد کی درست تربیت نہ کر پاتے اور نہ ہی ان کے پاس اتنا وقت ہوتا کہ وہ

کہیں سے رہنمائی حاصل کرتے، لیکن میڈیا کی وجہ سے یہ کام آسان ہوا اور انہیں اپنی اولاد کی تربیت کے مختلف طریقوں اور ان کے رجحانات کا اندازہ ہوا۔

- عالمگیریت کی وجہ سے پاکستانی معاشرے پر مختلف سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی اثرات بھی مرتب ہوئے جس کی وجہ سے یہاں شدت پسندی سے نفرت کی جانے لگی، ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دینے سے اجتناب کیا جانے لگا، ایک دوسرے کی اقدار، رسم ورواج اور معاشرت سے آگاہی ہوئی اور تہذیبوں کے تصادم میں ممکنہ حد تک کمی ہوئی۔
- عالمگیریت کی وجہ سے پاکستان کے خاندانی نظام کو مذہبی اصولوں سے بھی آشنائی ہوئی اور مذہب کے بارے میں لوگوں کی سوچ میں وسعت پیدا ہوئی۔ بہت سے خاندانوں نے جب مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھا تو انہیں اس کی خامیوں کا اندازہ ہوا جس کی وجہ سے وہ اسلام کی طرف واپس پلٹے اور یوں ان کی نظر میں اسلام کے آفاقی اصولوں کی قدروقیمت مزید بڑھ گئی۔
- عالمگیریت کی وجہ سے پاکستان میں بہت سے عائلی قوانین متعارف ہوئے ہیں۔ مثلاً اگر کسی عورت کو جائیداد کے حق سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ اپنا حق عدالت کے ذریعے حاصل کرسکتی ہے۔ نیز اسلام عورت کو پسند کی شادی کی اجازت دیتا ہے، لیکن اگر اس کے ماں باپ اس سے انکار کرتے ہیں تو عورت عدالت سے رجوع کر کے شادی کا باعزت راستہ اختیار کرسکتی ہے۔ غیرت کے نام پر قتل کے مقدمے کو ناقابل صلح بنانے کا قانون منظور کیا گیا ہے اور اس کی کم از کم سزا پچیس سال قرار دی گئی ہے۔ نیز کاروکاری کے نام پر قتل کی سخت سزا اور ونی کے خلاف بل بھی منظور کیا گیا ہے۔ خلع کے عمل کو آسان کر دیا گیا ہے اور خلع کی صورت میں حق مہر کی مقدار بھی کم کر دی گئی ہے۔
- مختلف اداروں اور محکموں میں خواتین کی ملازمتوں کا کوٹہ مقرر کیا گیا ہے اور "ہیومن رائٹس کمیشن" نامی ادارہ خصوصاً خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ نیز خواتین کی مدد کے لئے ہیلپ لائن 1043 کا اجرا کیا گیا ہے۔ یہ تمام قانون سازی بین الاقوامی اداروں کی ہدایات کے زیر اثر کی گئی ہے، جہاں حکومت پاکستان ہر سال ان اقدامات سے متعلق رپورٹس جمع کراتی ہے اور خواتین کو برابر کے حقوق دلانے اور انہیں تعلیم یافتہ و بااختیار بنانے کے بارے میں اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں کو اعداد و شمار سے آگاہ کرتی ہے۔

◄ منفی اثرات:

- ہر ملک کی طرح پاکستان بھی مذہبی و معاشرتی شناخت اور علاقائی رسم ورواج رکھتا ہے، لیکن عالمگیریت کی وجہ سے یہاں کا خاندانی نظام برے اثرات بھی پڑے ہیں۔ والدین کے لیے اولاد کی درست تربیت مشکل ہو گئی ہے، نتیجتاً مسلم خاندان بگاڑ کا شکار ہے۔
- عالمگیریت کی وجہ سے پاکستان میں طلاق اور خلع کے مقدمات کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ طلاق کے نتیجے میں خاندان ٹوٹ جاتا ہے اور گھر برباد ہوتا ہے اور اس کے بچوں پر معاشی اور نفسیاتی لحاظ سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔
- پاکستان میں عالمی اداروں کے زیر اثر قانون طلاق و خلع میں تبدیلیاں کی گئیں بالخصوص 2015 میں قانون خلع میں تبدیلی کی گئی کہ 2016 میں ملک بھر میں سب سے زیادہ طلاق و خلع کی شرح میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔
- عالمگیریت کی وجہ سے دنیا بھر کی تجارت صرف ترقی یافتہ ممالک کے قبضے میں چلی گئی ہے، معاشی لحاظ سے دنیا کے کمزور ممالک اپنی پہچان کھوتے جا رہے ہیں اور دنیا کے طاقتور ممالک اپنی معیشت کے بل بوتے پر کمزور ممالک کی معیشت کا استحصال کرتے چلے جا رہے ہیں۔
- عالمگیریت کی وجہ سے کسی بھی ملک کے ہنر مند اور تجربہ کار افراد دوسرے ممالک میں چلے جاتے ہیں جہاں انہیں اچھا معاوضہ ملتا ہے۔ اس طرح ان کے اپنے ملک کے لوگ ان کے تجربے اور مہارت سے محروم رہتے ہیں۔
- عالمگیریت کی وجہ سے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ملک کے رفاہی ادارے قدرتی آفات کے دوران امدادی کاروائیوں کا بہانہ بنا کر کسی ملک میں جاتے ہیں اور وہاں اپنے ممالک کے لیے جاسوسی اور دوسرے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔
- عالمگیریت کی وجہ سے بعض اوقات ملک میں بیروزگاری میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ دوسرے ممالک کے باشندے روزگار کی تلاش میں وہاں آجاتے ہیں اور وہ اپنے ملک کی کمزور معیشت کی وجہ سے اس ملک میں سستے داموں کام کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں جبکہ مقامی آبادی کے لیے اتنے کم داموں پر کام کرنا آسان نہیں ہوتا اس طرح مقامی آبادی میں بے روزگاری بڑھتی ہے۔

- عالمگیریت کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ حکومت کو اپنے ملازمین کے حوالے سے تشویش میں مبتلا کیے رکھتی ہے۔ ادارے اور حکومتیں اپنے ملازمین کی پیشہ ورانہ تربیت پر بھاری وسائل خرچ کرتی ہیں، لیکن یہ وسائل اس وقت ضائع ہو جاتے ہیں جب اس ملازم کو کسی دوسرے ملک سے بہتر آفر ملتی ہے اور وہ اس ملک میں چلا جاتا ہے۔

سفارشات

اس تحقیق کے نتائج سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ عالمگیریت ایک ایسا مظہر ہے، جس کے مثبت اور منفی اثرات تمام دنیا پر پڑ رہے ہیں ۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے مثبت پہلوؤں سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے منفی اثرات سے عالم اسلام اور پاکستان کو بچایا جائے۔ اس ضمن میں چند تجاویز آئندہ سطور میں پیش کی جاتی ہیں۔

- میاں بیوی کو درست تربیت دی جائے تاکہ نہ صرف وہ خود بلکہ اپنی اولاد کو بھی عالمگیریت کے منفی اثرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ دونوں پر خاندان کی اہمیت اجاگر کی جائے اور انہیں اس کے مقاصد سے آگاہ کیا جائے تاکہ خاندان کا ادارہ مضبوط ہو سکے۔
- بچیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے، کیوں کہ وہ مستقبل کی مائیں اور سماج کی بنیاد ہوتی ہیں۔ ماؤں کو عالمگیریت کے مفید اور مضر عناصر سے آگاہ ہونا چاہئے، تاکہ وہ اپنے بچوں بہتر اور باعمل انسان بناسکیں۔
- خیر کے امور پر مبنی اور معاشرے کی فلاح و صلاح کا ضامن ایسا تعلیمی نصاب تشکیل دیا جائے، جو بچوں کو اعلی اخلاقی اقدار کا مالک بنائے اور انہیں اسلام اور پاکستان سے محبت کا درس دے ۔
- کالج کی سطح پر نصاب میں ایسی سورتیں اور احادیث شامل کی جائیں، جو شرم و حیا اور اسلامی اخلاقیات کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں، خصوصا سورۃ النور کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ دیگر اداروں میں بھی عالمگیریت کے منفی اثرات سے متعلق نصابات کو لازمی قرار دیا جائے، تاکہ تمام اداروں میں اخلاق و کردار کو رواج دیا جاسکے اور بد دیانتی و کرپشن کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔
- دعوت و تبلیغ جو اسلام کا بنیادی جزو ہے اس کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور والدین کی تربیت کرنے کے لئے سرکاری سطح پر "دعوت و تبلیغ" کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس کا مقصد ہی اسلامی تعلیمات کو عام کرنا اور انہیں گھر گھر پہنچانا ہو۔
- امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی کے اسوہ کی پیروی کرتے ہوئے حکومت پاکستان کو ایسا ادارہ قائم کرنا چاہیے جس کا نصب العین بچوں کی تعلیم و تربیت ہو۔
- خاندان کو عالمگیریت کے منفی اثرات سے بچانے کے سلسلے میں مساجد اور دیگر عوامی پلیٹ فارمز کو کلیدی کردار ادا کرنا چاہیے۔ مساجد میں ہونے والے خطبات جامع ، پُر مغز اور اسلام کی عالمگیر تعلیمات و ہدایات پر مشتمل ہونے چاہئیں۔ اس مقصد کے لیے جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ہر جمعہ کو تمام خطباء کو اعلی اخلاقیات، اخوت، ایثار اور برداشت جیسے موضوعات پر مشتمل اور فرقہ واریت اور بدامنی کو فروغ دینے والے مواد سے پاک ایک جامع خطبہ

ارسال کرے تاکہ ایک پُرامن معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔ عوامی مقامات مثلاً پارک، ہسپتالوں اور اسٹیشنوں وغیرہ پر بھی تربیت کا مناسب انتظام کیا جائے، اخلاقی اقدار پر مبنی بیانات دیئے جائیں اور ان میں ایسے کتابچے تقسیم کئے جائیں، جن سے ان میں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کا احساس پیدا ہو ۔

- عالم گیریت کو بطور نصاب سکولوں میں پڑھایا جائے، مخلوط تعلیم سے حتی المقدور بچا جائے اور عالمگیریت کے مثبت و منفی اثرات سے طلبہ کو آگاہ کرکے انہیں اسلامی تہذیب و ثقافت کی خوبیوں سے آگاہ کیا جائے۔ اگر کسی موقع پر مخلوط تعلیم امر ناگزیر ہو تو ایسے اقدامات کیے جائیں جس سے بے راہ روی کا سدباب کیا جاسکے۔ میڈیا پروگراموں میں مسلم سکالروں کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ عوام کو مغربی عالمگیریت کے مضر پہلوؤں سے آگاہ کرکے انہیں اسلامی عالمگیریت کی جانب راغب کرسکیں۔
- مغربی عالمگیریت کے مقابلے میں اسلامی عالمگیریت کے فروغ کے لئے جدید ذرائع کا سہارا لیا جائے ،تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کو اسلامی تہذیب و ثقافت کی جانب راغب کیا جاسکے اور انہیں عالمگیریت کے منفی اثرات سے بچایا جاسکے۔ علمائے کرام کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہتے ہوئے مسلم امہ کے مفادات کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیئے۔
- زوجین کے باہمی حقوق اور خوشگوار تعلقات کے قیام پر زور دیتے ہوئے ایسے پروگرامز نشر کئے جائیں جن سے اس طرف راہنمائی میسر ہو اور خاندانوں میں شکر والے جذبے کو فروغ ملے۔ میڈیا پر ایسے پروگرام نشر کرنے پر پابندی لگائی جائے ،جن میں لفظ طلاق کا بے جا ستعال کیا جاتا ہے۔ عائلی معاملات میں حکومت کی بے جا مداخلت کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ عائلی زندگی میں خوشگواری لانے کے لئے ایسے مختصر کورسز متعارف کرائے جائیں جن سے زوجین کو اپنے حقوق و فرائض کا علم ہو۔
- خاندان اور نسل کو عالمگیریت کے منفی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے شادی میں تاخیر کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اس کے لئے سادگی سے شادی کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور نئی نسل کو حقیقت پسندی کی طرف راغب کیا جائے۔ عدالتی شادیوں کی حوصلہ شکنی کی جائے جن کی وجہ سے ایک طرف طلاق کی شرح میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف غیرت کے نام پر قتل کا ارتکاب بھی ہوتا ہے۔ شادی بیاہ سے متعلق تمام غیر اسلامی مذموم رسوم و رواج مثلاً کاروکاری، قرآن سے شادی اور وٹہ سٹہ کی شادی کا خاتمہ کیا جائے۔ فیملی کورٹس کے جملہ ذمہ داران کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ علمائے کرام کی تبلیغ اس سلسلے میں ایک مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ نماز پنجگانہ اور جمعہ کے اجتماعات میں عوام کو اس بارے آگاہ کیا جائے ۔

- خاندان کے تحفظ اور طلاق سے بچنے کے لیے شوہر کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں شرعی معلومات عام فہم انداز میں عوام کو دی جائیں، بیک وقت تین طلاقیں دینے پر پابندی عائد کی جائے اور طلاق کا باقاعدہ اندراج کرانے اور فریقین کو بروقت اطلاع دینے کا قانون بنایا جائے۔
- اگر بیوی عدالت میں طلاق یا خلع کا دعوی دائر کردے تو عدالت ان دونوں کو معاملہ سلجھانے کا مناسب وقت دے، بالخصوص شوہر کو سنے بغیر یک طرفہ ڈگری نہ جاری کرے۔ جلد بازی میں کئے گئے فیصلے بیوی بچوں کے لئے مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے ایسا نظام وضع کیا جائے جس سے میاں بیوی کے جھگڑے حل کئے جائیں یک طرفہ تنسیخ نکاح کی ڈگریاں جاری کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔
- خلع کے مقدمہ میں فیملی کورٹس کی پہلی ترجیح زوجین میں مصالحت کرنا ہونی چاہیے، دوسری ترجیح خاوند کو رضاکارانہ طلاق پر آمادہ کرنا ہونی چاہیے اور تیسری ترجیح دونوں کو خلع پر آمادہ کرنا ہونی چاہیے۔
- خاندانی نظام میں خرابی کی وجہ صرف عالمگیریت کو قرار دینا اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے۔ اولاد کے بگاڑ میں عالمگیریت کے ساتھ ساتھ والدین کے رویے کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو وقت دیں، اسے اچھا ماحول فراہم کریں اور اس کی تربیت کو اپنی اہم ترین ذمہ داری سمجھیں۔

فہرست آیات

فہرست آیات

24	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ .... تَذَكَّرُونَ	---	90	38
25	وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ................. رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا	الاسراء	23-24	23
26	وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا	---	32	7,59
27	وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْماً	طٰہ	114	157
28	اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ.............. الْمُؤْمِنِيْنَ	النور	2	14
29	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا .... عَلٰى اَهْلِهَا	-.-	27	225
30	وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ	---	31	29
31	وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ................. وَاسِعٌ عَلِيْمٌ	---	32	5،64
32	رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ .... وَالْأَبْصَارُ	---	37	197
33	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ .... جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ	---	58	226
34	وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا .... كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	العنکبوت	8	22
35	وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ .... يَتَفَكَّرُونَ	الروم	21	63
36	وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ .... مَعْرُوْفًا	---	14	23
37	وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى	الاحزاب	33	9
38	يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ .... غَفُوراً رَحِيماً	--	59	173
39	يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ .... عَلِيمٌ خَبِيرٌ	الحجرات	13	206
40	ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا .... فَاسِقُونَ	الحدید	27	197
41	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ........................ يَحِلُّونَ لَهُنَّ	الممتحنہ	10	67
42	فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا .... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	الجمعہ	10	198
43	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ .... وَالْحِجَارَةُ	التحریم	6	26,159
44	وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا .... يُخْسِرُونَ	المطففین	1-3	206

فہرست احادیث

فہرست احادیث

26	تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ .... صَدَقَة	سنن ترمذی	145
27	التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا ....صَدَقَ	سنن دارمی	201
28	خذی ما يكفيك وولدك بالمعروف	صحیح مسلم	35
29	خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ وَأنا خَفِيفَةُ .... بِتِلْكَ	سنن نسائی	148
30	خيركم خيركم لاهله ، وانا خيركم لاهلی	سنن ابن ماجہ	18
31	دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ .... عِيدُنَا	صحیح بخاری	142
32	دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ .... كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ	سنن ابی داؤد	166
33	رحم الله رجلا قام من الليل فصلی............ فی وجهه الماء	--	154
34	الرحم شجنة من الرحمن............قطعك قطعته	صحیح بخاری	38
35	رضا الرب فی رضا الوالد، وسخط الرب فی سخط الوالد	ترمذی	24
36	سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم ....من قطعها بتته	صحیح بخاری	39
37	سمعت رسول الله صلی الله .... ادخله الله النار	ترمذی	278
38	سَمِّ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ	صحیح بخاری	163
39	سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ .... عَفَا عَنْهُ	سنن ابن ماجہ	196
40	صليت مع رسول الله .... جؤنة عطار	صحیح مسلم	25
41	طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ	سنن ابن ماجہ	157
42	عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمُ الْعَوْمَ وَالرِّمَايَةَ وَنِعْمَ لَهْوُ الْمَرْأَةِ الْمِغْزَلُ	العیال لابن الدنیا	171
43	الغلام مرتهن بعقيقته .... , ويسمى ويحلق راسه	ترمذی	27
44	فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ	صحیح بخاری	173
45	فلا تفعلوا، فإني لو كنت آمرا .... قتب لم تمنعه	ابن ماجہ	30
46	لما كانت ليلتی التی كان النبی صلی الله .... بكم للاحقون	صحیح مسلم	143
47	فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ......... لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ	صحیح بخاری	140
48	قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ........ يَكْرَهُ	سنن نسائی	139
49	كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَصْطَرِعَانِ .... حُسَيْنُ	معجم موصلی	170
50	كَانَ النَّبِيُّ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ....... النُّشُورُ	صحیح بخاری	168
51	كان النبی إذا اعتكف، يدنی إلی .... الإنسان	صحیح مسلم	148

77	المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه .... اصابعه	سنن ابی داؤد	17
78	نعم , الصلاة عليهما , والاستغفار لهما ....لا توصل إلا بهما	سنن ابن ماجہ	36
79	النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ .... وِجَاءٌ	--	6
80	وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ............ حَتَّى اللَّيْلِ	صحیح بخاری	151
81	ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه	--	39
82	واستوصوا بالنساء خيرا فإنهن .... بالنساء خيرا	--	33
83	الوالد اوسط ابواب الجنة , فاضع ذلك الباب او احفظه	ابن ماجہ	24
84	هلك ابى وترك سبع او تسع بنات .... عليك	صحیح بخاری	147
85	يا رسول الله،إني اصبت ذنبا عظيما .... قال: فبرها	ترمذی	37
86	يا رسول الله، من ابر؟ قال: .... ثم الاقرب، فالاقرب	--	35
87	يا معشر النساء تصدقن فإنى............تكفرن العشير	--	30
88	يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ	--	24

فہرست اصطلاحات و مخففات

فہرست جداول

فہرست اصطلاحات

List of Abbreviations

Pcr LJ	Pakistan Criminal Legal Journal
PLJ	Pakistan Law Journal
PLD	Pakistan Legal Digest
NLR	National Law Report
MLD	Monthly Legal Digest
YLD	Yearly Law Reporter
NLR	National Law Reporter
WTO	World Trade Organization
CEDAW	The convention on the elimination of all forms of discrimination against women
YES	Youth exchange and study program

فہرست مصادر و مراجع

فہرست مصادر ومراجع

❖ القرآن الکریم

عربی کتب:

- ابراہیم بن السری بن سہل، معانی القرآن واعرابہ، تحقیق: عبد الجلیل عبدہ شلبی، عالم الکتب بیروت 1408ھ
- إبراهيم بن عبد الله الأزرق، الاختلاط بين الواقع والتشريع، دراسة فقهية علمية تطبيقية في حكم الاختلاط وآثاره، تقريظ: ألدكتور. ناصر العمر، مؤسسة نور الاسلام 1425ھ
- ابوالحسن علی بن احمد بن محمد الواحدی، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، تحقیق: الشیخ عادل احمد عبد الموجود، الشیخ علی محمد معوض، الدکتور احمد محمد صیرہ، الدکتور احمد عبد الغنی، الدکتور عبد الرحمٰن عویس، داراکتب العلمیہ بیروت 1415ھ
- ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی، السنن الکبریٰ، تحقیق: حسن عبد المنعم شلبی تحت اشراف شعیب الارناؤوط، مؤسسۃ السالۃ بیروت 1421ھ
- احمد ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، تحقیق: عبد السلام ہارون، دار لفکر بیروت، سن ندارد
- احمد بن الحسین بن علی الخراسانی، السنن الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1424ھ
- احمد بن شعیب بن علی الخراسانی، السنن الصغریٰ، تحقیق: عبد الفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب، سن ندارد
- احمد بن عبد الحلیم الحرانی، مجموع الفتاویٰ، تحقیق: عبد الرحمٰن بن محمد بن قاسم، مجمع الملک فہد للطباعۃ المصحف الشریف مدینہ منورہ 1416ھ
- احمد بن علی بن المثنیٰ التمیمی، المعجم، تحقیق: ارشاد الحق الاثری، ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد 1407ھ
- احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، تحقیق: الامام ابو محمد بن عاشور، داراحیاء التراث العربی بیروت 1422ھ
- احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری، عمل الیوم واللیلۃ سلوک النبی مع ربّہ ومعاشرتہ مع العباد، تحقیق: کوثر البرنی، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، سن ندارد
- احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی، المسند، تحقیق: شعیب الارنؤوط، عادل معشد وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1421ھ
- احمد مجدي حجازي، العولمہ وآليات التهميش في الثقافة العربية، جامعة فيلادلفيافي الأردن في مايو 1998ء
- احمد محمد الكريز، الرعاية الاجتماعية للأحداث الجانحين، مطبعة الإنشاء دمشق 1400ھ
- احمد مختار، معجم الصواب اللغوی دلیل المثقف العربی، عالم الکتب قاہرہ 2008ء

- احمد مختار، معجم اللغۃ العربیہ المعاصرۃ، عالم الکتب قاہرہ1429ھ
- احمد مصطفیٰ عمر، علام العولمہ وتاثیرہ فی المستھلک، المستقبل العربی حزیران1998ء
- اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ، دار طیبہ للنشر والتوزیع مصر، سن ندار
- اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی، البدایہ والنہایہ، المحقق: علی شیری، الناشر: داراحیاء التراث العربی، 1988
- اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستنانبولی، روح البیان، دارالفکر بیروت، سن ندار
- اکرام عبداللہ المصری، عولمۃ المرأۃ المسلمۃ، الآلیات وطرق المواجھۃ، مرکز باحثات لدراسات المرأۃ2010ء
- ایوب بن موسیٰ الحسینی، تحقیق: عدنان درویش و محمد المصری، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، سن ندارد
- تسنیم احمر، خواتین، میڈیا اور اخلاقیات، عکس ریسرچ سنٹر2 اسلام آباد، سن ندارد
- جلال امین، العولم، دارالکتب المعارف العلمیہ 1995 ء
- جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی الجوزی، زادالمسیر فی علم التفسیر، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، دارالکتاب العربی بیروت 1422ھ
- جمال الدین محمد بن مکرم بن علی الافریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت1414ھ
- جمال المجایدہ، الاسلام والامۃ الاسلامیۃ للمہاتیر محمد، داراحیاء التراث العربی بیروت2006ء
- حارث بن محمد بن داہر البغدادی، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، تحقیق: حسین احمد صالح الباکری، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویہ مدینہ 1413ھ
- حسن الحنفی وصادق جلال العظم، ماالعولمہ، دارالفکر العربی بیروت1994 ء
- حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی، تحقیق: صفوان عدنان الداودی، دارالقلم بیروت 1412ھ
- حسین بن مسعود بن محمد الشافعی، شرح السنہ، تحقیق: شعیب الارنؤوط و محمد زہیر الشاویش، المکتب الاسلامی بیروت 1403ھ
- حسین بن مسعود البغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، تحقیق: محمد عبداللہ النمر، دار طیبہ للنشر والتوزیع بیروت 1417ھ
- حمد بن احمد الازہری، تہذیب اللغۃ، تحقیق: داراحیاء التراث العربی بیروت 2001ء
- خلیل بن احمد بن عمرو الفراہیدی، کتاب العین، تحقیق: الدکتور مہدی المخزومی والدکتور ابراہیم السامرائی، دار و مکتبۃ الہلال بیروت، سن ندارد
- زکریا بشیر الامام، مواجھۃ العولمۃ، مرکز قاسم للمعلومات الخرطوم2000ء

- زین الدین بن ابراھیم بن محمد، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1990ء
- زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی، المغنیٰ عن حمل الاسفار فی الاسفار، تحقیق: دار حزم بیروت 1426ھ، کتاب آداب الکسب، باب الثالث فی بیان العدل، سن ندارد
- زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین المناوی، التوقیف علی مہمات التعاریف، عالم الکتب قاہرہ 1410ھ
- سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی، التفسیر من سنن سعید بن منصور، تحقیق: سعد بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل حمید، دار الصمیعی للنشر والتوزیع قاہرہ 1417ھ
- سلمان الجاد، وثیقہ مؤتمر السکان والتنمیہ، رؤیۃ شرعیۃ، مکتبہ الاسلام قاہرہ، سن ندارد
- سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر الشامی الطبرانی، المعجم الاوسط، تحقیق: طارق بن عوض، عبدالمحسن بن ابراہیم الحسینی، دارالحرمین قاہرہ، سن ندارد
- سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر الشامی، المعجم الصغیر، المکتب الاسلامی بیروت 1405ھ
- سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر الشامی، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی بن عبدالمجید السلفی، مکتبۃ ابن تیمیہ قاہرہ 1415ھ
- سلیمان بن اشعث بن اسحاق السجستانی، السنن، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، المکتبہ العصریہ بیروت، سن ندارد
- سید احمد الفرج، الأسرۃ في ضوء الکتاب والسنہ، طبعۃ دار الوفاء مصر 1407ھ
- سیف الدین عبدالفتاح، الاسلام والعولمہ، دارالفکر العربی بیروت 2013ء
- شیخ محمد الدویش، الباحثات عن السراب، مکتبہ القاہرہ 1417ھ
- شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، تحقیق: السعید بن بسیونی زغلول، دارالکتب العلمیہ بیروت 1406ھ
- صالح اَبو اصبع وغیرہ، العولمۃ والھویۃ، منشورات جامعہ فیلادلفیا، 1999ء
- صدیق بن حسن قنوجی، تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن،، المکتبہ العصریۃ بیروت 1412ھ
- صلاح الدین عبداللہ الحارثی، دور التربیۃ الإسلامیہ في مواجھۃ التحدیات الثقافیۃ للعولمہ، مکتبہ السوادي 1424ھ
- عابدین محمد الشریف، الإعلام والعولمۃ والھویۃ: المؤثر والمتأثر، دار الکتب الوطنیۃ 2006ھ
- عاصم احمد العجیلہ، المسلمون وتقلید لأجانب، الانبھار بالغرب وتغریب العرب، مکتبہ نھضۃ مصر 2006ء
- عبدالرحمن بن کمال الدین بن فخر الدین السیوطی، الدرالمنثور، تحقیق: الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مرکز ہجر للبحوث والدراسات مصر، سن ندارد

- عبد الرحمٰن الزنیدی، العولمۃ الغربیۃ والصحوۃ الإسلامیۃ، دار اشبیلیا، 2000ء
- عبد الرحمٰن بن ابراہیم بن احمد المقدسی، العدۃ شرح العمدۃ، دار الحدیث قاہرہ 1424ھ
- عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس التمیمی، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: اسعد محمد الطیب، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز سعودیہ، سن ندارد
- عبد الرشید عبد الحافظ، الآثار السلبیہ للعولمہ علی الوطن العربي وسبل مواجھتھا، مکتبۃ مدبولي 2005ء
- عبد العزیز بن طالب، الدراسۃ في الخارج: أبعاد تنمویہ وتجارب دولیہ وخطوات عملیہ، مکتبہ العبیکان 2008ء
- عبد العزیز بن عثمان، العولمۃ والحیاۃ الثقافیۃ في العالم الإسلامي، المنظمۃ الإسلامیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ الریاض، سن ندارد
- عبد الفتاح احمد الفاوی، لثقافۃ العربیۃ في عصر العولمۃ، الأھرام 22/02/200
- عبد الفتاح احمد الفاوی، الثقافۃ العربیۃ في عصر العولمۃ، اخبار الأھرام: 22، فروری 2001ء
- عبد القادر الشیخلی، تاثیر العولمہ علی سلطۃ الوالدین، مکتبہ دار الحضارۃ بدمشق 1429ھ
- عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری، لطائف الارشادات، تحقیق: ابراہیم البسیونی، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب مصر، سن ندارد
- عبد اللہ، الحوار المبتغی فی ظل العولمیہ، مجلۃ الرابطہ، العدد: اپریل 2008ء
- عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی، دار الکلم الطیب بیروت 1419ھ
- عبد اللہ بن المبارک المروزی، الزہد والرقائق، تحقیق: حبیب الرحمن الاعظمی، دار الکتب العلمیہ بیروت، سن ندارد
- عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب، تنویر المقیاس، جمعہ: مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب، دار الکتب العلمیہ بیروت، سن ندارد
- عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل الدارمی، المسند، تحقیق: حسین سلیم اسد الدارانی، دار المغنی للنشر والتوزیع سعودیہ 1412ھ
- عبد اللہ بن عمر البیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، اعداد: محمد عبد الرحمن المرعشلی، دار الفکر بیروت، سن ندارد
- عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی، ابن شیبہ، المصنف فی الاحادیث والآثار، تحقیق: کمال یوسف الحوت، مکتبۃ الرشد ریاض 1409ھ
- عبد اللہ بن محمد بن عبید الاموی، العیال، تحقیق: الدکتور نجم عبد الرحمن خلف، دار ابن قیم الدمام سعودیہ 1410ھ
- عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، تعلیقات: الشیخ محمود ابو دقیقہ، مطبعۃ الحلبی قاہرہ 1356ھ

- عبداللہ بن وہب بن مسلم المصری، الجامع فی الحدیث، تحقیق: الدکتور مصطفیٰ حسن حسین محمد ابوالخیر، دارابن الجوزی 1416ھ
- عبدالمحسن عبداللہ الخرافی، الموسوعۃ الاسرۃ، اللجنۃ الاستشاریۃ، کویت، سن ندارد
- عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری، السیرۃ النبویہ، تحقیق: مصطفیٰ السقاوابراہیم الابیاری وعبدالحفیظ الشلبی، شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر 1375ھ
- علوان الدکتور عبداللہ ناصح علوان، تربیۃ الأولاد في الاسلام، مکتبہ دار السلام مصر 1412ھ
- علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی، الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، تحقیق: طلال یوسف داراحیاءالتراث العربی بیروت، سن ندارد
- علی بن حسام الدین الشاذلی، کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، تحقیق: بکری حیانی وصفوۃ النساء، مؤسسۃ الرسالہ بیروت 1411ھ
- علی بن محمد بن علی الزین الشریف، کتاب التعریفات، تحقیق: جماعۃ من العماء تحت اشراف الناشر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1403ھ
- علی بن محمد بن محمد البصری، النکت والعیون، تحقیق: دارالکتب العلمیہ بیروت، سن ندارد
- علی عزت، الإسلام بین الشرق والغرب، مجلہ النور الکویتیۃ، الطبعۃ الأولی 1414ھ، سن ندارد
- فہد خلیل زاید، فن التعامل مع کبار السن الوالدین، دار النفائس، الطبعۃ الأولی، 2010ء
- فؤاد بن عبدالکریم، الأسرۃ والعولمۃ، بحث في التقریر الارتیادي السنوي الثالث الصادر عن مجلۃ البیان 1427ھ
- فوادالعبدالکریم، العدوان علی المرأۃ في المؤتمرات الدولیۃ، منشورات مکتبہ الاسلام دمشق، سن ندارد
- لیمان بن داؤد بن الجارود البصری الطیالسی، المسند، تحقیق: الدکتور محمد بن عبدالمحسن الترکی، دار ہجر مصر 1419ھ
- مائیک بیگنن، امریکاالمستبدۃ: الولایات المتحدۃ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم (العولمۃ)، من منشورات اتحاد کتب العرب 2003ء
- مبارک بن محمد بن محمد الشیبانی، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، تحقیق: طاہر احمد الزاوی ومحمود محمد الطناجی، المکتبۃ العلمیہ بیروت 1399ھ
- مجاہد بن جبر التابعی، تفسیر مجاہد، تحقیق: الدکتور محمد عبدالسلام ابوالنیل، دارالفکر الاسلامی الحدیثۃ مصر 1410ھ
- محمد ابراہیم، الإسلام والعولمہ، الدار القومیۃ العربیۃ، القاہرۃ 1999ء

- محمد ابراہیم الہدی، اثر برامج التلفاز فی تحفیز سلوکیات العنف لدی الأطفال فی مرحلۃ الطفولۃ المبکرۃ، کتب العالم الاسلامی 2008ء
- محمد النوبی، إدمان الإنترنت فی عصر العولمہ، دار صفاء للنشر والتوزیع 1431ھ
- محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی، رد المختار علی الدر المختار، دار الفکر بیروت 1412ھ
- محمد امین بن عمر بن عبد العزیز الدمشقی، رد المختار علی الدر المختار، دار الفکر العربی بیروت 1412ھ
- محمد بن ابراہیم المنذر، کتاب تفسیر القرآن، تحقیق: سعد بن محمد السعد، دار المآثر مدینہ منورہ، سن ندارد
- محمد بن ابی بکر بن ایوب، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی، دار الکتاب العربی بیروت 1416ھ
- محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: دار الکتب المصریۃ قاہرہ 1384ھ
- محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، المبسوط، دار المعرفت بیروت 1414ھ
- محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت 1409ھ
- محمد بن حبان بن احمد التیمی، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب الارنؤوط، مؤسسۃ الرسالہ بیروت 1408ھ
- محمد بن سعد بن منیع الہاشمی، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1410ھ
- محمد بن سعود العصمی، منظمۃ التجارۃ العالمیۃ والعولمۃ الاقتصادیۃ، دار الفکر العربی بیروت 2000ء
- محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی، مسند الشہاب، تحقیق: حمیدی بن عبد المجید السلفی، مؤسسۃ الرسالہ بیروت 1407ھ
- محمد بن صالح بن محمد العثیمین، شرح ریاض الصالحین، دار الوطن للنشر ریاض 1426ھ
- محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، شرح الزرقانی علی المؤطا الامام مالک، تحقیق: طہ عبد الرؤوف سعد، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ قاہرہ 1424ھ
- محمد بن علی بن عطیہ الحارثی، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ووصف طریق المرید الی مقام التوحید، تحقیق: عاصم ابراہیم الکیالی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
- محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الیمنی، نیل الاوطار، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، دار الکتب العلمیہ بیروت 1413ھ
- محمد بن عمر بن الحسن الرازی، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی بیروت 1420ھ
- محمد بن عیسیٰ الترمذی، السنن، تحقیق: بشار عواد المعروف، دار الغرب الاسلامی بیروت 1998ء
- محمد بن محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، دار المعرفۃ بیروت، سن ندارد

- محمد بن محمد بن عبد الرحمٰن الطرابلسی، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دارالفکر بیروت 1412ھ
- محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی الزبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، تحقیق: مجومعہ من المحققین ، دارالہدایہ مصر، سن ندارد
- محمد بن محمد بن محمود الماتریدی، تاویلات اہل السنۃ، تحقیق: مجدی باسلوم، دارالکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
- محمد بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، جامع البیان عن تاویل القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسہ الرسالہ بیروت 1420ھ
- محمد توہیل عبدہ سعید، هذه هي العولمة، المنطلقات والمعطيات والآفاق، مکتبہ الفلاح 1422ھ
- محمد راغب، الثقافۃ الاسلامیہ، مترجم: افتخار احمد بلخی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، سن ندارد
- محمد زکی المیلاد، الاسلام والعولمہ: لماذا لا تکون العولمۃ مکسباً لنا؟، دارالتقدمیۃ للعربی بیروت 2006
- محمد سلامہ الغباری، مدخل علاجي جدید لانحراف الأحداث: العلاج الإسلامي ودور الخدمۃ الاجتماعیہ، المکتب الجامعي الحدیث اسکندریہ 1985ء
- محمد سند العکایلہ، اضطرابات الوسط الأسري وعلاقتها بجنوح الأحداث، مکتبۃ دار الثقافۃ للنشر والتوزیع 2006ء
- محمد سیا الجمیل، العولمہ والمستقبل استراتیجیہ تفکیر، مکتبہ الأهلیہ للنشر والتوزیع عمان 1412ھ
- محمد عبد الباقي، خطر التبرج والاختلاط، عبد الباقي رمضون، مؤسسۃ الرسالۃ 1400ھ
- محمد عبد الفتاح السعدی، ظواهر ومشكلات الأسرة والطفولۃ المعاصرة من منظور الخدمۃ الاجتماعیۃ، المکتب الجامعي الحدیث 2009ء
- محمد کاظم الشبیب، العنف الأسري، المركز الثقافي العربي قاہرہ بیروت 2007ء
- محمد کامل الشریف، الشباب المسلم والعولمۃ، دارالفکر العربی بیروت 2005ء
- محمد معوض، دراسات في إعلام الطفل، دار الکتاب الحدیث 2010ء
- محمد ناصر المیزاب، مدخل إلی سیکولوجیۃ الجنوح، عالم الکتب العربی بیروت 2008ء
- محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ، المستدرک علی الصحیحین، دار صادر بیروت 1411ھ
- محمود بن عمرو بن احمد الزمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دارالکتب العلمیہ بیروت 1407ھ
- مسعود الظاہر، الثقافۃ العربیۃ في مواجهۃ المتغیرات الدولیۃ الراهنۃ، رسالۃ الفکر العربي المعاصر: بیروت، عدد 101 ، 1993ء
- مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، داراحیاء التراث العربی، سن ندارد

- مقاتل بن سلیمان بن بشیر البلخی، تفسیر مقاتل بن سلیمان، تحقیق:عبد اللہ محمود شحاتہ، داراحیاء التراث العربی بیروت 1423ھ
- منصور بن یونس بن صلاح الدین الحنبلی، کشاف القناع عن متن الاقناع، دارالکتب العلمیہ بیروت، سن ندارد
- ناصر بن سلیمان العمر، رسالہ المسلم فی حقبۃ العولمہ، مرکز الدراسات الإسلامیۃ بقطر1424ھ
- ندا ابو محمد الشیخ، خطورۃ الاختلاط، مکتبہ الشیخ للنشر والتوزیع1419ھ
- نعیمہ شومان، العولمہ بین النظم التکنولوجیۃ الحدیثہ، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت 1418ھ
- ہناہشام محمد، المجتمع، جمیعۃ الاصلاح الاجتماعی کویت، العدد: مارچ2077ء
- ہندالحمیدی الحربی، اثر الاستخدام المفرط للانترنت علی وظائف الأسرۃ وعلاقاتھا الاجتماعیہ، مکتبۃ الاسلام للنشر والتوزیع سوریا، سن ندارد
- وزات الأوقاف الشئون الاسلامیۃ، موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ کویت، سن ندارد
- یحیٰ بن سلام بن ابی ثعلبہ، تفسیر یحیٰ بن سلام، تحقیق: الدکورۃ ہند شلبی، دارالکتب العلمیہ بیروت 1425ھ
- یحیٰ بن شرف النووی، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، داراحیاء التراث العربی بیروت1392ھ
- یوسف بن عبد اللہ، الاستذکار، دارالکتب العلمیہ بیروت 1421ھ

اردو کتب:

- ابوالاعلیٰ سید محمد مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سن ندارد
- انیس احمد، عالمگیریت اور تہذیب کا مستقبل مشمولہ مجلہ مغرب اوراسلام خصوصی اشاعت عالمگیریت کا چیلنج اور مسلمان 2011، جلد:14، شمارہ:2، ص:8
- انیس احمد، معاشرتی بگاڑ اور خواتین کا حصول تعلیم، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اگست 2004ء
- ایس ایم شاہد، پاکستانی معاشرہ اور ثقافت، ایورنیو بک پیلس لاہور، سن ندارد
- جلال الدین سید، مسلمان عورت کے حقوق اوران پر اعتراضات کا جائزہ، اسلامی ریسرچ اکیڈمی کراچی، سن ندارد
- جمیل احمد جالبی، پاکستانی کلچر، الیٹ پبلشرز کراچی 1973ء
- خالد علوی، سیکولرازم اوراسلام، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹ اسلام آباد، سن ندارد
- خالد علوی، اسلام اور عالمگیریت، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد2006
- خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل اردوبازار لاہور، سن ندارد

- ڈاکٹر لیاقت حسین نیازی، سنگ میل پبلیکیشنزلاہور 2013ء
- رحیمہ عیسانی، العولمۃ الإعلامیۃ، عالم الکتب الحدیث 2010ء
- سید قاسم محمود، قائداعظم کا پیغام، پاکستان اکیڈمی لاہور، سن ندارد
- سید ابوالاعلی مودودی، تصریحات، اسلامک پبلیکیشنزلاہور، سن ندارد
- سید ابوالاعلی مودودی، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنزلاہور، سن ندارد
- سید ابوالاعلی مودودی، نظریہ تعلیم اوراسلام، اسلامک پبلیکیشنزلاہور، سن ندارد
- سیدہ سعدیہ، ڈاکٹر، پاکستانی معاشرے میں مطلقہ خواتین کے سماجی و قانونی مسائل، ادارہ اسلامیات، لاہور 2017
- شبلی نعمانی، الغزالی، رحمانی پریس دہلی 1925 ء
- شیپروہیری، ثقافت کا مسئلہ، مترجم: سید قاسم محمود، شیش محل کتاب گھر لاہور 1961ء
- شیخ عبد الرزاق عبد الغفار سلفی، گلوبلائزیشن اور عالم اسلام، مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی انڈیا 2014
- عامر شہزاد، تعلیم: مفہوم، اہمیت اور طریقہ کار، ماہنامہ نظامت اپریل 2004 ء
- عبد الحق، سٹینڈرڈ ڈکشنری، انجمن پریس کراچی 1960ء
- عبد الحکیم، مقالات حکیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، سن ندارد
- علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلسن ندارد شریات اسلام کراچی، سن ندارد
- قاموس الاصطلاحات، مغربی اپکستان اردو اکیڈمی لاہور 1965ء
- محمد اقبال، کلیات اقبال، ضرب کلیم، نظم: عورت، اقبال اکادمی پاکستان، سن ندارد
- محمد امین، اسلام اور مغرب کی کشمکش؛ ایک تجزیہ ایک مطالعہ، موٹروے پریس لاہور 2006ء
- محمد انور خان، سیٹلائٹ نشریات کے پنجاب یونیورٹی کے طلبہ وطالبات پر اثرات، غیر مطبوعہ مقالہ، ایم اے ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور 1997 ء
- محمد خالد، تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، سن ندارد
- محمد شہاب الدین، خاندانی نظام پر تمدنی تبدیلیوں کے اثرات مشمولہ خاندانی نظام اور خواتین کے حقوق، الفا پبلیکیشنز نئی دہلی انڈیا 2013ء
- محمد طاہر القادری، بچوں کی تعلیم وتربیت اوروالدین کا کردار، منہاج القرآن پرنٹرز لاہور 2016ء
- محمد طلحہ قریشی، نوجوانوں کے تبادلہ اور تعلیم کا پروگرام مشمولہ خبر ونظر، سفارتخانہ ریاست ہائے متحدہ امریکا، مئی 2008 ء

- محمد گجر خان کاشمیری، سیکولرازم اصول ومبادی، ترجمان القرآن لاہور1986 ء
- محمود احمد غازی، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور 1997 ء
- مرزا طارق سہیل، تعلیمی ادارے کا کردار، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، نومبر 1996 ء
- مرزا محمد الیاس، پوسٹ ماڈرن ازم، ماہنامہ آئین لاہور، جون2006 ء
- مرزا محمد الیاس، قومی زبان کا نفاذ، ترقی کیوں اور کیسے، ماہنامہ آئین لاہور، مئی 2006 ء
- مسعود علی خاں، تاخیر سے ہونے والی شادیاں اور نظام خاندان پر اس کے اثرات مشمولہ خاندانی نظام اور خواتین کے حقوق، ایفا نگر پبلیکیشنز دہلی، سن ندارد
- مہدی حسن، جدید ابلاغ عام، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد1990 ء
- نذرالحفیظ ندوی، مغربی میڈیا اوراس کے اثرات، دارالندوہ پریس لکھنو2001 ء
- وحید عشرت، فلسفہ عمرانیات، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور2007

رسائل اوراخبارات

- اخبار الأهرام22/02/200
- اخبار الأهرام:22، فروری2001ء
- بی بی سی میڈیا ایکشن، پالیسی بریفنگ نمبر9، ستمبر 2013 ء
- خبرونظر لاہور جون2001
- روزنامہ انصاف،4فروری2001
- روزنامہ جنگ لاہور، 31مارچ2000ء
- روزنامہ نوائے وقت لاہور،30اپریل2000ء
- ماہانہ ساحل کراچی، جون1997 ء
- ماہنامہ آئین لاہور فروری1995
- ماہنامہ پکار ملت لاہور، مارچ2007 ء
- ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اگست2004 ء
- ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور مارچ1996ء
- مجلۃ المجتمع کویت جون2006

English Books:

- Abdul Karim, Abdul-Hamid. (2000). Islam and Globalization, The Fount Journal, No.01, Singapore: JWB Printers and Binders Ltd.
- Abdul Karim, Abdul-Hamid. (2000). Islam and Globalization, The Fount Journal, No.01, Singapore: JWB Printers and Binders Ltd.
- Abdul-Rahman, Muhammad S. (2009). The Meaning and Explanation of the Glorious Qur'an, MSA Publication Limited.
- Abushouk, Ahmed (2006). Globalization and Muslim Identity Challenges and Prospects, University of Minnesota Press.
- Al-Faruqi, Al Tawhid: Its implications for Thought and life. Herndon, International Institute of Islamic Thought, Virginia USA.
- Al-Kassir, Maliha, A. (1991). The Family in Muslim World. M.D. Publications Pvt. Ltd New Delhi.
- Al-Kassir, Maliha, A. (1991). The Family in Muslim World. M.D. Publications Pvt. Ltd New Delhi.
- Al-Roubaie, A. (1998). The Global Age: An Application to Societal Change in Muslim Societies. Journal of the International Institute of Islamic Thought and Civilization (ISTAC) Al-Shajarah, Vol. 3, No.1.
- Amerrican Journal of Social Sciences, World Scholars, LLC, USA. Vol: 15.
- Andre Gunder Frank, "Reorient: Global economy in the Asian age" U.C. Berkeley Press, 1998.
- Annabelle Mooney; Betsy Evans (12 March 2007). Globalization: The Key Concepts. Routledge.
- Anthony G. McGrew, Global Legal Interaction and Present-Day Patterns of Globalization, Ashgate Dartmouth Publishing Company 1998.
- Anthony Gidden, The Consequences of Modernity, Cambridge: Polity Press 1990.
- Anthony McGrew, “A Global Society” in Stuart Hall, David Held and Anthoy Mcgrew, Modernity and Its Features, Cambridge: Polity Press 1990.
- Arjun Appadurai, Modernity at Large: Cultural Dimensions of Globalization.

- Arjun Appadurai, Modernity at Large: Cultural Dimensions of Globalization, Minneapolis: University of Minnesota Press 1996.
- *Babones, Salvatore (15 April 2008). "Studying Globalization: Methodological Issues" in George Ritzer, The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley & Sons.*
- Berns, Roberta (2007). Child, family, school, community: socialization and support. Thompson Learning.
- Bordo, M.D. Globalization in Historical Perspective. Business Economics, January 2002.
- Braonislaw Malinowski, Marriage Past and Oresent, Boston University Press USA.
- C. Walck and Billmoria, Editorial: Challenging Globalization Discources, Journal of the Change Management, Vol.8, No.4, 1995.
- Calkins, C.F. (1972) "Reviewed Work: Children's Rights: Toward the Liberation of the Child by Paul Adams", *Peabody Journal of Education.*
- *Census 2000 Profiles of General Demographic Characteristics, United States*, U.S. Census Bureau, Washington, DC (2001). p. A-1. Archived at: http://www.census.gov/prod/cen2000/doc/ProfilesTD.pdf
- Cf. "Monogamy" in *Britannica World Language Dictionary*, R.C. Preble (ed.), Oxford-London 1962.
- Charles Oman, The Policy Challenges of Globalization and Regionalization.
- Charles Oman, The Policy Challenges of Globalization and Regionalization, OECD Development Centre, Policy Brief No.11 , 1996.
- Cherl Benard Smith, Civil Democratic Islam, Partners Resources and Strategies, Rand Corporation 2003.
- Children (Scotland) Act 1995". *www.legislation.gov.uk*. Expert Participation. Retrieved 2018-02-17
- Children Act 1989". *www.legislation.gov.uk*. Expert Participation. Retrieved 2018-02-17.
- Colin Crouch (2 February 2012). "Democracy and Capitalism in the Wake of the Financial Crisis". In Edwin Amenta; Kate Nash; Alan Scott. The Wiley-Blackwell Companion to Political Sociology. John Wiley & Sons. p. 487. ISBN 978-1-4443-5507-9
- Crafts, N. & Venables A , Globalization in History: A Geographical Perspective (2003) in "Globalization in Historical Perspective"

Michael D. Bordo, Alan M. Taylor, & Jeffrey G. Williamson Publishers USA.

- Crawford, J.M. (1999). Co-parent adoptions by same-sex couples: From loophole to law. Families in Society: The *Journal of Contemporary Human Services.*
- Crosby, Alfred W., "The Columbian exchange: biological and cultural consequences of 1492", Greenwood Publishing Group.
- Daily The News, Article Being Informed in the Global Village, Special Suppliment , Feb4, 2001.
- Daniele (2010) 'The limits of cultural globalisation?', Journal of Critical Globalisation Studies.
- David A. King, Characteristics of Family Campers, Forest Services U.s Department of Agriculture Michigan 1965.
- David A Globalizing World?: Culture, Economics, Politics (2nd ed.2004). London; New York: Routledge, in association with the Open University.
- Day, R. D. (2010). *Introduction to family processes* (5th ed.). New York: Routledge.
- Deepak Nayyar, Globalisation, history and development: a tale of two centuries, in “ Cambridge Journal of Economics Junuary 30, 2006”.
- Dr. Nayef R.F. Al-Rodhan, Globalization; A Comprehensive Overview and Proposed Definition, Avenue De La Paix Publisher Geneva 2006.
- Edwards, A. P., & Graham, E. E. (2009). The Relationship Between Individuals’ Definitions of Family and Implicit Personal Theories of Communication. *Journal of Family Communication.*
- Findlay, R. & O’Rourke, K. Commodity Market Integration 1500-2000((2001)), Oxford University Press.
- From remarks at an UNCTAD conference in February 2000, in Johan Norberg (2003), *In Defense of Global Capitalism* Washington: Cato Institute.
- G. D. Abbot, The Family At Home with an introductery notice, Willaim Peirce Boston 1834.
- George Modelski, Globalization Texts, Concepts and Terms, University of Hawaii, compilied by Fred W. Riggs, May 13, 1998.
- George Modelski, Globalization Texts, Concepts and Terms, University of Hawaii, compilied by Fred W. Riggs, May 13, 1998.
- George Modelski; Tessaleno Devezas; William R. Thompson (20 December 2007). Globalization as Evolutionary Process: Modeling Global Change. Routledge.

- George Santayana's *The Life of Reason*, 1905-1906, as quoted by George Carruth and Eugene Ehrlich (eds), *American Quotations*, Wings Books, Avenel, New Jersey (1992)
- Gerard Delanty & Chris Rumford "Political Globalization". In George Ritzer. The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley & Sons.
- Giddens, A. (1990). The Consequences of Modernity. Cambridge: Polity Press.
- Godelier, Maurice, trans. Nora Scott, *The Metamorphoses of Kinship* (London: Verso, 2011.
- Government of Pakistan, Ministery of Education, : National Assesment Finding, National Education System Islamabad 2006.
- Hans Henrik and George Sorensen, Whose Orders? Uneven Globalization and End of the Cold War, Boulder: Westview Press 1995.
- Hans-Joachim Schulze, *General Monitoring Report, 2004,* European Observatory on Family Matters (2004).
- Hassan, M., K. (2003). Globalization and the Muslim World, Bangladesh Institute of Islamic Thought (BIIT).
- Heller, Anne C. (2009). *Ayn Rand and the World She Made*. New York: Doubleday.
- International Forum on Globalization [homepage on the Internet]. San Francisco: The IFG; [cited 2006 June 1]. Available on: http://www.ifg.org/analysis.htm
- Iqbal M. Education in Pakistan, Aziz Publishers Lahore 1981.
- Jack Weatherford, *Genghis Khan and the Making of the Modern World*, Crown publisher USA 2004.
- Jaffe, Eugene D. Globalization and Development. Infobase Publishing.
- James Rosenanu, The Dynamics of Globalization Towards an Formulation, San Diego, Paper presented at the International Association Convention, San Diego, 18 April 1995
- James, Paul (2006). Globalism, Nationalism, Tribalism. London: Sage Publications.
- Jan Aart Scholte, Globalization and Modernity, Paper presented at the International Studies Association Convention, San Diego, 15-20 April 1995.
- John M. Hobson (2004), The Eastern Origins of Western Civilisation, pp. 29–30, Cambridge University Press.

- Joseph Stiglitz (2003), *Globalization and Its Discontents* (New York: W.W. Norton & Company).
- Joshi, Rakesh Mohan (2009). International Business. Oxford University Press, Incorporated.
- Junko Kuninobu, "Japan," *International Encyclopedia of Marriage and Family*, Second Ed. James J. Ponzetti, (ed.), Macmillian Reference USA (2002).
- Jurgen Osterhammel and Niels P. Petersson. *Globalization: a short history*. (2005).
- Kate (2009). *The Spirit Level: Why More Equal Societies Almost Always Do Better*. Allen Lane.
- Kenichi Ohmae, The Borderless World: Power and Strategy in the Global Marketplace, London: Harper Collins 1992.
- Lamy, Pascal. Humanising globalization. Geneva, Switzerland: The WTO; [updated 2006 Jan 30; cited 2006 June 1]. Available on: http://www.wto.org/english/news_e/sppl_e/sppl16_e.htm
- Lansdown, G. "Children's welfare and children's rights," in Hendrick, H. (2005) *Child Welfare And Social Policy: An Essential Reader*. The Policy Press.
- Leeder, E. J. (2004). *The family in global perspective : a gendered journey*. Thousand Oaks, Calif. ; London: Sage Publications 1925.
- Little, Richard; Smith, Michael (27 October 2005). Perspectives on World Politics. Routledge.
- Malina, Bruce J. (15 February 2001). The New Testament world: insights from cultural anthropology. Westminster John Knox Press.
- Manfred B. Steger (27 March 2003). Globalization: A Very Short Introduction. Oxford University Press, UK.
- Manfred B. Steger and Paul James, ‘Ideologies of Globalism’, in Paul James and Manfred B. Steger, eds, Globalization and Culture: Vol. 4, Ideologies of Globalism, Sage Publications, London, 2010.
- Marco Mezzera and Safdar Sial, Media and Governance in Pakistan, Country Case Study Pakistan, October 2010, IFP Paper Research , www.initiaveforpeacebuilding.eu
- Mark Holland Smith, Family Characteristics, Social Capital and College Attendance, University of Florida 1993.
- Martin Albrow, Globalization, Knowledge and Society, London: Sage 1990.
- Martin Khor, The Globalization of the World Politics, An Introduction to International Relation, New York: Oxford University Press 1999.

- Martin Wolf (2005), *Why Globalization Works* (New Haven and London: Yale University Press).
- Mary Pipher, Saving the Selves of Reviving Ophedia Girls, Oxford Press New York 1994.
- McDaniel, S.H., Cambell, T.L., Hepworth, J., & Lorenz, A. (2005). *Family-oriented primary care (2nd ed.)*. New York, NY: Springer.
- McGoldrick, Monica; Giordano, Joseph; Garcia-Preto, Nydia (18 August 2005). *Ethnicity and family therapy*. Guilford Press.
- McNeill, W.H. (2015). Chapter 11, Globalization: Long-Term Process or New Era in Human Affairs? Oxford, England. Oxford University Press.
- Michael D. Bordo, Barry Eichengreen, Douglas A. Irwin. Is Globalization Today Really Different than Globalization a Hundred Years Ago?. NBER Working Paper No. 7195.
- Mrs. Taylor, Practical hints to Young Families on Duties of A Wife, A Mother, and A of A Family, Wells and Lilly Court-Street Press 1820.
- Muhammad Ashraf & Muqeem ul Islam, Media Activism and Its Impacts on the Psychology of Pakistani Society, ISSRA Papers 2014.
- Muzaffar, C. (2008). Hegemony: Justice; Peace, Arah Publications Selangor.
- Nabiha Fatima, Effects of Satellite Channnel Zee TV on Lahore Middle Class, M.A Mass Communication, University of the Punjab Lahore 2000.
- Naseem J. Q. Problem of Education in Pakistan, Royal Book Company Karachi 1990.
- Nicholas C. Burbules & Carlos Alberto Torres, Globalization and Education, Routlege Press NY USA 2000.
- O’Rourke, K. H., and Williamson, J. G. (2002). ‘When did globalisation begin?’. *European Review of Economic History*.
- Olivia Harris. Kate Young; Carol Wolkowitz; Roslyn McCullagh, eds. *Of Marriage and the Market: Women's Subordination Internationally and its Lessons*. London: Routeledge.
- Oxford English Dictionary - 2nd edition [electronic edition]. Oxford, : Oxford University Press; c2000 [cited 2006 June 1]. Available from: http://www.oed.com
- P.V. Nikitin and J.E. Elliot, Freedom and Market, The Forum for Social For Social Economics Press 2000.
- Paksitan Year Book 1987-88, East West Publishing Co. Karachi 1988.

- Patterson, J.M. (1996). Family research methods. In C.A. Heflinger & C.T. Nixon (Eds.), *Families and the mental health system for children and adolescents,* Thousand Oaks, California: Sage Publications.
- Paul James and Manfred Steger (2010). Globalization and Culture, Ideologies of Globalism. Sage Publications 2010.
- Phylis Lin Lan, Characteristics of A Healthy Family, University of Indianapolis Press N.Y 1930.
- Qadeer, Mohammad A. (2006). Pakistan Social and Cultural Transformations in a Muslim Nation. London: Routledge.
- Quotation from Francis Fukuyama, The End of History and The Last Man, New York: Free Press 1992.
- Rabeiah Naheed, FM-100 as Trendsetter of Radio Listening, The Case of Lahore, Listeners, Unpublished Thesis, M.A Mass Communication, University of Punjab Lahore 1998.
- Rahman, Siti Fatima A. (2002). The Impact of globalization on Social and Cultural Life: An Islamic Perspective. Institute of Islamic University Malaysia.
- Ray Kiely and Phil marfleet, Globalization and the Third World, London: Routledge 1981.
- Richard Kilminister, “Globalization as an Emergent Concept” in Alan Scott, The Limits of Globalization: Cases Arguments, London: Routledge 1997.
- Ritzer, George (2010). *MacDonalization: the reader/ 3rd ed*. Thousand Oak, CA: Sage Publications.
- Robert Spich, Globalization Folkfore: Problem of Myth and Ideology in the Discourse on Globalization, Journal of Organozational Change Management, Vol.8 , No.4, 1995.
- Robyn Bateman Driskell, The Impact of Globalization on Local Communities in Samir Dasgupta & Ray Kiely, Sage Publications 2006.
- Rodrik, D. (2011). The Globalization Paradox: Democracy and the Future of the World Economy. New York, New York. Norton.
- Ronald Robertstone, Social Theory and Global Culture, London: Sage 1992.
- Rosabeth Moss Kenter, Thriving Locallity in the Global Economy, New York: Simon and Schuster 1955.
- Sahay Vijoy "Globalization, Urbanization and Migration:Anthropological Dimensions of Trends and Impacts" 2013, Oriental Anthropologists.

- Salvatore Babones "Studying Globalization: Methodological Issues" in George Ritzer (15 April 2008). The Blackwell Companion to Globalization. John Wiley & Sons.
- Sarwar Naseem, Reseach Article, Computer and Communication, Department of Mass Communication, University of Karachi, June 1997.
- Sayan Fida & Hussain, Pakistan Existing Education System 2008, Retrieved from www.eric.articles/pak/edu .
- Schneider, David 1984 *A Critique of the Study of Kinship*. Ann Arbor: University of Michigan Press.
- Sharif Mustajib (2017). Contemporary Debate on Political Globalization and Nation StateYeg=PA68. International Affairs, UK.
- *Stack, C.B. (1996). All our kin*. New York, NY: Basic Books.
- Steel, L., Kidd, W., & Brown, A. (2012). *The family* (2nd ed.). Houndmills, Basingstoke England: Palgrave MacMillan.
- Steger, Manfred. *Globalization:* A Very Short Introduction. United States: Oxford University Press Inc.,New York, 2009.
- Steinem in the September 1981 *Ms. Magazine*. As quoted by George Carruth and Eugene Ehrlich (eds), *American Quotations*, Wings Books, Avenel, New Jersey (1992)
- Thomas L Friedman, "It's a Flat World, After All", New York Times Magazine; Apr 3, 2005.
- Thomas, Vladimir (May 1, 2017). *The world transformed 1945 to the present* (Second ed.). Michael H.hunt.
- Touba, J. R. (1991) The Family in Muslim World, M.D. Publications Pvt. Ltd New Delhi.
- U.S. Census Bureau (2005). Question and answer center. Retrieved July 7, 2005, from https://ask.census.gov/app/answers/list
- UN Convention On The Rights of The Children, Committee On The Rights of The Children Fifth Session Geneva 12-30 January 2009, CRC/C/GC/11, Children Wellfare Society NY. Available online on http://www.un.org/esa/socdev/unpfii/documents/CRC.GC.C.11_EN.pdf
- UN Human Rights Committee (1992) "General Comment No. 20". HRI/GEN/1/Rev.4.
- United Nations Poverty and Development Division. Available from: http://www.unescap.org/drpad/publication/survey1999/svy4a.htm
- United Nations Poverty and Development Division. Economic and social survey of Asia and the Pacific, 1999. New York: The United

Nations; c1999 [updated 1999 Dec 20; cited 2006 June 1]. Available from:
http://www.unescap.org/drpad/publication/survey1999/svy4a.htm

- Valentine M. Moghadam (20 January 2005). Globalizing Women: Transnational Feminist Networks. JHU Press.
- VM Yeates. Winged Victory. Jonathan Cape. London. 1962.
- Walter L. Sheldon, Duties In The Home and The Family, W. M. Welch Company Chicago 1904.
- Wilhelm Reich [1936] The Sexual Revolution, Chapter V, The compulsive family as educational apparatus.
- World Bank [homepage on the Internet]. Washington, DC: The World Bank Group; c2001 [cited 2006 June 1]. Available on: http://www1.worldbank.org/economicpolicy/globalization/
- World Health Organization [homepage on the Internet]. Geneva, Switzerland: The World Health Organization; c2006 [cited 2006 June 1]. Available from: http://www.who.int/trade/glossary/story043/en/index.html
- Zeitzen, Miriam K. (2008). *Polygamy: A Cross-Cultural Analysis*. Oxford: Berg.
- Ziehl, Susan C. (2003). Forging the Links: Globalization and Family Patterns, Society in Transition.
- Zinn, Maxine Baca; Eitzen, D. Stanley (2002). *Diversity in families* (6 ed.). Allyn and Bacon.
- Zohra Yusuf , Article “the press did no fail” the Daily Dawn Karachi , June 23, 1992

Website, Ensyclopedia & Reports

- http://afeministblog.blogspot.com
- http://www.businessdictionary.com
- http://www.census.gov
- http://www.dictionary.com
- http://www.ifg.org
- http://www.initiaveforpeacebuilding.eu
- http://www.javedahmadghamidi.com
- *http://www.legislation.gov.uk*
- http://www.mawdoo3.com

- http://www.oed.comhttp://www.un.org
- http://www.unescap.org
- http://www.who.int
- http://www.wto.org
- http://ww1.worldbank.org
- https://ask.census.gov
- https://dictionary.cambridge.org
- https://en.oxforddictionaries.com
- https://en.oxforddictionaries.com
- https://en.oxforddictionaries.com
- https://en.wikipedia.org
- https://www.almaany.com
- https://www.bbc.com
- https://www.britannica.com
- https://www.collinsdictionary.com
- https://www.collinsdictionary.com
- https://www.dawnnews.tv
- https://www.eric.articles/pak/edu
- https://www.gov.uk
- https://www.merriam-webster.com
- https://www.nawaiwaqt.com.pk
- https://www.urduvoa.com

____